ارمغانِ علامہ علاؤالدین صدیقیؒ

مرتبہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

شعبہ علوم اسلامیہ
جامعہ پنجاب، لاہور

Marfat.com

Marfat.com

ارمغانِ علامہ علاؤالدین صدیقی

مرتبہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

UNIVERSITY OF THE PUNJAB

شعبہ علوم اسلامیہ
جامعہ پنجاب، لاہور

DATA ENTERED

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت: اول، جولائی ۲۰۱۲ء/رمضان المبارک، ۱۴۳۳ھ
مطبع: گرافک ڈائی مینشن، العباس بلڈنگ، رائل پارک، لاہور
قیمت: ۴۴۰روپے (پاکستانی)

Copyright: 2012

Armaghan-e-Allama Ala-ud-Din Siddiqui

A Commemoration Volume

in honour of

Prof. Allama Ala-ud-Din Siddiqui

1907 - 1977

297.04
ج 89 ع
141508

Compiled by:

Prof. Dr. Jamila Shaukat

July, 2012/ Ramadan ul Mubarak, 1433Hijri

Published by: Department of Islamic Studies

University of the Punjab, Lahore

Price: Rs. 440 (Pak.)

Marfat.com

انتساب

مولوی دین محمد ؒ ہیڈ ماسٹر، اسلامیہ ہائی سکول،

شیرانوالہ دروازہ، لاہور

اور

شیخ التفسیر مولانا احمد علی ؒ لاہوری

کے نام

جن کی للّٰہیت اور فیضِ نظر نے علاؤالدین صدیقی کو علامہ علاؤالدین صدیقی ؒ بنا دیا۔

Marfat.com

PANJAB
UNIVERSITY
LIBRARY

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Marfat.com

Marfat.com

ارمغان علامہ علاؤالدین صدیقیؒ

(ستارۂ امتیاز)

شعبہ علوم اسلامیہ،

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

کے

مرحوم اساتذہ کی یاد میں – ۱

Marfat.com

اس سلسلے کی آئندہ کتابیں:

(۱) ارمغان ملک محمد اسلمؒ

(۲) ارمغان حافظ احمد یارؒ

(۳) ارمغان خالد علویؒ

(۴) ارمغان امان اللہ خانؒ

Marfat.com

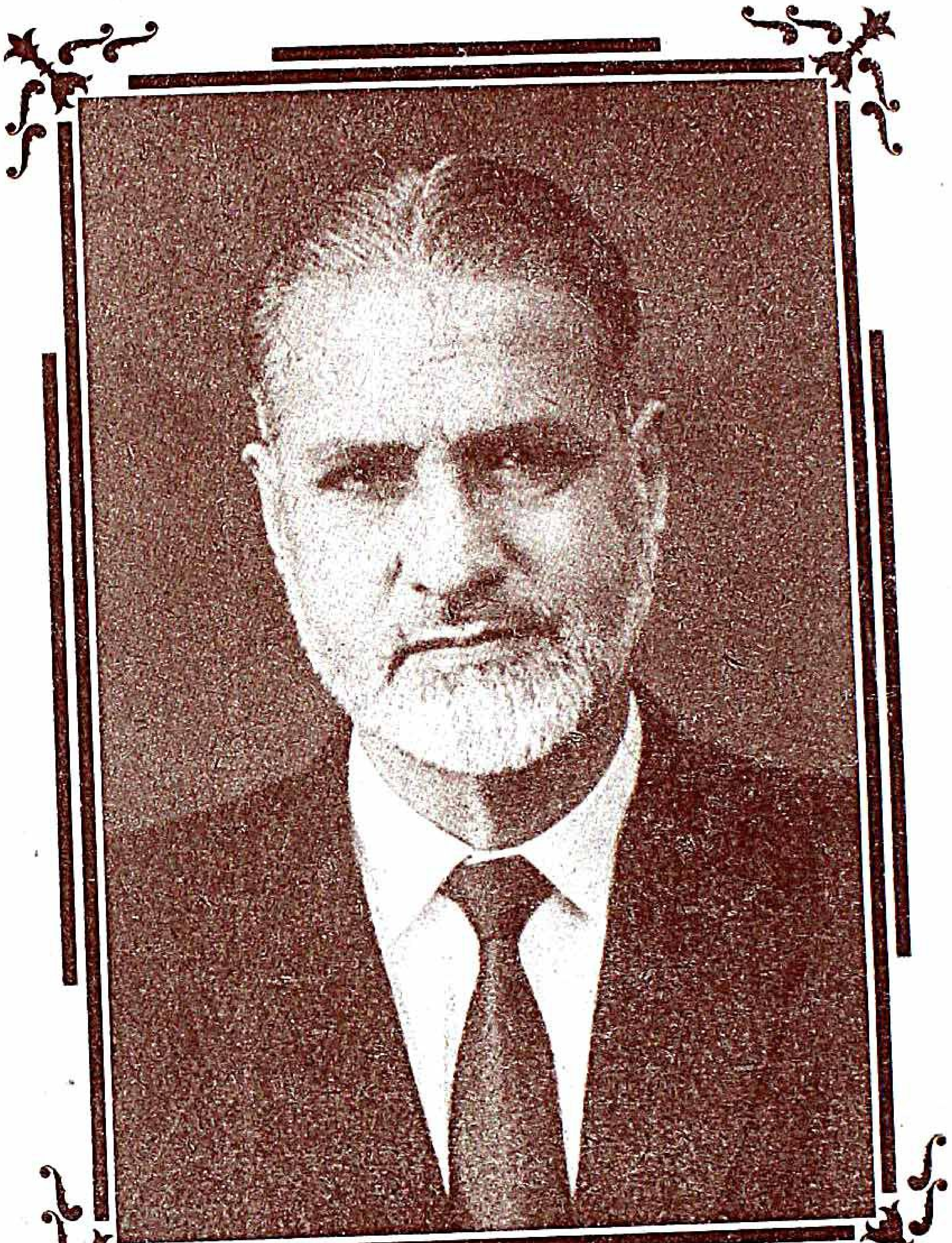

پروفیسر علامہ علاؤالدین صدیقی

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

	تقدیم	پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر	۹
	مقدمہ	پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت	۱۱
	۱		
۱۔	حیات نامہ	پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت	۱۷
۲۔	علامہ علاؤالدین صدیقی۔ایک عظیم شخصیت	پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت	۲۱
	۲		
۳۔	برِعظیم میں مطالعہ مذاہب کی روایت	پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر	۳۱
۴۔	مطالعہ مذاہب کا مغربی منہاج	ڈاکٹر محمد عبدالقیوم	۶۹
۵۔	محمد سلمان منصور پوری اور مطالعہ مذاہب	ڈاکٹر ساجد اسداللہ	۹۵
۶۔	قرآنِ حکیم اور دیگر کتبِ سماوی کی حفاظت: ایک تقابلی تحقیقی مطالعہ	پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر	۱۰۹
۷۔	زبورِ حضرت داؤد میں مذکور ابدی ممدوح الامم	جناب عبدالستار غوری	۱۴۱
۸۔	سیدنا یعقوب کی آپ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی	ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری	۱۵۷
۹۔	مذاہب عالم کی کتب مقدسہ میں صحابہ کرام کا تذکرہ	جناب عثمان احمد	۱۷۵
۱۰۔	اسلام فکر اقبال کی روشنی میں	پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ اکرام	۱۸۹
۱۱۔	تورات اور قرآن کا فلسفہ عبادت	ڈاکٹر غلام علی خان/مسفرہ محفوظ صاحبہ	۲۰۳
۱۲۔	مولانا محمد ادریس کاندھلوی: تقابلِ ادیان میں خدمات	ڈاکٹر محمد سعد صدیقی	۲۳۹
۱۳۔	مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور مطالعہ مسیحیت	ڈاکٹر محمد عبداللہ صالح	۲۵۳

Marfat.com

۱۴۔	بہائیت اور اس کا نظامِ عبادت	پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت / جناب عثمان احمد	۲۷۷
۱۵۔	تقابلِ ادیان میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی خدمات	پروفیسر ڈاکٹر محمد اسرائیل فاروقی / ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن	۲۹۱
۱۶۔	مولانا عبدالشکور لکھنویؒ: برصغیر کے معروف مبلغ	جناب عاصم نعیم	۳۱۷
۱۷۔	یکساں اخلاقی نصب العین اور بین المذاہب ہم آہنگی	پروفیسر ڈاکٹر زاہد منیر عامر	۳۳۱
	شرکاء کا تعارف	پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت	۳۴۹
	چند نادر تصاویر		

۳

-1	Abraham and His Influence on History	پروفیسر علامہ علاؤالدین صدیقی	1
-2	Muhammad - The Universal Prophet	پروفیسر علامہ علاؤالدین صدیقی	13
-3	The Attitude of Islam towards other Religions	پروفیسر علامہ علاؤالدین صدیقی	19

Marfat.com

تقدیم

محسنوں اور مشاہیر کو خراجِ تحسین پیش کرنا، ان کے کارناموں اور یادوں کو تازہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ارمغان علمی کمیٹی نے شعبۂ علوم اسلامیہ کا سنگ بنیاد رکھنے والی ہستی علامہ علاؤالدین صدیقی اور ان کے مابعد نامور اور فاضل اساتذہ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے فیصلہ کیا کہ فاضل اساتذہ نے جن جن شعبوں میں تدریسی و تحقیقی کارنامے انجام دیے، ان شعبوں سے متعلّق، نئے تحقیقی اور علمی مقالات کو ایک کتاب کی صورت میں مرتب و مدون کیا جائے۔ یہ کتاب ایک تحقیقی شاہ پارہ بھی ہو اور ایک فاضل استاذ کے نام سے معنون و منسوب ہونے کی بنا پر، ان کے نام کو آئندہ آنے والوں میں زندہ رکھنے کا ذریعہ بھی بنے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے استاذ مکرم جناب علامہ علاؤالدین صدیقی کا نام نامی آتا ہے۔ انھوں نے تفسیر کے علاوہ نمایاں طور پر تقابلِ ادیان کا مضمون پڑھایا۔ اس بات کی ایک عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ تقابلِ ادیان میں برعظیم کے مسلمانوں کی خدمات کو یکجا اور منضبط و مربوط انداز میں پیش کیا جائے، چنانچہ ارمغان کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ علامہ علاؤالدین صدیقی کے نام کی مناسبت سے چھپنے والے ارمغان کے لیے برعظیم میں تقابلِ ادیان میں مسلمان علما کی خدمات کو موضوعِ تحقیق بنایا جائے۔ جن احباب نے برعظیم میں تقابلِ ادیان کے حوالے سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے، ان سے خصوصی طور پر گزارش کی گئی کہ وہ ایک مقالہ تیار کریں۔

مقالات کے حصول اور ترتیب و تدوین کی ذمہ داری شعبے کی ایمریطس پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ کو سونپی گئی۔ ان کی مساعی قابلِ صد تحسین ہیں کہ انھوں نے نہایت ذوق و شوق اور سلیقے سے یہ کام انجام دیا ہے۔ ''ارمغان علمی'' سلسلے کی یہ پہلی کتاب منظر عام پر آرہی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کے نہایت قیمتی مشورے اور راہنمائی ہر مرحلے پر ہمارے

Marfat.com

لیے مشعلِ راہ رہی۔ میرے ذہن میں اپنے اساتذہ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا تصور تھا، ان دوستوں نے اسے عملی جامہ پہنایا امید ہے کہ زیرِ نظر ارمغانِ علمی شعبے کی تحقیقی کاوشوں میں سنگِ میل ثابت ہوگا۔

آئندہ اللہ کی توفیق کے ساتھ پروفیسر محمد اسلم، پروفیسر ڈاکٹر امان اللہ، پروفیسر حافظ احمد یار، پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی اور دیگر سابق اساتذہ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے اسی طرز پر ارمغانِ علمی مرتب کیے جائیں گے۔ قارئین کے مفید مشورے بھی ہمارے لیے راہنمائی کا ذریعہ بنیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ اور پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے علاوہ ڈاکٹر محمد عبداللہ صالح صاحب اور شعبے کے دیگر اساتذہ کرام نے اس ارمغان کی ترتیب و تشکیل میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ یہ سب کچھ ان کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ اللہ ان کی کاوشوں کا صلہ انھیں عطا کرے اور ہمارے اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین

اس سلسلے میں وائس چانسلر پنجاب یونی ورسٹی جناب ڈاکٹر مجاہد کامران کا شکریہ کرنا واجب ہے کہ ان کی حوصلہ افزائی اور مالی معاونت ہی سے اس منصوبے کا آغاز ہو رہا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر

صدرِ شعبہ و ڈین، شعبہ علومِ اسلامیہ

❁ ❁ ❁

Marfat.com

مقدمہ

غالباً ۲۰۱۰ء کے اواخر کی بات ہے کہ ایک موقع پر پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر ڈین فیکلٹی علومِ اسلامیہ نے شعبہ علومِ اسلامیہ کے مرحوم اساتذہ کرام کی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں یادگاری کتب (علمی و تحقیقی) کی تدوین و تالیف کی خواہش کا ذکر کیا تو راقمہ نے اس کی بھرپور تائید کی۔ ازاں بعد اس منصوبے کے روبہ عمل لانے کے لیے معاونت کی بات ہوئی تو بصد خوشی اس خیر کے کام میں تعاون کی حامی بھی بھر لی۔

جناب وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر کامران مجاہد صاحب کے سامنے منصوبے کی تفصیلات رکھی گئیں تو انھوں نے اسے پسند فرمایا اور مالی و اخلاقی تعاون کا وعدہ فرمایا۔ کام کو شروع کرنے اور اسے منظم انداز میں آگے بڑھانے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے ممبران درج ذیل اساتذہ محترم نامزد ہوئے۔

پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	سابق صدر شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی
پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری	چیئرمین، شعبہ علومِ اسلامیہ (اس وقت ریٹائر ہو چکے ہیں)
ڈاکٹر طاہرہ بشارت	شعبہ علومِ اسلامیہ
ڈاکٹر عبداللہ صالح	شیخ زاید اسلامک سنٹر
ڈاکٹر محمد سعد صدیقی	شعبہ علومِ اسلامیہ
ڈاکٹر غلام علی خان	شعبہ علومِ اسلامیہ

سرپرست ڈاکٹر حافظ محمود اختر صاحب اور راقمہ کنوینر مقرر ہوئی۔ اساتذہ علومِ اسلامیہ اور دیگر علم دوست حضرات کو اس منصوبے کے اغراض و مقاصد کی اطلاع بذریعہ خطوط اور ٹیلی فون دی گئی۔ اوران سے علمی تعاون کی درخواست کی گئی جو ان سطور کی تحریر تک جاری ہے۔ اس نفسا نفسی کے دور اور لوگوں کے کثیر المشاغل ہونے کی وجہ سے مقالات کا حصول نہایت سست رفتاری کا شکار رہا، اور عملاً کئی

Marfat.com

مواقع ایسے بھی آئے کہ کام کو جاری رکھنا ناممکن نہ سہی لیکن مشکل ضرور نظر آیا۔

ممبرانِ محترم نے ایک مرحلے پر یہ طے کیا کہ جس اُستاد مرحوم کے نام سے یہ علمی و تحقیقی نذرانہ معنون ہوا اس میں اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ اس کتاب کے مضامین کا تعلّق مرحوم استاد کے مضمون/مضامین تخصص سے ہو۔ نیز تقابلِ ادیان پر لکھنے والے حضرات محترم برعظیم کے اہل علم کی خدمات بطور خاص سامنے لائیں۔ الحمدللہ اس سلسلے کی پہلی کتاب مؤسس شعبہ علوم اسلامیہ اور اولین صدر کے نام گرامی سے منسوب کی گئی ہے۔ علامہ صاحب کے دلچسپی کے مضامین میں بڑا تنوع تھا۔ علومِ اسلامیہ کے اساتذہ، ماہرین اور منتسبین اس حقیقت سے باخبر ہوں گے کہ پاکستان کی قدیم ترین جامعہ پنجاب یونیورسٹی میں ۱۹۵۰ء میں اعلیٰ سطح پر علومِ اسلامیہ کی تدریس کا آغاز ہوا تو علامہ صاحب نے نصاب میں ایک پرچہ تقابلِ ادیان، کا متعارف کرایا، بعدازاں اس کو دیگر جامعات میں پذیرائی ملی اور کسی نہ کسی شکل میں شامل نصاب ہوا۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ اس ''علمی نذرانے'' میں برعظیم کی علماء اسلاف کی تقابلِ ادیان میں کاوشوں کو اُجاگر کیا جائے۔ جن احباب محترم نے ہماری درخواست پر لبیک کہا اور اپنی علمی و تحقیقی مساعی سے نوازا ان کے ہم دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہیں۔ برادر محترم پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ صاحب جو اسلام اور پاکستان سے محبت کی ایک علامت ہیں انھوں نے ہماری حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اپنا مضمون عطا فرمایا۔ عزیز محترم پروفیسر ڈاکٹر زاہد منیر عامر جو علومِ اسلامیہ کے روایتی اساتذہ کی صف میں شامل تو نہیں لیکن علومِ اسلامیہ سے محبت انھیں ہماری اس بزم میں لے آئی بطور خاص ان کی شکر گزار ہوں۔ برادر محترم و مکرم پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر صاحب بھی اگرچہ اسلامیات کے پروفیسر کے قافلے و زمرے میں تو شامل نہیں لیکن ان کے علمی و تحقیقی تجربے، راست فکری اور علومِ اسلامیہ کے تمام فنون پر ان کی دسترس اللہ کی خاص دین ہے اللہ کریم انھیں اجرِ جزیل سے نوازے کہ اہل خانہ کی شدید علالت اور دیگر اہم مصروفیات کے باوجود اپنا تفصیلی مقالہ عنایت فرمایا۔ اس یادگاری جلد کا آغاز موضوع کی مناسبت سے ان کے تفصیلی مضمون سے کیا جا رہا ہے۔

جناب عبدالستار غوری صاحب جو بائبل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور ہردم اس فکر میں رہتے ہیں

Marfat.com

کہ ''الفرقان'' کی روشنی میں بائبل میں بیان کردہ قصص و واقعات کو پرکھا اور دیکھا جائے، ہم ان کے بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنے مضمون میں آپ ﷺ کی بعثت کو بائبل اور اس کے شارحین / امترجمین کے اقوال سے ثابت و مزین کیا ہے۔

والدِ محترم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سعادت مند صاحبزادے ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری نے بھی اپنی تحقیق کا محور بائبل کو بنایا اور بائبل میں مذکور سیدنا یعقوب علیہ السلام کے فرمودات سے آپ ﷺ کی بعثت ثابت کی۔

ڈاکٹر محمد عبدالقیوم نے مطالعہ مذاہب کے مغربی منہاج پر مدلل مضمون تحریر فرمایا۔ ڈاکٹر غلام علی خاں اور معاون مقالہ نگار عزیزہ مسفرہ محفوظ نے تورات میں مذکور عبادات کا اسلام کے نظام عبادات سے تقابلی جائزہ پیش کیا ہے، ڈاکٹر ساجد اسد اللہ داوٗدی نے برعظیم کے نامور مطالعہ مذاہب کے ماہر، جناب سلمان منصور پوری پر اپنے مطالعہ کا حاصل بیان کیا ہے۔

برعظیم کی نامور شخصیات جنھوں نے اسلام کی فوقیت و برتری ثابت کرنے اور مخالفین کے نامعقول اعتراضات کا جواب دینے کے لیے اپنی زندگیاں صرف کیں اور بڑی محنت سے دیگر مذاہب کا مطالعہ کیا، ان میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی خدمات کو بالترتیب ڈاکٹر محمد عبداللہ صالح، پروفیسر ڈاکٹر اسرائیل فاروقی، ڈاکٹر محمد سعد صدیقی اور جناب عاصم نعیم نے خود ان اہل علم کی تالیفات وفرمودات کی روشنی میں علمی و تحقیقی انداز میں اسلام کی آفاقیت اور عالمگیریت کو پیش کیا ہے۔ جناب عثمان احمد اگرچہ شعبہ میں نووارد ہیں لیکن مطالعے کے ذوق وشوق نے انھیں آمادہ کیا کہ کتبِ مقدسہ میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرامؓ کے ذکر کا تعین کریں۔ ایک عام قاری کے لیے بھی اس میں دلچسپی کا پہلو موجود ہے۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر صاحب کے مضمون کا تذکرہ آخر میں رکھنا بے سبب نہیں انھوں نے اللہ رب العالمین کی آخری کتاب (القرآن) جو اس نے اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی، اس کی حفاظت اور دیگر کتبِ مقدسہ بالخصوص بائبل کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔

آخر میں ان تمام حضرات محترم جنھوں نے وقتاً فوقتاً تعاون فرمایا، ان کی ممنون ہوں۔ میری

Marfat.com

مراد ڈاکٹر محمد عبد اللہ صالح، جناب رشید احمد تھانوی، ڈین آفس اور شعبہ علومِ اسلامیہ کے ذمے دار حضرات محترام وغیرہ ہیں اور وہ بھی جن کا ذکر سہواً رہ گیا ہے۔ اگر ناسپاس گذاری ہوگی اگر میں مقالات پر تبصرہ نگار حضرات محترم کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی مثبت رائے کے بغیر مقالات کا اس مجموعے میں جگہ پانا ممکن ہی نہ تھا۔ فجزا هم الله خير الجزاء۔

ہماری خوش نصیبی کہ اس جلد کی تدوین میں آغاز کار سے ہمیں برادر محترم و مکرم پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی جو اردو ادب اور مطالعہ اقبالیات میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، کی علمی و تکنیکی مشاورت حاصل رہی۔ انھوں نے بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ مختلف معاملات میں ہماری راہنمائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت عطا فرمائے۔

علامہ مرحوم کے صاحبزادے جناب وجیہہ الدین نعمان صدیقی نے متعدد نایاب تصاویر عنایت کیں ان کا شکریہ واجب ہے۔ پروفیسر حافظ محمود اختر صاحب اس منصوبے کے روحِ رواں ہیں، میں ان کی شکرگزار ہوں کہ انھوں نے زیرِ نظر ارمغان کی تیاری کے سلسلے میں ہمہ پہلو تعاون فرمایا۔ سب سے بڑھ کر، رب رحیم و کریم کی بے پایاں رحمت معاون و دستگیر رہی جس کے نتیجے میں یہ یادگاری جلد قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ فلله الحمد و بيده التوفيق.

شعبہ اسلامیات کے تمام اساتذہ محترم جناب وائس چانسلر صاحب کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس سلسلے کی پہلی کتاب کے لیے معاونت فرمائی اور امید رکھتے ہیں کہ جناب محترم آئندہ بھی بطورِ خاص شعبہ کی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کی سرپرستی فرماتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

قارئین کرام کی آراء کا انتظار رہے گا تاکہ آئندہ شائع ہونے والی کتب میں ان کو سامنے رکھا جائے۔

❁ ❁ ❁

Marfat.com

۱

Marfat.com

Marfat.com

حیات نامہ

علامہ علاؤالدین صدیقیؒ

۱۹۰۷ء: علامہ صاحب ۳ نومبر ۱۹۰۷ء شیرانوالہ دروازہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ نجیب الطرفین تھے۔ سلسلہ ءنسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ شجرہ طریقت میں سہروردیہ سلسلے سے تھے۔

۱۹۱۲ء: ایک اندازے کے مطابق اس سال ابتدائی تعلیم کا آغاز محلّہ (اوجریاں سریاں) کے سکول سے کیا۔

۱۹۱۶ء: اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ دروازہ میں داخلہ لیا۔

۱۹۲۳ء: اسلامیہ ہائی سکول ہی سے میٹرک پاس کیا۔ یہاں کے دو اساتذہ جناب دین محمدؒ اور مولانا فضل میراںؒ سے بالخصوص متاثر ہوئے جو قرآن حکیم کے درس وتدریس سے تعلق کا سبب بھی بنے۔

۱۹۲۵ء: ایف سی کالج لاہور سے ایف اے (انٹرمیڈیٹ) کا امتحان پاس کیا۔ علامہ صاحب یہاں کے عیسائی اساتذہ کے مشنری جذبات وخدمات سے بہت متاثر ہوئے۔

۱۹۲۸ء: گورنمنٹ کالج (موجودہ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی) لاہور سے بی اے آنرز کیا۔

۱۹۲۸ء: غالباً پنجاب گورنمنٹ میں بحیثیت کلرک ملازمت کا آغاز کیا۔ بطور پنچایت آفیسر ہوشیارپور تبدیلی ہوئی اور اس کے بعد پنجاب سیکرٹریٹ میں اسسٹنٹ کے عہدے پر تعینات ہوئے۔ پنجاب روڈ ٹرانسپورٹ کے دفتر میں بھی بطور سپرنٹنڈنٹ کام کیا۔

Marfat.com

۱۹۲۸ء: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آقا بیدار بخت کے ادارے دارالسنہ شرقیہ سے اسی سال وابستہ ہوئے اور ۱۹۳۶ء تک اس ادارے کے پرنسپل رہے۔

۱۹۲۹ء: پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فارسی سے ایم اے کیا۔

۱۹۳۲ء: رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔

۱۹۳۵ء: ایم او ایل کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۳۵ء: پنجاب یونیورسٹی سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۳۵ء: مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور تحریکِ پاکستان کے پُر جوش حامی و داعی اور بلند آہنگ نقیب بنے۔ قریہ قریہ، بستی بستی، پھر کر اپنی پر جوش خطابت کے ذریعے لوگوں کو تحریک پاکستان اور نظریہ پاکستان سے متعارف کرایا۔

۱۹۳۵ء: مسجد شاہ چراغ میں درس کا آغاز کیا۔ یہ درس بعد نماز عصر ہوتا اور مولانا احمد علی لاہوری کے منہج پر ہوتا۔

۱۹۴۵ء: تحریک پاکستان کے لیے یکسوئی سے کام کرنے کے لیے حکومتی ملازمت سے استعفا دے دیا۔

۱۹۴۵ء: اسلامیہ کالج میں دینیات کے استاد مقرر ہوئے۔

۱۹۴۶ء: ۲۸ جنوری کو جمعیت العلمائے اسلام پنجاب کے ناظم مقرر ہوئے۔

۱۹۴۶ء: پٹنہ اور سندھ میں جمعیت العلمائے اسلام کے زیر اہتمام پاکستان کانفرنس میں کلیدی خطبہ دیا۔

۱۹۴۶ء: جامع مسجد آسٹریلیا میں بھی درس قرآن کا آغاز کیا۔ درس قرآن مسجد شاہ چراغ میں بعد از نماز عصر ہوتا۔

۱۹۴۶ء: صوبائی مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری بنے اور مسلم لیگ سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر بھی بنے۔

۱۹۴۶ء: خطبہ جمعہ کے لیے ڈلہوزی تشریف لے گئے۔

Marfat.com

۱۹۴۶ء: دین سے لگاؤ اور خدمت کے جذبے کے تحت مسجد شاہ چراغ سے متصل دو اداروں جامعہ اسلامیہ اور جمعیت اسلامیہ سے منسلک ہو گئے۔ جامعہ اسلامیہ میں درس قرآن، حدیث اور فقہ کی ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔ ایک شعبہ فن خطابت کا بھی تھا۔ لاہور کے قرب وجوار کے دفاتر مثلاً اے جی آفس اور ہائی کورٹ کے وکلا حضرات بڑے شوق سے ان کلاسوں سے استفادہ کرتے۔

۱۹۴۷ء: خضر وزارت کے خلاف سول نافرمانی تحریک میں حصّہ لیا اور گرفتار ہوئے۔

۱۹۴۷ء: صوبہ بہار کے مہاجرین بے سرو سامانی کی حالت میں لاہور آئے تو ان کی دیکھ بھال اور مدد کے لیے بہار ریلیف سوسائٹی قائم ہوئی۔ علامہ صاحب نے اس سوسائٹی کے سیکرٹری کے طور پر کام کیا۔

۱۹۴۸ء: مسلم لیگ صوبہ پنجاب کی صدارت کے لیے جناب ممتاز دولتانہ کے مقابلے میں کھڑے ہوئے۔ ایک متوسط خاندان کے فرد ہونے کی وجہ سے وہ ایک بااثر زمیندار، سرمایہ دار طبقہ کے فرد کا مقابلہ نہ کر سکے اور اس طرح دولتانہ صاحب جیت گئے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب علامہ صاحب نے کوچہ سیاست کو خیر باد کہا اور نوزائیدہ اسلامی مملکت میں دین کی تبلیغ وترویج اور تعلیم وتدریس کی طرف یکسوئی سے مصروف ہو گئے۔

۱۹۵۰ء: پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات کے اولین صدر مقرر ہوئے۔ نہایت مختصر وقت میں نہ صرف نصابات کی تشکیل کی بلکہ تدریس کے لیے اس وقت کے اہل علم اساتذہ کرام (ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، ڈاکٹر سید عبد اللہ، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، پروفیسر علم الدین سالک وغیرہ) کی خدمات جلیلہ حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔

۱۹۵۱ء: تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

۱۹۵۷ء: پنجاب یونیورسٹی کے بین الاقوامی مجلس مذاکرہ کے انتظام وانصرام میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

Marfat.com

۱۹۶۳ء: ۱۹۶۳ء کے پُر آشوب دور میں مختلف فرقوں اور گروہوں کے درمیان اتحاد کے لیے کامیاب مساعی کیں۔

۱۹۶۴ء: ۱۹۶۴ سے ۱۹۷۳ء تک اسلامی مشاورتی کونسل (موجودہ نام اسلامی نظریاتی کونسل) کے صدر نشین رہے۔ حکومت کی طرف سے پوچھے گئے اہم سوالات و مسائل کے بارے میں بڑی محنت سے قرآن وسنت کی روشنی میں تجاویز مرتب کر کے حکومت کو بھیجیں۔

۱۹۶۵ء: اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے قائم مقام صدر بنے۔

۱۹۶۶ء: مسجد شاہ چراغ کے ذیلی ادارے جامعہ اسلامیہ اور جمعیت اسلامیہ جو عوام میں دین کا شعور بیدار کرنے اور تعلیمات اسلامی کی ترویج میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اس میں توسیع کی گئی اور ورلڈ مشن آف اسلام قائم کیا۔

۱۹۶۶ء: انگریزی رسالے Light of Islam جاری کیا۔ وہ اس کے چیف ایڈیٹر بھی تھے۔

۱۹۶۶ء: علامہ صاحب کی سربراہی میں شعبہ علوم اسلامیہ کے زیر انتظام ایک ''بین الاقوامی اتحاد عالم کانفرنس'' منعقد ہوئی۔

۱۹۶۹ء: ''اسلامی نظریاتی کونسل'' نے دیگر اہم سفارشات کے ساتھ حکومت سے سفارش کی کہ وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عربی زبان کو دوسری لازمی زبان (یعنی اردو اور اس وقت بنگلہ زبان کے بعد) قرار دیا جائے۔

۱۹۶۹ء: پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے، اور چار سال تک خدمات سرانجام دیں۔

۱۹۷۳ء: فالج کا حملہ ہوا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شفایاب ہوئے۔

۱۹۷۷ء: دوبارہ فالج کا حملہ ہوا۔ میو ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۷ء کو ابدی زندگی کی طرف روانہ ہوگئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ اللہ کریم ان کو درجات عالیہ سے نوازے۔ (آمین)

❁❁❁

Marfat.com

علامہ علاؤ الدین صدیقیؒ — ایک عظیم شخصیت

مرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت*

حضرت علامہ علاؤ الدین صدیقی ۱۹۰۷ء میں لاہور کے ایک متوسط اور دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب حضرت صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے۔ نجیب الطرفین تھے۔ غیر منقسم ہندوستان میں ان کے آباء و اجداد شہزادگان کی تعلیم و تربیت پر مامور تھے، ازاں بعد تجارت کرنے لگے۔ والدِ گرامی جناب فیروز الدین کا پیشہ بھی تجارت تھا۔ انھوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا۔ خصوصی توجہ علامہ صاحب کو دی اُسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ صدیقی صاحب عمر بھر والدین کے مطیع اور خدمت گذار رہے۔ بالخصوص والدہ محترمہ کی خدمت، احترام اور توقیر کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے صدیقی صاحب کو مناصبِ عالیہ سے نوازا۔

۱۹۳۵ء میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ زوجہ مرحومہ دین دار، خلیق اور ملنسار تھیں۔ زوجین میں ہم آہنگی تھی، خانگی امور دانش مندی سے ادا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے چھے صاحبزادیوں اور ایک صاحبزادے کی نعمت سے نوازا، جن کی تعلیم و تربیت پر دونوں نے توجہ دی۔ اللہ کریم نے انھیں ذریۃ طیبۃ کے زمرے میں شامل فرمایا اور والدین محترم کے لیے سرمایہ افتخار بنے۔ الحمد للہ سب شادی شدہ ہیں اور ان کی اولاد بھی خلیق اور اچھے مناصب پر فائز ہے۔

علامہ صاحب کے اساتذہ محترم کی تعداد کثیر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے سب سے پہلے استاد اور مربی والد محترم تھے جن کی پدری شفقت اور کڑی تربیت ہر وقت حاصل رہی۔

---

* پروفیسر امیر یطس، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

Marfat.com

رسمی تعلیم کا آغاز محلے کے ایک مدرسے سے کیا۔ یہاں تین سال گذارنے کے بعد اسلامیہ ہائی سکول شیراں والہ دروازہ میں داخلہ لیا۔ اسی سکول سے میٹرک پاس کیا۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر محمد دینؒ صاحب، حافظ غلام احمدؒ اور مولانا فضل میراںؒ کی خصوصی توجہ و محبت حاصل رہی۔ ان تین بزرگوں کی بطورِ خاص محمد دین صاحب کی شاگردی قرآن حکیم سے علامہ صاحب کا رشتہ جوڑنے کا سبب بنی۔ ایف سی کالج سے ایف اے کیا۔ والد محترم ایک مشنری ادارے میں داخلے کے بارے میں متذبذب تھے۔ اس کے لیے انہوں نے دو اقدامات کیے۔ پہلا یہ کہ ایف سی کالج کے ایک مسلمان دیندار پروفیسر جناب بھٹی صاحب سے وعدہ لیا کہ وہ بچے کی نگرانی فرماتے ہوئے اس کی تربیت پر خصوصی توجہ دیں گے۔ دوسرا اقدام یہ کیا کہ انھوں نے عصری تعلیم کے ساتھ، دینی علوم کی تحصیل کے لیے انھیں مدرسہ قاسم العلوم میں داخل کرایا۔ وہاں ایک ممتاز عالمِ دین اور عاشقِ قرآن مولانا احمد علی لاہوری سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا جن کے نقوش و اثرات شاگردِ رشید کی ساری زندگی میں مشعل راہ بنے رہے۔

ایف سی کالج کے اساتذہ کے مشنری جذبے (خدمت و فلاحِ انسانیت) سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کی دعوت کے اسلوب و منہج کو دعوت قرآن پہنچانے میں سامنے رکھا۔ کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر متعدد اساتذہ سے اخذ و استفادہ کیا۔ علامہ محمد اقبالؒ سے ملاقات ہوئی لیکن ان کی صحبت میں رہنے کا موقع نہ ملا۔ شاعرِ مشرق نے اپنی شاعری میں قرآن و حدیث کی ترجمانی کی ہے۔ علامہ علاؤ الدین صدیقی اپنی ہر تقریر اور خطبے کو ان کے کلام سے مزین کرتے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بالواسطہ تلمیذ رشید تھے۔

علوم دینیہ کی تحصیل جن علمائے کرام سے حاصل کی ان میں نمایاں شخصیات مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ (مولانا احمد علی کے شیخ)، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا داؤد غزنویؒ، حافظ محمود خاں شیرانیؒ اور پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ تھے۔ موخر الذکر کی صحبت کی بدولت تقابلِ ادیان میں دلچسپی لی اور پھر مہارت بھی حاصل کی۔ سید مودودیؒ کے مداح اور عقیدتمند بھی تھے۔ فکر و نظر کی رفعت اور وسعت میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد سید ابوالاعلیٰ مودودی کو مقام دیتے تھے۔ ان کی تالیفات سے خود بھی استفادہ کرتے اور اپنے تلامذہ کو بھی پڑھنے کی تلقین کرتے۔ علامہ صاحب نے ان شخصیات سے دین کامل کی مبادیات و جزئیات سیکھیں اور شوق و لگن سے مہارت حاصل کی۔

عملی زندگی کا آغاز بی اے آنرز کرنے کے بعد کیا۔ مختلف حکومتی محکموں میں کام کیا۔ سرکاری

۱۴۱۵۰۸

Marfat.com

ملازمت کے ساتھ ایک دینی ادارے دار السنہ شرقیہ سے وابستہ ہوئے اور ۱۹۳۶ء تک اس ادارے کی انتظامی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ یہاں ایک بات لائق توجہ ہے کہ علامہ صاحب لگن اور شوق کے ساتھ اپنی علمی استعداد بڑھاتے رہے۔ ایم اے (فارسی)، ایم او ایل اور ایل ایل بی امتحانات، دوران ملازمت ہی میں پاس کر لیے تھے۔ الازہر بھی گئے اور وہاں سے عربی زبان میں ڈگری حاصل کی۔ علامہ صاحب کی فائلوں اور بیاضوں سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انھوں نے ترکی اور فرانسیسی زبان سیکھنے کی طرف بھی توجہ فرمائی۔

علامہ صاحب محترم کی شخصیت بڑی جاذبِ نظر تھی۔ میانہ قد، پیشانی کشادہ، سڈول جسم، سر پر جناح کیپ، سلیقے سے تراشی ہوئی داڑھی اور صاف ستھرا لباس ان کی شخصیت کا لازمی جز تھا۔ بظاہر بارعب لیکن نہایت شفیق و مہربان۔ وہ نہ تو بڑے مولوی تھے اور نہ ہی سوٹ میں ملبوس ''صاحب''۔ خوش ذوقی اور نفاست ان کی ہر شے سے جھلکتی تھی۔

علامہ صاحب عقیدۂ توحید کے پیکر، عشق وحُبِ رسول ﷺ ان کی ہر بات اور طور طریقوں سے مترشح ہوتا تھا۔ ان دو اساسیات میں استحکام کا نتیجہ تھا کہ وہ علم سے ٹوٹ کر محبت کرتے اور خالقِ کائنات کے حکم کی تعمیل میں اپنے مشن یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے سے کبھی غافل نہ ہوئے۔ رسالتِ مآب ﷺ کے فرمان ''خیر الناس من ینفع الناس'' کا بہترین نمونہ تھے۔ خوش خلقی اور خندہ پیشانی ان کی شخصیت کا اہم جز و تھی۔ اپنے ہوں یا غیر، سب کے لیے سراپا شفقت و محبت، ہاں جلال میں اس وقت آتے جب دین متین یا ذاتِ رسالت مآب ﷺ پر کوئی حرف زنی کرتا۔ اس کی واضح مثال ان واقعات سے ملتی ہے جو جنرل اعظم (اس وقت کے گورنر پنجاب) حکومتی افسران مثلاً غلام نبی میمن اور مختار اعوان کو محض اس لیے للکارا کہ انھوں نے حدود (شرعی سزاؤں) کے بارے میں نازیبا کلمات استعمال کیے اور ختم نبوت کے موقع پر پرستاران رسول ﷺ کی آواز بند کرنے کی کوشش کی۔

وضع داری، کردار و گفتار میں مطابقت، سادگی و نفاست کا نمونہ تھے، دل دردمند رکھتے تھے۔ احباب و اعزہ کی مدد فرماتے۔ نہایت قادر الکلام خطیب تھے انھوں نے مدلل خطابات سے وقت کی ضرورت کو جانا اور سمجھا اور اپنے سامعین کے دلوں کی دنیا تبدیل کر دیتے۔ بالخصوص مسئلہ ختم نبوت کے موقعے پر ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔

Marfat.com

اسلام سے عشق و محبت کے نتیجے میں پاکستان سے بے پناہ محبت کی اور پاکستان جس مقصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا اس دین کی تبلیغ و اشاعت کو آخر دم تک اپنی زندگی کا نصب العین بنائے رکھا۔

ظاہری و باطنی خوبیوں کا یہ حسین و متوازن مرقع، ۲۷ دسمبر ۱۹۷۷ء کو اپنے ابدی قیام گام کی طرف روانہ ہو گیا اور ہم سب کے کندھوں پر ایک بھاری ذمہ داری چھوڑ گیا جس کو آج ہم دنیاوی مفادات کے بھاری پتھروں کے نیچے دبا چکے ہیں۔ اللہ کریم ہم سب پر رحم فرمائے۔

علامہ صاحب نے عنفوان شباب ہی سے سیاست میں عملی حصہ لینا شروع کیا۔ ان کی سیاسی سرگرمیوں کی تفصیل میں جائیں تو ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے کہ انھوں نے اس وادی میں ''عبادت'' سمجھ کر قدم رکھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دو قومی نظریے اور تحریک پاکستان کے بارے میں عوام و خواص میں چرچے تھے۔ مختلف تحریکیں اور تنظیمیں لوگوں میں شعور و آگہی پیدا کرنے کے لیے متحرک تھیں۔

قرون اولیٰ کی عظمتوں کے نقیب اور بے بدل خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خطابت و خدمت کا جوش و جذبہ علامہ صاحب کو مجلس احرار میں لے گیا۔ لیکن حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے انھوں نے ۱۹۳۵ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔

جناب حمید نظامی اور راجہ حسن اختر وغیرہ کی کوششوں سے نظریہ پاکستان کے پر جوش حامی و داعی بنے۔ قریہ قریہ، بستی بستی جا کر عوام الناس کو اپنی خطابت کے ذریعے نظریہ پاکستان اور تحریک پاکستان سے متعارف کرایا۔ مسلم لیگ میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد مہاجرین کی مدد اور خدمت میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۴۸ء میں صوبہ پنجاب کے صدر کے عہدے کے لیے ممتاز دولتانہ کے مقابلے میں کھڑے ہوئے۔ ایک متوسط خاندان کا علوم دینیہ و دنیویہ سے آراستہ شخص ایک با اثر سرمایہ دار شخص سے مقابلہ نہ کر سکا۔ پاکستان کے قیام کے لیے شب و روز محنت کرنے والے شخص کو شاید فطری طور پر رنج ہوا ہو لیکن قدرت نے ان سے سیاست سے کہیں زیادہ اہم کام لینے تھے، سو انھوں نے کوچہ سیاست کو خیر باد کہا اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم و تعلم کی طرف متوجہ ہوئے۔ دنیائے علم میں انھوں نے وہ کارنامے اور خدمات سرانجام دیں جن کی بدولت عقیدت و محبت کے لاتناہی ''ہار'' ان کا مقدر بنے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

Marfat.com

نظریہ پاکستان اور تحریکِ پاکستان کے اس سرگرم کارکن نے خدمت دین اور بامقصد تعلیم کے علَم کو استقلال کے ساتھ تھامے رکھا۔ مولانا احمد علی کا یہ شاگرد خاص اپنے شیخ کے نقشِ قدم پر چلا۔ یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ ایک طرف سیاسی جماعتوں اور تحریکوں کے ساتھ قیام پاکستان اور تعمیر پاکستان کی کوششیں ہو رہی تھیں تو دوسری طرف یہ حقیقت ان کے ذہن پر حاوی نظر آتی ہے کہ اس خطہ ارضی کا حصول اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہوا ہے لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے اپنے شیخ احمد علی لاہوری کے منہج پر مختلف مقامات پر دروس قرآن کے سلسلے شروع کیے۔ دین کی آواز غیر مسلموں تک پہنچانے کے لیے زمانہ طالب علمی میں اندرون شہر دو مدرسے قائم کیے۔ قدرت نے فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ انھیں خوبصورت لب و لہجہ اور دلوں کو گرمانے اور مائل کرنے والے انداز سے نوازا تھا۔ مسجد شاہ چراغ کے درس قرآن کے سامعین میں ہائی کورٹ کے وکلا، اے جی آفس، جی پی او کے افسران و ملازمین، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے طلبہ کے علاوہ مزنگ اور شہر کے دوسرے حصوں سے آنے والے شامل تھے۔

مسجد شاہ چراغ میں جمعے کے خطبے کا آغاز غالباً ۱۹۴۲ء میں ہوا۔ علامہ صاحب نے ایک طویل عرصے تک یہ ذمہ داری باقاعدگی سے نبھائی اور سرکاری یا ذاتی مصروفیات کو آڑے نہ آنے دیا۔ خطبہ جمعہ ہفتہ رفتہ کے حالات کا جائزہ اور محاکمہ اور آئندہ ہفتے کے لیے نظام و پیغام عمل لیے ہوتا۔ خطبہ جمعہ کے بعد سوال و جواب کی محفل بھی منعقد ہوتی۔ اس محفل میں ہر عمر اور ہر فکر کے لوگ جوق در جوق شریک ہوتے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے بھی وہ ڈلہوزی میں خطبہ جمعہ کے لیے مدعو کیے گئے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد براڈ کاسٹنگ شروع ہوئی تو علامہ صاحب نے فوراً اسلامی موضوعات پر مدلل تقاریر کا سلسلہ شروع کیا۔ تبلیغ اسلام کے لیے کئی ادارے قائم کیے جن میں عالمی ادارہ تبلیغ اسلام اور اس پلیٹ فارم سے ایک رسالہ *Light of Islam* جاری کیا۔ اس کے اجرا کا مقصد دین اسلام کی آواز انگریزی خواں طبقے تک پہنچانا تھا۔ استاد محترم اتحاد و اتفاق کے نقیب تھے۔ مختلف فرقوں کے جلسوں میں شرکت کرتے اور انتشار و افتراق سے بچنے کی تلقین کرتے۔

علامہ صاحب مسلمان علما و زعما میں ہر دلعزیز تھے۔ جہاں جاتے، حق بات فرماتے۔ دیگر مذاہب کے اجتماعات میں شرکت فرماتے اور نہایت حکمت اور فراست سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا

Marfat.com

پیغام پہنچاتے۔ دین اسلام کی خوبیاں اور محاسن بیان فرماتے۔

علامہ صاحب ۱۹۴۶ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں دینیات کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ تدریس کے ساتھ انھوں نے دینی و تبلیغی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں۔ پاکستان کی جامعات میں سے سب سے پہلے پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات قائم کرنے کا فیصلہ ہوا، تو علامہ صاحب کو اس شعبے کی سربراہی کے لیے اسلامیہ کالج سے بلایا گیا۔ علامہ صاحب نے شبانہ روز محنت کی اور چند مخلص رفقا کے ساتھ مل کر نصاب ترتیب دیا۔ شعبہ کے لیے ایک کمرہ اور ایک خیمہ فراہم کیا گیا۔ تدریس کے لیے اس وقت کے چوٹی کے علما کی عارضی خدمات حاصل کی گئیں۔ آغاز میں کلاس دوپہر کے بعد ہوتی تاکہ ملازمت پیشہ حضرات بھی داخلہ لے سکیں۔ مختلف مراحل پر شعبہ اسلامیات اور اسلامیات کی تدریس کے حوالے سے مخالفتوں نے سر اٹھایا لیکن علامہ صاحب کے عزم کے سامنے کسی کی ایک نہ چلی۔ واقف حال جانتے ہیں کہ بہت تھوڑی مدت میں اس شعبے اور مضمون کو پذیرائی ملی حتی کہ مشرق و مغرب سے تلامذہ آ کر تعلیم حاصل کرنے لگے۔ جب پی ایچ ڈی کی سطح پر تعلیم کا اہتمام ہوا تو عرب ممالک کے طلبہ کی ایک اچھی خاصی تعداد پی ایچ ڈی کے لیے رجسٹر ہوئی اور ڈگری حاصل کی۔

علامہ صاحب کو تقابلِ ادیان کا موضوع بہت پسند اور مرغوب تھا انھوں نے ایم اے کا ایک مکمل پرچہ اس کے لیے مختص کیا اور ریٹائرمنٹ سے پہلے تک اس فریضے کو بڑی عمدگی سے سرانجام دیتے رہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے طرز پر پاکستان کی دوسری یونیورسٹیوں میں بھی اسلامیات کے شعبے قائم ہوئے۔ علامہ صاحب نے ملک میں تمام سطحوں پر مروج نصابات میں اسلامیات کا پرچہ داخل کرایا۔ ایک سعید گھڑی ایسی بھی آئی کہ ان کی کاوشوں اور خلوص کی بدولت تمام فنی اداروں، مقابلے کے امتحانات پیشہ ورانہ کالجوں میں بھی اس کو لازمی حیثیت مل گئی۔

تبلیغِ دین کے سلسلے میں علامہ صاحب کا ایک اور یادگار اقدام علومِ اسلامیہ میں ایک سالہ ڈپلومے کا اجراء تھا۔ اس کلاس میں مختلف علوم و فنون کے متخصصین داخلہ لے سکتے تھے۔ ذریعہ تعلیم انگریزی تھا اور تحقیقی مقالہ نصاب کا لازمی حصّہ تھا۔ مختلف میدانِ علم سے وابستہ علوم دینیہ کے شائقین نے اسے سنہری موقع سمجھتے ہوئے داخلہ لیا۔ فارغ التحصیل اہلِ علم میں سے چند اسماءِ گرامی یہ ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرؤف، ڈاکٹر سعدیہ خاور چشتی، محترم عزیز اللہ، محترم ایم عمر وغیرہ۔

Marfat.com

اس شعبے سے ہر سال طلبہ کی ایک بڑی تعداد سندِ فراغت حاصل کرتی رہی اور آج بھی کر رہی ہے۔ علامہ صاحب نے اپنے تعلقات اور مساعی کے ذریعے اساتذہ کو منتخب کرنے والے اداروں میں فارغ التحصیل طلبہ کی ملازمت کے لیے سیٹ مختص کرائیں۔ واقف حال بتاتے ہیں کہ طلبہ کی پہلی کھیپ ۱۹۵۲ء میں تیار ہوئی جن میں سے سات طلبہ کو سرکاری کالجوں میں ملازمت مل گئی۔ ایک قلیل مدت میں یہ ننھا منا پودا تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ یونیورسٹی سے منسلک متعدد کالجوں میں بھی ایم اے کی سطح پر اسلامیات کی تدریس کے لیے مستقل شعبہ جات قائم ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات نے ہر مرحلے پر ان نئے قائم ہونے والے شعبہ جات کے ساتھ بھرپور علمی تعاون کیا اور آج بھی شعبے کے دروازے ان سب کے لیے کھلے ہیں۔

علامہ صاحب شعبہ کی سربراہی کے ساتھ ملک کے دیگر معروف اداروں کے بھی صدر رہے۔ ہر مکتبِ فکر کے جلسوں اور پروگراموں میں خطابت کے جوہر دکھائے۔ فرائض کی کثرت کے باوجود انھوں نے تحقیق و تالیف کی طرف توجہ دی اور شعبے میں بھی اس روش کو پروان چڑھایا۔

نصاب میں ایک پرچہ ''تحقیقی مقالہ'' رائج کرایا۔ علامہ صاحب نے بنفسِ نفیس ایک سو بیس سے زیادہ ایم اے کے مقالات کی راہنمائی فرمائی۔ پی ایچ ڈی کے مقالات کے نگرانوں میں ان کا نام نامی سب سے اوپر نظر آتا ہے۔ ان کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی سطح پر چھ مقالات تحریر کیے گئے جن میں اہم ترین ''حضرت احمد علی لاہوری کی علمی و دینی خدمات'' ہے۔ ان مقالات میں سے، دو بزبان اردو جبکہ تین بزبان انگریزی لکھے گئے۔ گوناگوں سیاسی، دینی اور تنظیمی امور میں مصروفیات کے باوجود علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پر ایک تحقیقی کتاب تالیف کی۔ اس کے خطاط شاہ محمد خوش نویس مسجد وزیر خاں تھے۔ یہ گیلانی پریس سے شائع ہوئی۔

مڈل کے طلبہ کے لیے درسی کتاب ''اسباق الترجمہ'' دو اجزا میں ایسٹرن بک سٹال اردو بازار سے کئی بار شائع ہوئی۔ اسلام اور آپ ﷺ پر متنوع مضامین اردو اور انگریزی اخبارات میں مستقل چھپتے رہے۔

قاری کو یہ بات جان کر حیرت ہوگی کہ علامہ صاحب محترم کو نہ صرف نثر (تحریر و تقریر) میں ید طولیٰ حاصل تھا بلکہ اظہار مدعا کے لیے ایام جوانی میں نظم سے بھی کام لیا اور ''انجم'' تخلص فرمایا۔ منظوم کلام اردو، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں میں ہے۔ ان کی بیاضوں سے ملنے والا کلام اس بات پر دلالت کرتا

Marfat.com

ہے کہ ان کی شاعری بھی با مقصد ہوتی تھی۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر اس بارے میں لکھتے ہیں: ''ان کی شاعری کا بڑا حصّہ غیر معمولی مذہبی شغف کا حامل ہے چنانچہ ان کے ہاں ظہور پانے والے اکثر احساسات و جذبات کا تعلّق مذہب، مذہبی تعلیمات اور مذہبی شخصیات سے ہے''۔

شاعری کی طرف میلان کا ذکر کرتے ہوئے محترم پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ فرماتے ہیں کہ خانہ فرہنگ ایران کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے مشاعروں میں دیگر نامور شعرا کے ساتھ شریک ہوتے اور اپنا کلام بھی پیش کرتے۔

علامہ صاحب کی خدمات پر گورنمنٹ کالج فیصل آباد کے ایک طالب علم نے ایم اے کی سطح کا ایک مقالہ ڈاکٹر قاری محمد طاہر کی نگرانی میں لکھا۔ ۱۹۹۳ء میں استادِ محترم کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے شعبہ اسلامیات کی مجلسِ فاضلین علوم اسلامیہ کے زیر انتظام ایک باوقار تقریب منعقد ہوئی۔ اس میں علامہ صاحب کے بعض احباب، اعزہ و اقارب اور تلامذہ شریک ہوئے اور اپنے اپنے تجربات و احساسات کا اظہار کیا۔ شرکا کے پیش کردہ مقالات ''مرقع صدیقی'' میں محفوظ ہیں۔

اوپر کی سطور میں علامہ صاحب کی ہمہ جہت شخصیت کی فقط ایک جھلک ہی پیش کی جا سکی ہے۔ متذکرہ بالا ''مرقع صدیقی'' کے مطالعے سے مرحوم کی شخصیت کی گوں ناگوں خدمات اور علمی کارنامے کی مزید تفصیل سامنے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر اور محسنین کے نقشِ قدم پر چلنے اور بعد میں آنے والوں کے لیے ان کی خدمات اور کارہائے نمایاں کو محفوظ کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

❁ ❁ ❁

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

برعظیم میں مطالعۂ مذاہب کی مسلم روایت

پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر*

برعظیم پاکستان و ہند میں مطالعۂ مذاہب کی مسلم روایت کا تذکرہ کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہ روایت مذاہب کے اس تقابلی مطالعے سے خاصی مختلف ہے، جس کا آغاز مغربی دنیا میں انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں جرمن فاضل میکس مولر (Max Muller) کی تالیفات سے ہوا، [1] اور مختلف مراحل و مدارج سے گزرنے کے بعد اس کا ایک بڑا مظہر انسائیکلوپیڈیا آف رلیجن اینڈ ایتھکس کی شکل میں سامنے آیا۔ [2] ''تقابلی مطالعۂ مذاہب'' جو وقت کے ساتھ سائنس آف رلیجن (علم مذہب) اور سائنٹفک سٹڈی آف رلیجن (علمی مطالعۂ مذہب) کی اصطلاحات سے بھی معروف ہوا، اپنے دور کے علمی ارتقاء اور اس کے تقاضوں، نیز مصنّفین اور مطالعہ کنندگان کے انفرادی ذوق اور زاویۂ نظر سے بھی متاثر ہوتا رہا۔ ''تقابلی مطالعۂ مذاہب'' میں خالص علمی لگن نے جہاں حصّہ لیا، وہیں تبشیری مقاصد رکھنے والوں نے بھی اس میں اپنا حصّہ ڈالا اور ایشیا و افریقہ میں اپنی نوآبادیاتی گرفت مضبوط رکھنے کی خواہش مند قوتوں نے بھی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس طرزِ مطالعۂ مذاہب سے برعظیم کے مسلم فضلاء کی دلچسپی کا ذکر ہم زیرِ نظر تحریر کے آخر میں کریں گے۔

جہاں تک مطالعۂ مذاہب کی مسلم روایت کا تعلق ہے اس کی بنیاد قرآن مجید کا یہ بیانیہ ہے کہ خالقِ کائنات نے انسان کی تخلیق کے ساتھ اسے الٰہی ہدایت سے بھی نوازا۔ انسانِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام، اللہ کے پہلے نبی بھی تھے، ان کے توسط سے ان کی اولاد کو ہدایتِ خداوندی حاصل ہوئی۔

* سابق چیف ایڈیٹر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

Marfat.com

بعدازاں جوں جوں اولادِ آدم کرۂ ارض پر پھیلتی چلی گئی۔ اسی طرح اس کی بستیوں میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغام بر بھیجتا رہا۔ ولکل قوم ھاد (۳) اور وان من امة الا خلا فیھا نذیر (۴) کے تحت برعظیم کا خطہ بھی ہدایت کے علم برداروں سے خالی نہ رہا ہوگا۔ (گو ہمارے لیے برعظیم کے کسی مصلح کو پورے تیقن کے ساتھ زمرۂ انبیاء میں شمار کرنا ممکن نہیں، تاہم اس خطے کی اقوام میں سے جو اپنے ہاں الہامی کتابوں کے موجود ہونے کی دعویدار ہیں، ان کی عملی زندگی میں کتنی ہی خرابیاں کیوں نہ ہوں اور ان کی کتابوں میں کتنی ہی ترمیم وتحریف کیوں نہ ہوگئی ہو، اس سب کچھ کے باوجود اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ ان اقوام کی ابتدائی نسلیں الٰہی رہنمائی سے محروم نہ تھیں۔) قرآن مجید کے دعوے سے واضح ہے کہ برعظیم میں مبعوث ہونے والے انبیاء اسی پیغام کے علم بردار تھے جو دوسرے انبیاء جن سے ہم واقف ہیں وقتاً فوقتاً اقوامِ عالم کے سامنے پیش کرتے رہے تھے۔

۱

آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں جب عرب مسلمان بطور فاتح سندھ میں داخل ہوئے تو یہاں کی آبادی ہندومت اور بدھ مت وغیرہ کے پیروکاروں پر مشتمل تھی۔ فاتحین اور مقامی آبادی کے درمیان ربط وتعلّق کے نتیجے میں ان سیاسی، سماجی اور خالصتاً مذہبی تناظر میں مقامی آبادی کی ایک بڑی تعداد نے اسلام کی دعوت قبول کی۔ مسلم فاتحین، یا ان میں سے جو علم و دانش کے مرتبے پر فائز تھے، انھوں نے مقامی آبادی کے مذاہب کے بارے میں کیا مذہبی رویے اختیار کیے تھے؟ اس بارے میں ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں، البتہ اتنی بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ مسلم فاتحین کے حُسنِ عمل نے مقامی آبادی کے دل موہ لیے تھے۔ مسلم اقتدار کی ابتدائی تین صدیوں کے دوران میں جو مسلم سیاح، برعظیم اور بالخصوص سندھ وملتان آتے رہے تھے اور خوش قسمتی سے ان کی سفری یادداشتیں دستبردِ زمانہ سے بچ گئی ہیں، انھوں نے اپنے عمومی مشاہدات کے ساتھ برعظیم کے مسلم معاشرے اور مسلمانوں کے غیر مسلم ہم وطنوں کے مذاہب اور تہذیب وتمدن کے بارے میں بھی کچھ معلومات درج کی ہیں، (۵) تاہم سیاحوں کے ان مشاہدات وتاثرات کو مذاہب کے کسی عمیق مطالعے سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

سندھ کے راستے اسلام کا جو پیغام برّعظیم پہنچا تھا، وہ دسویں صدی کے آخر تک اضمحلال کا شکار ہوگیا، ملتان قرامطہ کے زیرِ نگیں آ گیا، جن کے قلع قمع کے لیے گیارھویں صدی میں سلطان محمود غزنوی (م ۱۰۳۰ء) نے برِّعظیم کا رخ کیا، اور پنجاب اور اس کے ملحقہ علاقے سلطنتِ غزنی کا حصّہ بن گئے۔

Marfat.com

غزنوی اور بعد میں شہاب الدین غوری (م ۱۲۰۶ء) کے ساتھ آنے والے سپاہیوں اور اہلِ علم میں سے بعض نے اس اجنبی خطے کو بوجوہ اپنی بود و باش کے لیے پسند کیا تو انہیں مقامی آبادی کے مذہب و تہذیب کو جاننے کا موقع ملا۔

پہلا عالم جس نے برعظیم کی غیر مسلم آبادی کے بڑے حصّے، یعنی ہندوؤں کے مذہب اور تہذیب پر بامعانِ نظر تفصیل سے لکھا ہے وہ ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (م ۴۴۰ھ/ ۱۰۴۸ء) ہے۔ البیرونی وسطی ایشیا سے تعلّق رکھنے والا ایک نابغہ تھا جس کی دلچسپی میں تاریخ و ادب، جغرافیہ، ہیئت و ریاضی جیسے علوم و فنون کا عمیق مطالعہ شامل تھا۔ البیرونی کی زندگی کے بارے میں ہماری معلومات بے حد محدود ہیں اور جو ہیں وہ زیادہ تر اس کی اپنی کتابوں ہی سے اخذ کردہ ہیں۔ انہی محدود معلومات کے مطابق وہ ۳ ذوالحجہ ۳۶۲ھ/ ۲۱ ستمبر ۹۷۳ء کو خوارزم کے قریب برون نامی گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے اساتذہ کی تفصیلات دستیاب نہیں، البتہ ایک جگہ اس نے ابونصر منصور بن علی بن عراق کا ذکر ''استاذی'' کے لفظ سے کیا ہے۔ ابونصر منصور خوارزم کے شاہی خانوادے کا فرد تھا، مگر اس کے کارنامے علم و دانش کے میدان میں ہیں۔ بوڈلین لائبریری میں ایک رسالہ محفوظ ہے جس کا نام رسالہ ابونصر وابوریحان فی جدول الدقائق ہے، اس سے البیرونی کے اپنے بیان کی مزید توثیق ہو جاتی ہے۔

البیرونی کچھ عرصہ، سال بھر یا اس سے کم، منصور بن نوح سامانی کے دربار میں رہا۔ ۳۸۸ھ/ ۹۹۸ء میں والی جرجان و طبرستان شمس المعالی ابوالحسن قابوس بن وشمگیر کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ پھر ۳۹۹ھ/ ۱۰۰۸ء میں واپس خوارزم آیا اور ۴۰۸ھ/ ۱۰۱۷ء تک وہیں مقیم رہا، حتیٰ کہ محمود غزنوی نے ابوالعباس مامون والیِ خوارزم کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا اور خوارزم غزنوی کے زیرِ نگین آ گیا۔ دوسرے اہم افراد کے ساتھ البیرونی کو بھی غزنی جانا پڑا اور اس کی باقی ماندہ زندگی اہل غزنی کے ساتھ وابستہ ہو گئی۔

البیرونی کو برعظیم آنے کا موقع ملا، اور ہندوؤں کے علوم میں اس نے درکِ کامل حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ہندو علوم و فنون کے بڑے مراکز تو بنارس اور کشمیر میں تھے، مگر البیرونی کا جہانِ تگ و تاز انہی علاقوں تک محدود تھا جو محمود غزنوی نے فتح کر لیے تھے۔ اس کے اپنے بیان کے مطابق وہ پرشاور (پشاور)، ویہند (ہنڈ، ضلع صوابی)، جیلم (جہلم)، قلعہ نندنا (نزد پنڈ دادخان)، سیالکوٹ اور ملتان میں مقیم رہا اور ان بستیوں کے طول بلد اور عرض بلد دریافت کیے۔ ان شہروں میں اس نے ہندو اہل علم سے سنسکرت زبان سیکھی اور ان کے علوم و فنون کو سمجھا اور چند سنسکرت تحریروں کو عربی میں منتقل کرنے کے بعد کتاب فی تحقیق

Marfat.com

ما للہند - کی تالیف کی (۴۲۲ھ/۱۰۳۱ء) جسے جرمن عالم ایڈورڈ سی سخاؤ (Edward C. Sachau) نے پہلے مرتب کیا (اشاعت: لندن، ۱۸۸۷ء)[۶] اور پھر اسے Al-Beruni's India کے نام سے دو جلدوں میں انگریزی میں منتقل کیا۔ (اشاعت: لندن ۱۹۱۰ء)

البیرونی نے برعظیم کے علوم — ہیئت و نجوم، جغرافیہ، حساب، علم المناظر، حکایات وقصص — اور مذہب وتہذیب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، فہرست نگاروں نے اس کی مہیا کردہ معلومات سے استفادہ کرتے ہوئے اس کی مجمل فہرست مرتب کی ہے۔[۷] البیرونی کی اس حوالے سے اہم ترین کتاب تو وہی فی تحقیق ما للہند ہے، تاہم دوسرے مطالعات یہ ہیں:

- ☆ مقالہ فی باسدیو الھند عند مجیئہ الادنیٰ — کرشنا کے والد واس دیو کے ادنیٰ حالتوں میں ظاہر ہونے کے بارے میں اہلِ ہند کے خیالات
- ☆ ترجمہ کتاب سانك فی الموجودات المحسوسہ والمعقولہ
- ☆ ترجمہ کتاب پاتنجل فی الخلاص من الارتباك

ہندو مذہب وتہذیب پر ان مستقل بالذات کاوشوں کے ساتھ البیرونی کی دوسری معروف کتابوں الآثار الباقیة، قانون مسعودی، الجماھر فی معرفة الجواھر اور الصیدنہ میں ہی برعظیم کی تہذیب و مذہب کے بارے میں کہیں کہیں ضمناً گفتگو کی گئی ہے۔

البیرونی کی کتاب فی تحقیق ما للہند پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ البیرونی سے پہلے بھی مسلم اہل علم برعظیم اور یہاں کے مذاہب پر ابتدائی کام کر چکے تھے اور یہاں کے بعض علوم وفنون پر کچھ تحریریں دستیاب تھیں۔ محمد بن اسحٰق الندیم (م شعبان ۳۸۰ھ/۹۹۰ء)[۸] نے مذاہب ہند پر اپنے ایک ماخذ کتاب فیہ ملل الھند وادیانہا کا ذکر کیا ہے۔ جس کا ۳ محرم ۲۴۹ھ/فروری ۸۶۳ء کا مکتوبہ نسخہ اس کے ہاتھ آیا تھا اور اس کے اندازے کے مطابق اس کا ایک ایک حرف ابو یوسف یعقوب بن اسحٰق الکندی[۹] (م قیاساً ۲۵۲ھ/۸۶۶ء) کا لکھا ہوا تھا۔[۱۰] اس ماخذ کے مطابق "بعض متکلمین کا بیان ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی، [م ۸۰۵ء، وزیر ہارون الرشید] نے ایک شخص کو اس غرض سے ہندوستان بھیجا کہ وہ اس کے پاس وہ جڑی بوٹیاں لے کر آئے جو

Marfat.com

وہاں پائی جاتی ہیں، اور یہ کہ وہاں کے لوگوں کے مذاہب کے بارے میں اُس کے لیے اپنی معلومات ضبطِ تحریر میں لائے، چنانچہ اُس نے یہ کتاب تالیف کی۔''(۱۱)

اس کے ساتھ الندیم نے بلادِ ہند کے ان مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں عبادت خانے ہیں، ان عبادت خانوں اور ان میں موجود مجسّموں اور بتوں کی تفصیلات دی ہیں۔ اس کے بعد الندیم نے الکندی کے رسالے کے علاوہ ایک دوسرے ماخذ سے بدھ کے بارے میں کچھ معلومات یکجا کی ہیں۔

ہندوؤں اور بدھ مت کے پیروکاروں کے بتوں کے تذکرے اور رسومات کو گڈمڈ کرتے ہوئے الندیم نے برعظیم کے ایک سیاح ابودُلف ینبوعی کی مہیا کردہ چند معلومات بھی نقل کی ہیں۔ (۱۲) ابودلف مسعر بن مہلہل ۹۴۲ء میں برعظیم آیا تھا، غالباً وہ اُسی دور میں فوت ہوا تھا جب الندیم الفہرست مرتب کر رہا تھا۔ (۳۷۷ھ/۸۸-۹۸۷ء)

واضح رہے کہ یہ معلومات بہت ہی محدود سی ہیں اور ایسی معلومات ان سیاحوں اور جغرافیہ دانوں کی تحریروں میں بھی ملتی ہیں جنہیں برعظیم آنے کا موقع ملا تھا، (۱۳) اور الندیم کی زندگی میں یا اس کے کچھ عرصے بعد انھوں نے برعظیم کے اہلِ مذاہب کے بارے میں لکھا تھا۔

کتاب فی تحقیق ما للھند برعظیم، یہاں کے رہنے والوں، ان کے مذہب اور تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کے حوالے سے ایک دائرۃ المعارف ہے، اور لکھنے والے کے ازحد مرتب دماغ اور سوچ کی مظہر۔ ۸۰ ابواب میں البیرونی نے ہندوؤں کے اعتقادات، ارواح وتناسخ ارواح، سزا و جزاء، ویدوں اور مذہبی کتابوں، بت پرستی، ذات پات، برہمنوں کے خاص امور، قربانی، مقاماتِ متبرکہ کی زیارت، خورونوش، وراثت، عیدوں اور میلوں، میّت کے حقوق جیسے معاملات و مسائل کے ساتھ ہندوؤں کے علوم وفنون پر گفتگو کی ہے۔

البیرونی نے شریمد بھگوت گیتا کا تعارف لکھا ہے، اور اس کے طویل اقتباسات ترجمہ کیے ہیں۔ اس نے ہندو عقائد سے بحث کرتے ہوئے اپنے وسیع مطالعے کو کام میں لاتے ہوئے یونانی فلاسفہ، یہود ونصاریٰ، مانی کے پیروکاروں اور مسلمان صوفیہ کے افکار سے ان کا موازنہ کیا ہے، اس طرح تقابلِ ادیان کے میدان میں اس نے ابتدائی نقوش ثبت کیے ہیں۔ اپنے مطالعے میں البیرونی نے کہیں غیر جانب داری کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ وہ گیتا کے علاوہ منو کی دھرم شاستر، مہابھارت،

Marfat.com

ویدوں اور پرانوں کا نہ صرف ذکر کرتا ہے، بلکہ حسبِ ضرورت ان کے اقتباسات درج کرتا ہے، اور تعریف وتوصیف کے ساتھ جہاں اختلاف رائے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس سے دریغ نہیں کرتا۔

البیرونی نے اس امر کی پوری کوشش کی ہے کہ جو لکھا جائے، بھرپور اور درست معلومات پر مبنی ہو۔ کتاب فی تحقیق ماللھند میں بدھ مت کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں لکھا جاسکا۔ اس امر کا البیرونی کو احساس تھا مگر اس کے بقول: ''کیوں کہ مجھے بدھ مت کے بارے میں کوئی کتاب نہیں ملی اور نہ کبھی کسی بدھ مت کے پیروکار سے تعارف ہوا کہ اس موضوع پر اس سے استفادہ کیا ہوتا، میں بدھ مت کے پیروکاروں کے بارے میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ [ابوالعباس] ایران شہری کی سند سے ہے۔---اور اس کی رپورٹ کی علمی صحت نہیں، اور نہ یہ کسی ایسے فرد کی رپورٹ ہے جو اپنے موضوع پر عالمانہ گرفت رکھتا ہو۔''(۱۴)

البیرونی، کتاب فی تحقیق ماللھند کی تالیف کے ۱۷ برس بعد تک زندہ رہا اور ۲ رجب ۴۴۰ھ/ ۱۱ ستمبر ۱۰۴۸ء کو غزنی میں فوت ہوا۔

سلطان محمود غزنوی کے جانشینوں اور بعد ازاں سلاطین دہلی (۱۲۰۶-۱۵۲۶ء) نے بھی ہندو آبادی کے ساتھ حسنِ سلوک سے کام لیا۔ ہندو معززین کو نہ صرف اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا اور انھیں دربار میں جگہ دی، بلکہ عام ہندو آبادی کے ساتھ مختلف شکلوں میں اپنے لگاؤ کا اظہار کیا۔ شہاب الدین غوری نے دہلی کی ٹکسال میں جو سکے ڈھلوائے، ان پر سنسکرت رسم الخط میں ''سری محمد سام'' لکھوایا۔ یہی روایت علاء الدین خلجی نے سکوں پر ''سری علاء الدین'' کے الفاظ منقوش کرا کے آگے بڑھائی۔ قطب الدین ایبک نے ہندو آبادی کی دلدہی کے لیے سکوں پر بیل کی تصویر کندہ کرائی۔ اس روایت کو تاج الدین یلدز نے قائم رکھا۔

علاء الدین خلجی کے حرم میں کملا دیوی نامی ہندو رانی تھی، اور اس کے دربار میں ہندو جوتشی اور منجم اسے بتاتے تھے کہ کون سی گھڑی اس کے لیے سعد ہے اور کون سی نحس۔ بادشاہ وقت کے دیکھا دیکھی بعض امراء نے بھی جوتشیوں کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ سلطان محمد بن تغلق کو ہندو جوگیوں اور جینی دوانوں کی صحبت پسند تھی۔ ان کے ساتھ کافی وقت گزارتا اور مذہبی گفتگو کرتا تھا۔ وہ پابند شریعت ہونے اور فسق و فجور سے پرہیز کرنے کے باوجود ہندو تہواروں میں حصّہ لیتا تھا، اور گنگا جل اسے بہت مرغوب تھا، محمد بن

Marfat.com

تغلق کے جانشین فیروز شاہ تغلق نے اپنی اصلاحی سرگرمیوں کا اظہار فتوحاتِ فیروز شاہی میں جس طرح کیا ہے، اس کے بالعکس ہندوؤں کے علوم وفنون، بالخصوص نجوم اور موسیقی سے اسے بڑی دلچسپی تھی۔ فیروز شاہ نے ہندو فلسفۂ الٰہیات اور نجوم سے متعلق کتابوں کے فارسی ترجمے کرائے۔

سکندر لودھی کا شمار ان سلاطینِ دہلی میں ہوتا ہے جو متبع شریعت تھے، مگر سکندر لودھی کا عہد ہندوؤں کے علوم وفنون میں عمومی دلچسپی کی وجہ سے بہت نمایاں ہے۔ اسے خود موسیقی سے لگاؤ تھا، اس کا وزیر میاں بھوہ سنسکرت زبان کا فاضل اور موسیقاروں کا سرپرست تھا۔ لودھی خانوادے کے معاصر سلاطین شرقی — سلطان ابراہیم شرقی اور اس کا پوتا سلطان حسین شرقی — ہندو فنون کی سرپرستی میں ان سے پیچھے نہ تھے، بلکہ جون پور کے مقامی فنِ تعمیر پر ہندو اثرات بہت نمایاں ہیں۔

درباروں سے ہٹ کر عامۃ الناس کی سطح پر صوفیہ اور بالخصوص چشتی صوفیہ سنسکرت اور ہندی جاننے والوں میں سے تھے۔ خواجہ معین الدین چشتی، صوفی حمید الدین ناگوری، بابا فرید الدین گنج شکر، نظام الدین اولیاء اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے احوال وآثار اور مجموعہ ہائے ملفوظات میں ان کی سنسکرت شناسی کے متعدد ثبوت ملتے ہیں، اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے تو ہندوؤں کی کئی کتابیں پڑھ رکھی تھیں۔

شاہی درباروں، بادشاہوں کی پالیسیوں اور ان کے ذاتی ذوق وشوق سے لے کر صوفیہ تک کی دلچسپیوں کے باوجود سلطنت دہلی میں ہندو مذہبیات پر کوئی اہم مطالعہ نہیں ملتا، حتیٰ کہ مغل عہد کے آغاز میں امرت کنڈ کے عربی وفارسی تراجم کا ذکر سامنے آتا ہے۔ امرت کنڈ یوگا کے اصولوں سے بحث کرتی ہے۔ مؤلف اس کے ایک حصے میں سکوت اور دھیان گیان سے بحث کرتا ہے اور دوسرے حصے میں اوہام پرستانہ عقائد اور طلسمی نقوش وغیرہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ کتاب کے دیباچے میں بتایا گیا ہے کہ امرت کنڈ کا اصل متن سنسکرت میں تھا جسے پہلے فارسی میں اور پھر عربی میں قاضی رکن الدین سمرقندی نے ترجمہ کیا۔ مترجم قاضی رکن الدین سمرقندی سلطان علی مردان کے عہد (۱۲۰۷-۱۲۱۲ء) میں لکھنوتی میں مقیم تھا۔ اسے امرت کنڈ کا علم بھوجر نامی ایک برہمن یوگی سے ہوا تھا جو قاضی سے مذہبی مباحثہ کرنے لکھنوتی آیا تھا۔ برہمن یوگی سلام کی سچائی دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور پھر اس نے علوم اسلامیہ کی اس درجے تک تحصیل کی کہ علماء نے اسے فتویٰ دینے کی اجازت دے دی۔ امرت کنڈ کے دیباچے کے مطابق اس نو مسلم برہمن نے کہا کہ برہما (ہندو عقیدے کے مطابق خالقِ کائنات) اور ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی تعلیمات کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

Marfat.com

امرت کنڈ کے جو خطی نسخے دستیاب ہیں، ان کی نسبت قاضی رکن الدین سمرقندی کی طرف نہیں کی جا سکتی۔ عربی ترجمے حوض الحیات کا مصنف بیان کرتا ہے کہ اس نے قاضی سمرقندی کے ترجمے کے چند اقتباسات امبھو ناتھ نامی ایک جوگی کو سنائے جو کامروپ (آسام) کا رہنے والا تھا۔ اس نے یہ اقتباسات سن کر کہا کہ ہندو علوم سینہ بہ سینہ روایت کے تحت بہتر طور پر محفوظ ہیں اور اس نے امرت کنڈ کا سنسکرت متن املاء کرا دیا جو اسے زبانی یاد تھا، چنانچہ کامروپ کے اس یوگی کے مہیا کردہ متن کا عربی ترجمہ حوض الحیات ہے۔

اسی طرح فارسی ترجمے بحر الحیات کا مترجم لکھتا ہے کہ اس نے براہ راست سنسکرت سے ترجمہ کیا ہے، مترجم محمد گوالیاری ہیں۔ دوسرے لفظوں میں قاضی رکن الدین سمرقندی کا آج کوئی ترجمہ عربی یا فارسی میں موجود نہیں، اگرچہ عربی اور فارسی نسخوں کے مترجمین نے قاضی صاحب کا ذکر بطور مترجم کیا ہے۔(۱۵)

امرت کنڈ کے تراجم بعد کے مصنفین اور تقابلِ ادیان سے دلچسپی رکھنے والوں کی نظر میں رہے۔ دبستان المذاہب(۱۶) کے مصنف نے لکھا ہے: ”راقم الحروف نے امرت کنڈ کو دیکھا ہے۔ اس کا لوگوں نے فارسی میں بھی ترجمہ کیا ہے اور حوض الحیات [کذا] نام رکھا ہے۔ اس میں بیان ہے کہ گورکھ ناتھ سے مراد خضر اور مچھندر سے مراد یونس ہیں، لیکن یہ مضمون اصل کتاب امرت کنڈ میں نہیں ہے۔“(۱۷) امرت کنڈ کے عربی ترجمے حوض الحیات کو ڈاکٹر یوسف حسین نے یورپ کے کتب خانوں میں دستیاب نسخوں کی مدد سے مرتب کیا ہے۔

اسی دور میں ۹۴۷ھ/۱۵۴۰ء میں چشتی صوفی ملک محمد جائسی نے ہندی ادب کی شاہکار مثنوی پدماوت لکھنا شروع کی۔ یہ مثنوی بظاہر ایک عشقیہ کہانی ہے، مگر یہ بہت سی دوسری چیزوں، مذہبی و تہذیبی کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے بعد جلال الدین اکبر کا دور (۱۵۵۶-۱۶۰۵) آتا ہے جو بادشاہ کی آزاد خیالی اور مذہبی مباحث سے دلچسپی کی وجہ سے معروف ہے۔ عبادت خانے کے مذہبی مباحث علمائے سوء کی زندگی اور کردار، خلافِ اسلام افکار کے حاملین دانش وروں کی خیال آرائیوں اور اکبر کی سیاسی مصلحتوں نے مل کر اسے ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا تھا کہ وہ ایک نئے دین کا علم بردار بن گیا۔(۱۸) ملا مبارک ناگوری اور اس کے ذہین بیٹوں ابوالفضل اور ابوالفیض فیضی نے بادشاہ کو ایک محضر نامے کے ذریعے درجۂ اجتہاد پر فائز کر دیا تھا (۹۸۷ھ/۱۵۸۲ء) اور نقطوی دانش وروں کی پھیلائی ہوئی یہ سوچ فضا میں تھی کہ ہزار سال گزرنے پر نئے دین کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء کو نبی اکرمؐ کا زمانۂ بعثت ختم ہونا تھا۔ دسویں

Marfat.com

صدی ہجری کے آخر کی اس فکر اور اکبر کی خلافِ اسلام سوچ نے دین الٰہی کی شکل میں ظہور کیا۔

اکبر نے اپنی سیاست اور سوچ کے پیش نظر جب ہندو آبادی کو قریب تر کرنے کی کوشش کی، تو ہندوؤں کے علوم اور فوک لور (folklore) کو سنسکرت سے فارسی میں منتقل کیا گیا۔ ابوالفضل نے اس کی پوری تفصیل مہیا کی ہے۔ (19) ہندو مذہبیات کے حوالے سے مہابھارت کو نقیب خان، عبدالقادر بدایونی، ملا شیری اور محمد سلطان تھانیسری نے ہندو پنڈتوں کے تعاون سے فارسی میں منتقل کیا، اکبر نے اسے رزم نامہ کا نام دیا۔ (20) ابوالفضل نے اس کے دیباچے میں لکھا ہے:

> ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان متعصّبانہ نفرت کو دیکھتے اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہ اس نفرت کا سبب ایک دوسرے کے بارے میں لاعلمی ہے، روشن فکر بادشاہ نے اس لاعلمی کے خاتمے کے لیے ہندوؤں کی کتابوں کے ترجمے کی طرف توجہ دی تاکہ مسلمان ان سے واقف ہوسکیں۔ پہلے قدم کے طور پر بادشاہ نے مہابھارت کو ترجمے کے لیے چنا، کیوں کہ یہ جامع ترین کتاب ہے، اور اسے اعلیٰ ترین سند کا درجہ حاصل ہے اور حکم دیا کہ دونوں قوموں کے قابل اور غیر جانب دار افراد اس کا ترجمہ کریں۔ (21)

مہابھارت کے مترجمین ہی نے رامائن کا نثری ترجمہ کیا۔ حاجی ابراہیم سرہندی نے اتھروید کو فارسی میں منتقل کیا۔ (22) ابوالفیض فیضی نے مہابھارت کے دو پہلے ابواب کا ترجمہ کیا۔ اسی نے بھگوت گیتا کا سری بھگوت کے نام سے منظوم ترجمہ کیا۔ یوگا و اسشتھا کا ترجمہ شارق المعرفت بھی فیضی کے نام منسوب کیا جاتا ہے جس میں ویدانتی افکار کی وضاحت کے لیے قرآنی آیات، احادیث نبوی اور صوفیہ کے اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے۔ (23) ان ترجموں پر مبنی مہابھارت اور اپنشدوں کے خلاصے تیار کیے گئے، طاہر محمد بن عماد الدین سبزواری کا خلاصۂ مہابھارت (۱۰۱۱ھ/۰۳-۱۶۰۲ء) اور بھگوت گیتا کے ۱۹ ابواب کا خلاصہ (۱۰۱۱ھ/۰۳-۱۶۰۲ء) ملتا ہے۔ اسی طرح طاہر محمد نے ہری ومشا کا ملخص ترجمہ کیا۔ اس کا دوسرا ترجمہ ملا شیری سے منسوب ہے۔ (24)

ہندو مذہبیات کے تراجم اور تلخیصات کے ساتھ اکبر نے جو ماحول فراہم کیا تھا، اس میں بھگتی تحریک کے سادھو سنتوں کے ساتھ ساتھ بعض مسلمان اہل قلم نے ہندی ادب (اور بالخصوص شاعری) کو خوب پروان چڑھایا۔ ہندی کے مسلمان شاعروں میں مولانا رزق اللہ مشتاقی (۹۸۹ھ/۱۵۸۱ء) کا نام

Marfat.com

بہت نمایاں ہے۔[۲۵] وہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۶۴۲ء) کے چچا تھے، اور ہندی میں راجن تخلص کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اس عہد کے دوسرے ہندی شناسوں اور ہندی میں شعر کہنے والوں میں شاہ علی محمد جیو گام دھنی (م ۹۷۳ھ/ ۶۶-۱۵۶۵ء)، شیخ علی متقی (م ۹۷۵ھ/ ۱۵۶۷ء) شیخ دانیال چشتی (م ۹۹۴ھ / ۱۵۸۶ء)، خوب محمد چشتی (م ۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء) اور شیخ بہاء الدین برناوی (م ۱۰۳۰ھ/ ۲۱-۱۶۲۰ء) وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔[۲۶]

اکبر کے عہد میں ہندو مذہبیات سے جس سلسلے کا آغاز ہوا تھا، اس میں بادلِ ناخواستہ شامل لوگ تو صورت حال سے شاکی تھے ہی، عامۃ الناس کی سطح پر دین الٰہی کو سرے سے کوئی پذیرائی حاصل نہ ہوئی، بلکہ ان میں اکبر کی پالیسیوں کے خلاف ردِ عمل موجود تھا، جو اکبر کے جانشین نورالدین جہانگیر کے عہد (۱۶۰۵-۱۶۲۸ء) میں کھل کر سامنے آیا۔ شیخ احمد سرہندی (م ۱۶۲۴ء) اور ان کے ہم خیال افراد صورتِ حال کے بدلنے میں کامیاب ہوئے، تاہم ہندو مذہبیات کا مطالعہ بدستور جاری رہا، گو اس میں پہلے جیسی سرگرمی نہ رہی تھی۔ جہانگیر ہندو مذہب سے اچھی طرح واقف تھا، وہ پنڈتوں سے تبادلۂ خیال کرتا تھا اور اس کی توزک میں ہندو مذہب پر تبصرے بھی ملتے ہیں۔ جہانگیر کے عہد میں سعد اللہ مسیح پانی پتی نے رامائن کا منظوم ترجمہ رام و سیتا کے نام سے کیا۔[۲۷] اس دور میں جنوبی ہند میں محمد قاسم فرشتہ استرآبادی نے ابراہیم عادل شاہ ثانی (دورِ اقتدار: ۱۵۸۰-۱۶۲۷ء) کی خواہش پر برعظیم کی عمومی تاریخ قلمبند کی جو مصنف کے تجویز کردہ نام گلشنِ ابراہیمی سے زیادہ خود اس کے نام کی نسبت سے تاریخِ فرشتہ کے طور پر زیادہ معروف ہے۔ فرشتہ نے اپنی اس تاریخ میں مہابھارت کا تجزیہ کیا ہے اور ہندو عقائد پر تفصیل سے لکھا ہے۔

اکبر کے عہد میں ہندومت کے مطالعے کے ساتھ مسلمان اہلِ علم کی توجہ مسیحیت کی جانب بھی ہوئی۔ اس کا بنیادی سبب واسکوڈی گاما (م ۱۵۲۵ء) کے نقوشِ قدم پر آنے والے یسوعی مبلغ تھے۔ وہ اکبر کے عبادت خانہ کے حاضرین میں سے تھے اور اکبر کو حلقۂ مسیحیت میں لانے کے لیے کوشاں تھے۔ اگرچہ برعظیم کے جنوبی حصے میں سینٹ تھامس کی نسبت سے پہچانے جانے والے مسیحی صدیوں سے رہ رہے تھے، مگر ان کے ساتھ مسلمان اہلِ علم کے مراسم نہ ہونے کے باعث مطالعۂ مسیحیت میں کوئی دلچسپی نہ لی گئی، جہانگیر کے عہد میں مطالعۂ مذاہب کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد وجود میں آنے والی تالیف دبستان المذاہب کے مندرجات بھی اس جانب اشارہ کرتے ہیں۔ اس موقع پر مسلمان

Marfat.com

اہلِ علم ودانش نے الملل والنحل طرز کے لٹریچر پر توجہ دی، (۲۸) اور ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی (م ۱۱۵۳ء) کی تالیف کا فارسی ترجمہ خواجہ افضل الدین صدر ترکہ اصفہانی (م ۱۴۴۶ء) نے تنقیح الادلہ فی ترجمۃ کتاب الملل والنحل کے نام سے کیا تھا۔ (۲۹) افضل الدین صدر ترکہ اصفہانی کے اس ترجمے پر جہانگیر کے حکم پر مصطفیٰ بن خالق داد ہاشمی نے نظر ثانی کی اور اس کا نام توضیح الملل رکھا۔

شہرستانی نے اسلامی فرقوں کے ذکر کے ساتھ اہل کتاب، یعنی یہودیوں اور مسیحیوں کے مذاہب سے بحث کی ہے۔ اس نے اپنے ذہنی پس منظر اور تعلیمی نصابات میں یونانی حکماء کے افکار کی اہمیّت کے پیش نظر انھیں بھی اپنی توجہ کا مستحق قرار دیا ہے، اس نے برعظیم کے مذاہب پر بھی لکھا ہے اور بالخصوص بدھ مت نے اس کی توجہ حاصل کی ہے، البتہ ہندومت پر اُس نے سرسری نظر ڈالی ہے۔

عہد شاہجہاں (۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) میں اکبر کے ذوقِ مذہب اور اس کے خلاف ردعمل میں واضح صف بندی ہوئی۔ ایک طرف صوفی منش شاہزادہ داراشکوہ (م ۱۶۵۹ء) اور شاہزادی جہاں آرا بیگم ہندو ویدانت اور مسلم تصوف کو ایک ہی فکر کے دو اظہارات سمجھنے لگے تھے، دوسری طرف شیخ احمد سرہندی کے اخلاف اور ان کی دعوت سے وابستہ امراء اس فکر کے شدید ناقد تھے، اور انھیں شریعت کے علم بردار اورنگ زیب عالمگیر کے اقتدار میں دین کا احیاء دکھائی دیتا تھا۔ بہرحال شاہجہاں کے عہد میں عبدالرحمٰن چشتی (م ۱۰۹۴ھ/۱۶۸۲ء) نے بھگوت گیتا کا ایک اور ترجمہ مراۃ الحقائق کے نام سے کیا جو ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۵ میں پائے تکمیل کو پہنچا تھا۔ عبدالرحمٰن چشتی کی ایک دوسری کاوش مرأۃ المخلوقات ہے جس میں تخلیقِ کائنات کے بارے میں ہندو تصورات پر بحث ہے۔ یہ مہادیو اور پاروتی کے درمیان ایک مکالمہ ہے۔ یہ کتاب عبدالرحمٰن چشتی نے مستقل متن کے طور پر لکھی ہے، یا کسی سنسکرت متن کو فارسی میں منتقل کیا ہے؟ اور اگر یہ ترجمہ ہے تو اصل متن کون سا ہے؟ ان سوالوں کا کوئی جواب نہ عبدالرحمٰن چشتی نے دیا ہے اور نہ اہل علم اس کا کوئی بنیادی ماخذ متعین کر سکے ہیں، تاہم اس میں تخلیقِ کائنات کے پس منظر میں کائنات اور آدم کی تخلیق کے بارے میں اسلامی افکار بھی پیش کیے گئے ہیں۔

ممتاز محل (معروف بہ نواب عالیہ بیگم، م ۱۶۳۰ء) کے بطن سے شاہجہاں کے آٹھ بیٹوں اور چھ بیٹیوں میں سے دو بہنوں سے چھوٹا اور سب سے بڑا بیٹا داراشکوہ تھا۔ بڑی تمناؤں کے بعد پیدا ہوا تھا، اس لیے باپ کا بہت ہی لاڈلا اور منظورِ نظر تھا۔ متصوف مزاج تھا، حنفی قادری کے طور پر اس نے اپنی

Marfat.com

شعوری اور فکری زندگی کا آغاز کیا تھا جس کا خاتمہ آزاد مشربی پر ہوا۔ اس لحاظ سے وہ اپنے پڑدادا جلال الدین اکبر کا پیرو کار تھا۔ اس کے فکری ارتقاء یا انحطاط کے بارے میں تاریخ نگاروں نے بہت سی تفصیلات فراہم کی ہیں، اس کی وسیع المشربی ان صوفیہ اور بھگتوں کی بدولت تھی جن سے داراشکوہ نے رابطہ قائم کر لیا تھا۔ ملا شاہ بدخشی (م ۱۶۶۲ء)، محبّ اللہ الہ آبادی (م ۱۶۴۸ء)، محسن فانی (م ۱۶۷۱ء) اور کبیر پنتھی بابا لال سوامی سے صحبت کے نتیجے میں ااس کے افکار متشکل ہوئے تھے۔ داراشکوہ کے ان مربی صوفیہ نے عامۃ الناس کی سطح پر جو کہا، اور لکھا، اس کی بدولت وہ راسخ الاعتقاد علماء و مشائخ کی شدید تنقید کا نشانہ بنے تھے اور ان کے قتل کے فتوے بھی جاری ہوئے تھے۔ بعد میں شاہجہاں کی جانشینی کی جنگ میں داراشکوہ کی ناکامی کا ایک سبب عامۃ المسلمین میں اس کی فکری نامقبولیت بھی تھی۔ (۳۰)

داراشکوہ نے ہندو سادھوؤں اور پنڈتوں کے تعاون سے ہندو فنون کے ترجمے کیے، اور اسلام اور ہندومت کے درمیان ایسی مماثلت دکھانے کی کوشش کی کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ داراشکوہ نے ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۶ء میں جوگ بشست کا ترجمہ کیا، اگرچہ جوگ بشست کا ترجمہ پہلے سے موجود تھا، مگر داراشکوہ نے زیادہ صحت کے ساتھ ترجمے کی کوشش کی۔ (۳۱) ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۷ء میں بنارس کے پنڈتوں کے تعاون سے اس نے ۵۰ اپنشدوں کو سرِ اکبر کے نام سے فارسی میں منتقل کیا۔ (۳۲) بھگوت گیتا کے ۱۸ ادھیاؤں کا منظوم ترجمہ بھی داراشکوہ سے منسوب ہے۔ (۳۳) ان تراجم کے علاوہ داراشکوہ کا اہم ترین متن جو اس کے فکر کا مظہر ہے، وہ مجمع البحرین ہے جس میں مصنف نے ویدانت اور تصوف کے درمیان تقابل کر کے ہندومت اور اسلام میں فرق مٹانے کی کوشش کی (۳۴) اور یوں مذاہب کے درمیان وحدت ثابت کرنے کی کوشش کی۔

جہاں تک ہندو مذہبیات کے ترجموں کا تعلّق ہے، شاید علمی سطح پر ان سے استفادہ کیا گیا ہو گا اور اب بھی فارسی دان ان کے ذریعے ہندومت کو سمجھنے کی کوشش کریں، تاہم مجمع البحرین کو دیکھتے ہوئے کیا داراشکوہ کی کاوشوں کو مسلم روایت کا حصّہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس بارے میں داراشکوہ کے سوانح نگار باہم متفق نہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ راسخ الاعتقادی میں ہندومت کے اس مطالعے میں دلچسپی کم ہو گئی جس کا نقطۂ عروج داراشکوہ کی کاوشیں تھیں، تاہم جو متفرق کاوشیں ہوئیں، ان میں سے ایک تحفۃ الہند ہے جو شاہزادہ معز الدین جہاں دار (فرزند عالمگیر) کے ایماء پر کی گئی۔ یہ ایک دائرۃ المعارف طرز کی

Marfat.com

کتاب ہے جس میں ہندو علوم وفنون کا عمومی تعارف دیا گیا ہے۔ ۱۷۳۲ء میں امانت نام کے ایک صاحب نے شری کرشن کے قصے اپنی زبان میں نقل کیے ہیں۔ مجددی نقشبندی بزرگ، مرزا مظہر جانِ جاناں (م ۱۷۸۰ء) نے حضرت شیخ احمد سرہندی کے افکار سے انحراف کرتے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ الگ اور باہم نقیض برادریاں سمجھنے کے بجائے ہندوؤں کو مسلمانوں کے قریب سمجھا۔ ان کے ذاتی روابط ہندوؤں کے ساتھ اس حد تک دوستانہ اور محبانہ تھے کہ وہ انھیں حلقۂ اسلام میں داخل کیے بغیر مرید کر لیتے تھے۔ مرزا مظہر جان جاناں نے اپنا زیادہ وقت دہلی میں جامع مسجد کے نزدیک ایک ہندو بنیے کیول رام کے کرائے دار کے طور پر گزارے تھے۔ رائے کیول رام اور اس کے بیٹے لالہ ہر پرشاد کے ساتھ مرزا صاحب کے تعلقات کا اندازہ باپ بیٹے کے نام ان کے مکاتیب سے ہوتا ہے۔ (۳۵) وہ ویدوں کو الہامی کتابیں قرار دیتے تھے، اور ہندوؤں کو شبہ اہل کتاب سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک بتوں کی پوجا اور تصورِ شیخ کے درمیان کوئی زیادہ فرق نہیں۔ ہندوؤں کی ذاتیں خدا کی وحدانیت کی قائل ہیں، یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں، اور جزاء وسزا پر ان کا ایمان ہے۔ ان کی بت پرستی عربوں جیسی نہیں جو بتوں کو ذاتِ خداوندی کی طرح متصرف سمجھتے تھے، ہندو بتوں کے تصرف کو ان کا تصرف نہیں، بلکہ الٰہی تصرف قرار دیتے ہیں۔ بتوں کے سامنے ان کا سجدہ، عبودیت کا سجدہ نہیں، بلکہ تحیت کا سجدہ ہے۔ (۳۶)

جن دنوں مرزا مظہر جان جاناں متذکرۃ الصدر خیالات کے ساتھ دہلی میں مقیم تھے۔ اس شہر کے ایک ہندو کھتری خاندان سے تعلّق رکھنے والا دیوان سنگھ (یا دیوال سنگھ) فیض آباد جا کر مرزا محمد باقر شہید کا مرید ہو گیا، حلقۂ اسلام میں داخل ہوا، اور تصنیف وتالیف کی دنیا میں مرزا محمد حسن قتیل (م ۱۸۱۷ء) کے نام سے معروف ہوا۔ قتیل اپنے خاندانی پس منظر کے تحت برعظیم کے مذاہب اور فرقوں کو پرکھنے کی بہتر پوزیشن میں تھا، اس کی تالیف "ہفت تماشا" اس سمت میں ایک قابلِ ذکر کاوش ہے۔ (۳۷)

ہندومت سے حلقۂ اسلام میں آنے والوں میں ایک اور معروف نام مولانا عبید اللہ پائلی (م ۱۸۹۳ء) کا ہے۔ انھیں اپنے سابق دین کی کتابوں پر پورا عبور حاصل تھا، اور علوم اسلامیہ کی تعلیم اُنہوں نے علمائے راسخین سے حاصل کی تھی۔ انھوں نے دین اسلام کی تعلیمات اجاگر کرنے کے لیے "تحفۃ الہند" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اپنے سابق ہم مذہبوں میں خوب خوب تبلیغ کی۔ روایت کے مطابق ان کے ذریعے بڑی تعداد میں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (۳۸) یہی وہ دور تھا جب ہندو احیائی تحریکوں کے سبب ہندو مسلم مناظرے کی فضا پیدا ہوئی تھی۔ مختلف ہندو تنظیموں اور بالخصوص

Marfat.com

آریہ سماج سے تعلق رکھنے والے جارحیت پسند پنڈتوں نے مسلمان علماء کو ہندومت کے مطالعے پر مجبور کردیا تھا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر سے لے کر گزشتہ صدی کے نصف اوّل تک ہندو پنڈتوں اور مسلمان علماء کے درمیان بیسیوں مناظرے ہوئے، ایک دوسرے کی تردید میں کتابیں لکھی گئیں اور پریس کی طاقت سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا۔

مسلمان مناظرین کی جانب سے ہندومت کی تردید کے ساتھ صوفیہ کا وہ طبقہ بھی ایک سطح پر اپنے نقطۂ نظر کے لیے کوشاں تھا جس کے نزدیک ہندو ویدانتی اور مسلم وجودی افکار میں تطبیق دی جاسکتی ہے۔ اس کے تحت صوفیہ نے ہندو فلسفیانہ افکار کا باقاعدگی سے مطالعہ کیا اور جوگیوں کی بعض خصوصیات کو اپنے ہاں جذب بھی کرلیا تھا۔ چشتی بزرگ اس مطالعے میں نسبتاً زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ شاہ نیاز احمد بریلوی (م ۱۸۸۸ء) ہندومت کے بارے میں پوری طرح واقف تھے، انھوں نے صوفیہ کے مراقبے اور ہندوؤں کے دھیان گیان پر اپنے خیالات بیان کیے ہیں۔ ایک اور صوفی منش فرد حکیم سید محمد حسن امروہوی (م ۱۹۰۵ء) تھے۔ مطالعۂ مذاہب سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ تورات و انا جیل اور دساتیر وغیرہ کے مطالعے کے ساتھ انھوں نے ہندومت کی کتابوں کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا۔ سید محمد حسن امروہوی نے متعدد کتابیں لکھیں، مگر ان میں سب سے زیادہ معروف ان کی تفسیر قرآن معالمات الاسرار فی مکاشفات الابرار ہے جو اپنے مختصر نام تفسیر حضرت شاہی سے بھی پہچانی جاتی ہے۔ اس تفسیر میں انھوں نے قرآنی تعلیمات کی حقانیت کے لیے دوسرے مذاہب کے ساتھ ویدوں اور اپنشدوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ ویدوں کو چونکہ محمد حسن امروہوی الہامی کتابیں تسلیم کرتے تھے، اس لیے ان کی رائے تھی کہ ان میں نبی اکرمؐ کی بعثت کے بارے میں اُسی طرح پیش گوئیاں موجود ہیں جیسے تورات اور انجیل میں ہیں۔ اس خاص مقصد کے لیے انھوں نے تصدیق الھنود اور کشف الاسرار دو الگ رسالے بھی لکھے۔ (۳۹) ہندو مذہبی کتابوں میں جس کلکی اوتار کی آمد کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد نبی اکرمؐ کی ذات گرامی ہے۔ محمد حسن امروہوی کے ذوقِ نظر سے اتفاق رکھنے والے ایک اور فرد عبدالعزیز بن غلام محمد بن جمال دین گزرے ہیں جن کی تالیف بشارات احمدیہ (دہلی: مطبع یوسفی، ۱۲۷۲ھ/ [۵۶-۱۸۵۵ء]) ہے۔ اس آخر الذکر کتاب کا اندازِ بیان تو بقول مناظر احسن گیلانی ژولیدہ ہے اور انھوں نے بہت سے غیر ضروری مباحث بھی داخل کرلیے ہیں، (۴۰) تاہم مولانا گیلانی نے اس کا خلاصہ قدیم ہندو ادبیات میں آں حضرتؐ کا تذکرہ کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ یہی فکر

Marfat.com

آج بعض معاصر اہل علم عام کر رہے ہیں۔

۲

قرآن و حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ان کے معجزات، ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم، ان کے حواریوں اور مسیحی عقائد کا ذکر کم از کم اتنی تفصیل سے موجود ہے کہ علمائے اسلام کے لیے مسیحیت کبھی کوئی اجنبی مذہب نہیں رہا۔ امت مسلمہ کے تشکیلی دور سے لے کر آج تک مسیحیوں اور مسلمانوں کے درمیان ربط و تعلّق قائم چلا آ رہا ہے۔ تاریخ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مسیحی آبادی کے ایک خاصے حصّے نے اسلام قبول کیا تو مسیحی مذہب کے رہنماؤں کو اپنے ہم مذہبوں کو دائرۂ مسیحیت میں پختہ قدم رکھنے کے لیے مناظرانہ رویہ اختیار کرنا پڑا۔ اس حوالے سے عہد بنوامیہ کے یوحنا دمشقی (م ۷۴۹ء) اور عبد المسیح بن اسحٰق الکندی کے نام بہت نمایاں ہیں۔ مسلم اہل علم کی جانب سے اسلامی تعلیمات کی وضاحت کی گئی، اور یوں مسلمانوں میں مطالعۂ مسیحیت کی روایت وجود میں آئی جس میں اسلامی تعلیمات کا دفاع کرتے ہوئے دعوتی پہلو بہت نمایاں تھا، تاہم اس روایت میں لکھنے والوں کی مزاجی کیفیات کے تحت گرما گرمی بھی پیدا ہوتی رہی، تعصّبات نے بھی جنم لیا اور ذاتی و گروہی مفادات نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں ان افراد کی تحریروں نے بالخصوص توجہ حاصل کی جو حلقۂ مسیحیت سے نکل کر آغوشِ اسلام میں آ گئے تھے۔

برعظیم میں قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہوئے مسیحیت کا ذکر ہوتا رہا تھا، مگر مسلم علماء نے طویل عرصے تک مطالعۂ مسیحیت کو اپنے غور و فکر کا خصوصی ہدف نہیں بنایا، مگر جب جلال الدین اکبر کے دور میں پرتگیز پادریوں کا مغل دربار میں آنا جانا ہوا[۴۱] تو دربار سے وابستہ علماء کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ پرتگیز پادری واسکوڈی گاما کے نقشِ قدم پر سولہویں صدی میں برعظیم آ گئے تھے اور ان میں بالخصوص یسوعی (Jesuits) پیش پیش تھے۔ یہ لوگ مسیحیت کی نشر و اشاعت سے سرشار ''سوسائٹی آف جیسس'' (Society of Jesus) سے وابستہ افراد تھے جس کی بنیاد اگنیشس لوئلا (Ignatius Loyola) نے ۱۵۳۹ء میں رکھی تھی۔ اس انجمن کے ابتدائی کارکنوں میں سے ایک فرانسس زیویر ۱۵۴۲ء میں گوا آ گیا تھا۔ فرانسس زیویر کے خاندان کا ایک اہم فرد جیروم زیویر (یا زیر۔نموشویر، م ۱۶۱۷ء) تھا جو اکبر کے دربار میں آنے والے پادریوں میں سے تھا۔

اکبر کے معاصر مورخین کی اطلاع کے مطابق تین یسوعی جماعتیں (teams) اس کے دور میں مغل دربار میں آئیں۔ پہلی جماعت ۱۵۸۰ء میں آئی، دوسری ۱۵۹۱ء میں اور تیسری ۱۵۹۵ء میں آئی۔

Marfat.com

آخری جماعت میں شامل پادری زیرِنمو شویر نے اپنی تالیفات کے ذریعے علمائے برعظیم کی توجہ حاصل کی۔اس کی تالیفات میں مرأۃ القدس یا داستانِ مسیح، آئینۂ حق نما، آداب السلطنت (معنون بہ نام نورالدین جہانگیر) اور داستانِ احوالِ حواریان یا (وقائع حواریانِ دوازدگانہ) شامل ہیں۔کیا یہ کتابیں پادری مذکور نے خود فارسی میں لکھی تھیں یا پرتگیزی زبان سے فارسی میں ترجمہ کی گئی تھیں، اہلِ تحقیق پر زیادہ واضح نہیں، تاہم ایک رائے یہ ہے کہ ایک عالم عبدالستار بن قاسم لاہوری [۴۲] نے انھیں فارسی میں منتقل کیا تھا۔

عبدالستار بن قاسم لاہوری کون تھا؟ اس کے کارنامۂ حیات کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود ہیں، تاہم اتنا معلوم ہے کہ عبدالستار لاہوری نے پرتگیزی زبان سیکھی اور شاید پادری شویر کو فارسی سیکھنے میں مدد دی۔عبدالستار لاہوری کی اپنی تالیفات میں ثمرۃ الفلاسفہ [۴۳] (یا احوالِ فرنگستان) تو خاصی معروف ہے جس کے بارے میں مورخین نے قلم بھی اٹھایا ہے، تاہم حال ہی میں عبدالستار کی ایک اور کتاب مجالسِ جہانگیری منصۂ شہود پر آئی ہے۔ثمرۃ الفلاسفہ جو پرتگیزی سے ترجمہ شدہ ہے، اس کے دیباچے میں اپنی زبان دانی کے حوالے سے عبدالستار نے لکھا ہے:

> پادری شویر دانایانِ فرنگ میں سے برگزیدہ شخص حال ہی میں دربار میں آیا ہے۔اس سے [پرتگیزی] زبان سیکھنا شروع کی۔اقبال روز افزوں یاور ہوا، چھ مہینے میں اس زبان کے مطالب علمی و عملی سمجھنے کی طاقت آ گئی۔بات چیت کم کرنے اور شغلِ ترجمہ کی وجہ سے اس زبان میں گفتگو کی مہارت نہیں ہوئی ہے۔ [۴۴]

پرتگیز پادری اکبر کے مسیحی ہو جانے کے حوالے سے خوش فہمیوں میں مبتلا رہے، اور ان کے اس ذہنی رویے کے تحت بعض غلط فہمیاں بھی عام ہوئیں، [۴۵] تاہم اس کا ایک ضمنی پہلو یہ بھی ہے کہ وقتی طور پر مسیحیت کے مطالعے سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔اسی ضمن میں جہانگیر کے عہد میں ہونے والے ترجمہ الملل والنحل (شہرستانی) کو دیکھا جا سکتا ہے جس میں مسلم فرقوں کے ذکر کے ساتھ مذاہب میں مسیحیت بھی زیرِ بحث آئی ہے۔

پرتگیزوں کے دیکھا دیکھی دوسری یورپی اقوام نے بھی ایشیائی ممالک کا رُخ کیا اور ولندیزوں،

Marfat.com

فرانسیسیوں اور انگریزوں کو پرتگیزوں کے مدِ مقابل کھڑا کر دیا، اور آخر میں آنے والے بوجوہ پیش روؤں سے آگے بڑھ گئے۔ برطانوی تاجروں کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے معرکہ سر کر لیا اور مغلوں کے عہد زوال (۱۷۰۷-۱۸۵۷ء) میں بتدریج کلکتے سے دہلی تک پہنچ گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کار پردازوں کی مذہبی ضرورت کے تحت انگریز پادریوں کی آمد و رفت ہوئی، مگر کمپنی نے ان کی سرگرمیوں کو مقامی آبادی تک پھیلنے سے روکنے کی کوشش کی، تاہم مسیحی بشارت پھیلانے کی خواہش سے جنم لینے والی تنظیموں نے اس رویے پر نہ صرف تنقید کی، بلکہ کمپنی کے فیصلہ ساز کار پردازوں کو اپنے حق میں ہموار کر لیا اور انیسویں صدی عیسوی کے آغاز سے شمالی ہند میں مسیحی منادوں کی سرگرمیاں شروع ہوئیں جو وقت کے ساتھ بڑھتی ہی چلی گئیں۔ اس عرصے میں ایک طرف مسیحی منادوں نے انگریزی، اردو اور دوسری مقامی زبانوں میں اسلام کی بعض تعلیمات اور نبی اکرمؐ کی ذات گرامی کو تنقید کا ہدف بنایا، دوسری طرف اقتصادی ترغیب اور فلاحی کاموں کی آڑ میں مقامی آبادی میں اپنے لیے نرم گوشہ بنانے کی کوشش کی۔

مسلمان اہل علم نے اس چیلنج کے علمی اور دینی پہلو کو قبول کیا، بائبل کے مطالعے کے لیے عبرانی، یونانی اور لاطینی زبانیں سیکھیں، مغربی مسیحی اہل علم کی کتابیں فراہم کیں، ان کے مندرجات سے آگاہ ہوئے، برعظیم میں کام کرنے والے مسیحی علماء سے رابطے استوار کیے، اور ان کے جواب میں ہر وہ واسطہ اختیار کیا جو اس وقت دستیاب تھا۔ مناظرے ہوئے، اخبارات و جرائد جاری کیے گئے، کتابیں تصنیف کی گئیں اور ان کی خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا گیا۔

انیسویں صدی میں اردو نے فارسی زبان کی جگہ لے لی تھی، اور اس میں عامۃ الناس سے خطاب کیا جا رہا تھا۔ مسیحی منادوں نے بھی اردو کو ذریعۂ اظہار بنا لیا تھا، بلکہ اپنی عربی اور فارسی تبشیری تحریروں کو جو اسلام کے حوالے سے لکھ چکے تھے، اردو میں منتقل کرنا شروع کر دیا تھا۔ انیسویں صدی میں مسلم نقطۂ نظر سے پہلی مناظرانہ تحریر رسالہ سوال و جواب عیسوی و محمدی غالباً موممبائی سے ۱۸۲۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ (۴۶) اس کے بعد اس سے خوب تر، اور زیادہ پڑھے لکھے اہلِ قلم کی تحریریں شائع ہوتی ہیں۔ گو زیادہ وقیع کتب فارسی اور عربی میں لکھی گئیں۔

گزشتہ دو صدیوں میں مطالعۂ مسیحیت کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کی کوئی جامع کتابیات تو تا حال مرتب نہیں ہو سکی، البتہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں نے جو جزوی کوششیں کی

Marfat.com

ہیں، ان سے سیکڑوں کتابچوں اور کتابوں کے بارے میں معلومات فراہم ہوگئی ہیں۔ [47] برعظیم میں مسلم۔ مسیحی روابط کے پس منظر میں جو تالیفات مرتب کی گئی ہیں، ان کے مصادر و مراجع کی فہرستیں بھی اس سلسلے میں بہت سی کتابوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں۔

انیسویں صدی سے شروع ہونے والے اسلوب کے مطابق اب تک مسلمان اہل علم مطالعۂ مسیحیت کر رہے ہیں، تاہم اس عرصے میں مناظرانہ انداز سے ہٹ کر اپنے اپنے نقطۂ نظر کی بالادستی کے اظہار کے لیے مذہب دوست لوگوں کی جانب سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ ایک ہی مجلس میں مختلف مذاہب کے رہنما اپنے اپنے مذہب کے بارے میں مثبت انداز میں گفتگو کریں۔ اس طرز کی کاوشیں دنیا کی سطح پر پارلیمنٹ آف ریلی جنز (Parliament of Religions) کی شکل میں سامنے آئی تھیں۔ برعظیم میں وقتاً فوقتاً اس طرز کی جو کوششیں ہوئیں، ان میں ایک بڑی اور نمایاں مثال چاندا پور کے "میلہ خداشناسی" کی ہے جو ۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۸ء میں منعقد ہوتا رہا۔ اس میلے میں مسیحیوں، آریہ سماجیوں، سناتن دھرمیوں اور مسلمانوں نے شرکت کی۔ اس میلے کی یادگار تحریروں میں مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۸۸۰ء) کی گفتگوئے مذہبی یا واقعہ میلہ خداشناسی اور حجۃ الاسلام معروف ہیں۔ اسی طرح مئی ۱۹۰۶ء میں ایک مذاہب کانفرنس کا اہتمام کیا گیا اور مختلف مذاہب کے پیروؤں نے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کیں۔ مسلمانوں کی جانب سے مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی (م ۱۹۶۲ء) نے اس کانفرنس میں شرکت کی تھی، ان کی تقریر تحفۃ الاسلام لجمیع الاقوام کے عنوان سے بصورتِ کتابچہ دستیاب ہے۔

قرآن مجید نے سابق انبیاء کے صحائف کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ تسلیم کرتے ہوئے ان پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا ہے۔ [48] تورات اور انجیل کا الگ الگ تعارف یکساں الفاظ میں کرایا گیا ہے کہ ان میں ہدایت اور نور ہے۔ [49] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انبیاء سابقین نے جو پیش گوئیاں کی تھیں، وہ قرآن مجید کے مطابق تورات و انجیل میں موجود ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اہل کتاب اُنہیں اس طرح پہچانتے تھے جیسے وہ اپنی اولاد کی شناخت میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں تھے۔ [50] نبی اکرمؐ کے ساتھیوں کے خصائص بھی تورات و انجیل میں مرقوم ہیں۔ [51]

قرآن مجید بعض صداقتوں کے ذکر میں تورات اور انجیل کا بھی ذکر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جو

Marfat.com

لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، مارتے ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں، ان کے لیے جنت کا وعدہ سچا ہے۔ (۵۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ہم نے ''الذکر'' [یعنی تورات] کے بعد زبور میں لکھا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔ (۵۳)

عہد نامۂ عتیق اور عہد نامۂ جدید کی ان کتابوں (جن کا انتساب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوسکتا ہے) کی اس تائید کے باوجود قرآن مجید ان میں تحریف کا ذکر کرتا ہے، (۵۴) اور اس نے بعض واقعات کی تصحیح بھی کی ہے۔ (۵۵)

کتب سابقہ میں یہود اور مسیحیوں کی ''تحریف'' کو بعض اہل علم نے صرف معنوی تحریف تک محدود کیا ہے، اور ان کے نزدیک کتبِ سابقہ کا مطالعہ الہامی کتابوں کے طور پر کرنا چاہیے، سرسید احمد خان نے تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام لکھی۔ حکیم محمد حسن امروہوی نے اتمام حجت درشرح کتاب دانیال تالیف کی۔ بیسویں صدی کے مفسرین میں مولانا عبدالحق حقانی سے لے کر سیّد ابوالاعلیٰ مودودی (م ۱۹۷۹ء) تک، سب نے تفسیر میں کتبِ سابقہ اور بالخصوص کتاب مقدس (عہد نامۂ عتیق وعہد نامۂ جدید) کو پیش نظر رکھا ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی (م ۱۹۳۰ء) نے اصولِ تفسیر کے ضمن میں مآخذ تفسیر کے طور پر احادیث اور قوموں کے ثابت شدہ اور متفق علیہ حالات کے ساتھ گزشتہ انبیاء کے صحائف کو بھی شامل کیا ہے۔ انھوں نے اسرائیلیات پر ان صحائف کو یوں ترجیح دی ہے:

> اہل کتاب کی جو روایات ہمارے ہاں پھیلی ہوئی ہیں، ان کے مقابل میں اہل کتاب کی تاریخ قابل ترجیح ہے، کیوں کہ مفسرین نے بالعموم یہ روایتیں ایسے لوگوں سے نقل کی ہیں جو بنی اسرائیل اور ان کے انبیاء کی تاریخ سے بہت کم واقف تھے۔ پس بہتر یہ ہے کہ ان کے بے اصل افسانوں کے بجائے ان کی معتبر کتابوں کو ہم ماخذ بنائیں اور ان کو تائید کے طور پر پیش کریں، اور جہاں کہیں وہ قرآن سے مختلف ہوں، وہاں ان کو چھوڑ دیں، کیوں کہ یہ قطعی معلوم ہے کہ ان کتابوں میں حق کو چھپایا گیا ہے۔ (۵۶)

تفسیر قرآن میں کتب سابقہ سے استفادے کے جو گوناگوں فوائد ہیں، اُن کی طرف اِن الفاظ میں توجہ دلائی گئی ہے:

☆ ان صحیفوں کے مقابل میں قرآنی تعلیم کی فضیلت واضح ہوگی۔

Marfat.com

☆ ان کی نصیحت سے تنبہ ہوتا ہے اور آدمی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

☆ تنقید اور حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت بڑھتی ہے۔

☆ قرآن کے بعض اشارات کی تفصیل مل جانے سے ان کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔

☆ قرآن کے بیان کردہ امور کا رُخ صحیح تاویل کی طرف موڑنے میں سہولت ہوتی ہے۔

☆ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے ناسخ کو سابقہ کتب کے منسوخ پر کن اعتبارات سے فضیلت حاصل ہے۔

☆ رفقائے صالحین سے انس پیدا ہوتا ہے۔

☆ اپنی کتابوں میں سے جو کچھ اہلِ کتاب نے بھلا دیا ہے، قرآن کی رہنمائی سے اس کا اعادہ ہوتا ہے جو کچھ اہل کتاب نے بدل ڈالا ہے، اس کا انکشاف ہوتا ہے۔ (۵۷)

مولانا فراہی نے تفسیر نگاری میں کتب سابقہ کی اہمیت کے پیش نظر خود عبرانی زبان سیکھی تھی، جس کا اولین اظہار امثالِ سلیمان (عبرانی) کے فارسی ترجمے کی شکل میں ہوا۔ یہ منظوم ترجمہ خرد نامہ کے نام سے ۱۹۱۵ء یا ۱۹۱۶ء میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا تھا۔ قرآن مجید اور کتاب مقدس کے تقابلی مطالعے کے حوالے سے ان کی ایک اہم تالیف الرای الصحیح فی من ھو الذبیح (۵۸) ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پہلوٹھے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کیا تھا اور بالفاظ سیّد سلیمان ندوی: "بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس موضوع پر آج تک اس سے بہتر رسالہ نہیں لکھا جا سکا۔" (۵۹) سیّد صاحب نے مولانا فراہی کے ایک انگریزی رسالے کا ذکر کیا ہے جو شفاعت و کفارہ کے موضوع پر لکھا گیا تھا، (۶۰) مگر اس کے بارے میں مزید کوئی اطلاعات دستیاب نہیں۔ مولانا فراہی کی تفسیر قرآن کے جو اجزاء شائع ہوئے ہیں، ان میں صحائف انبیاء اور بالخصوص کتاب مقدس سے استشہاد کیا گیا ہے، یا اُن کے بیانات کی تردید و وضاحت کی گئی ہے۔ مولانا فراہی کے غیر مطبوعہ سرمائے میں جن نامکمل تالیفات کی یادداشتیں دستیاب ہیں، اُن میں الاکلیل فی شرح الانجیل، الطریف فی التحریف اور کتاب البشارات کے عنوانات ہیں۔ آخر الذکر کتاب میں غالباً وہ ان بشارتوں کی تشریح کرنا چاہتے تھے، جو رسول اللہؐ کی بعثت کے بارے میں انبیاء سابق سے منقول ہیں۔

تفسیر قرآن میں کم و بیش اسی اسلوبِ غور و فکر کو مولانا عبدالماجد دریابادی، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

Marfat.com

اور مولانا امین احسن اصلاحی نے پیش نظر رکھا ہے۔ اس عرصے میں انبیاء کرام کے احوال و آثار کے حوالے سے جو کتابیں تالیف ہوئیں، ان میں بھی وضاحت کی خاطر کتب سابقہ سے استشہاد کیا گیا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی قصص القرآن سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے۔ تاریخ ارض قرآن کے حوالے سے، یا قرآن مجید کو نعوذ باللہ تورات و انجیل سے ماخوذ ثابت کرنے کی جو کاوشیں مسیحی منادوں کی طرف سے سامنے آئی تھیں، ان کے جائزے اور تجزیے کے لیے جو تحریرات سامنے آئی ہیں، ان کی تعداد کافی زیادہ ہے اور یہ سبھی تحریریں حسب ضرورت کتاب مقدس کی روایت کا جائزہ لیتی ہیں۔ سر سیّد احمد خان کی الخطبات الاحمدیہ فی سیرۃ المحمدیہ، عنایت رسول چریا کوٹی کی البشریٰ اور مولانا شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی سے لے کر سیّد سلیمان ندوی کی تاریخ ارض القرآن اور قرآنیات سے متعلّق اُن کی متفرق تحریروں سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں کتاب مقدس کا مطالعہ اور اس سے اعتناء مسلم مطالعۂ اسلامیات کا جز و لاینفک بن گیا تھا۔ اس روایت کو عبرانی، سریانی اور دوسری قدیم زبانوں کے ساتھ جوڑتے ہوئے آگے بڑھانے کی کوشش بھی کی گئی۔ اس سلسلے کا ایک اہم نام مولانا ابوالجلال ندوی کا ہے، جنہوں نے قرآن مجید کے حوالے سے رجال پر تحریریں یادگار چھوڑی ہیں، بلکہ بیسویں صدی کے نصف اول تک موہنجوداڑو سے حاصل ہونے والی مہروں کے پڑھنے کی جو کاوشیں ہوئی تھیں، ان میں مولانا ابوالجلال ندوی کا بھی ایک زاویۂ نظر تھا، اور انھوں نے وادی سندھ کا تعلّق مشرقِ وسطیٰ کی قدیم تہذیبوں سے جوڑا تھا۔

تفسیر قرآن سے متعلّق مذکورہ مثبت کاوشوں کے ساتھ ساتھ بیسویں صدی میں کلیر ٹسڈل (م ۱۹۲۸ء) کی تالیفات ینابیع الاسلام اور مآخذ القرآن کے تراجم کی اشاعت پر ردِ عمل میں بھی مسلم اہل علم کی کاوشیں سامنے آئیں۔

کتاب مقدس کی تدوین، اس میں اختلافات و تضادات، مسیحی عقائد (تثلیث، ابنیتِ مسیح، کفارہ، ازلی گناہ گاری وغیرہ) اور کتاب مقدس میں نبی اکرمؐ کی آمد کی پیش گوئیوں پر تو مسلسل لکھا جاتا رہا تھا اور آج بھی اس پر جدید تر تحقیقات کی روشنی میں گفتگو کی جارہی ہے، تاہم وقت کے ساتھ ابھرنے والے دوسرے سماجی، اقتصادی اور سیاسی مسائل کے حوالے سے قرآن اور کتابِ مقدس کا تقابلی مطالعہ کیا گیا۔ مثال کے طور پر جنگ و جدال کے حوالے سے یہ بحث شروع ہوئی کہ جنگ یا تشدد کا

Marfat.com

کوئی جواز ہے یا نہیں؟ مسیحی دنیا میں ایسے گروہ وجود میں آئے جن کے نزدیک جنگ کسی صورت میں جائز نہیں، وہ اپنے اپنے معاشروں میں ایک مختصر سی اقلیت ہی رہے اور ان کے اکثریتی بھائی بند معصوم انسانوں کی جانوں سے کھیلتے رہے، تاہم یہ الزام بار بار دہرایا گیا کہ اسلام طاقت کے زور سے پھیلا ہے، چنانچہ اسلام کے تصور جہاد پر لکھنے والے اہل قلم نے کتاب مقدس اور اس کے ساتھ پوری مسیحی روایت کا جائزہ لیتے ہوئے دادِ تحقیق دی ہے۔ اسی انداز میں حلال وحرام، غلامی و آزادی اور سودی لین دین پر تقابلی مطالعے کیے گئے ہیں۔

کتاب مقدس سے اس بڑھتے ہوئے اعتناء کے دوران میں اس رویے پر اعتراضات بھی کیے گئے ہیں، اور اعتراضات کے ضمن میں حضرت عمر فاروقؓ سے متعلق وہ روایت بالخصوص زیر بحث آئی جس کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ کو تورات کے کچھ اوراق پڑھتے ہوئے دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی (م ۱۹۵۶ء) نے اس پس منظر میں لکھا ہے:

عام طور پر لوگوں نے اس روایت کو تو مشہور کر دیا، عموماً اس کا چرچا بھی کرتے ہیں، حالانکہ سنداً جیسا کہ جمع الفوائد [جس میں یہ روایت مندرج ہے] کے مصنف نے بھی آخر میں تنبیہ کی ہے کہ سند میں اس روایت کے ابو عامر القاسم بن محمد الاسدی راوی ہے جس کے متعلق کچھ نہیں معلوم کہ کون ہے؟ اور اس کی روایت کس حد تک قابل بھروسہ ہو سکتی ہے، علاوہ اس کے کون کہہ سکتا ہے [کہ] ناگواری کا سبب کیا تھا۔ ایسی کتاب جس کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا ہو کہ فیہ ھدی و نور (اس میں راہ یابی اور روشنی ہے۔) اس کتاب کا کوئی حصہ تو قطعاً باعث ناگواری نہیں ہو سکتا۔ (۶۱)

اگر روایت درست ہے تو مولانا گیلانی کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری طبع کا سبب بحیثیت مجموعی مطالعۂ تورات نہ تھا، کیوں کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ انھوں نے تورات بھی پڑھی ہے، اور قرآن بھی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک رات یہ پڑھو اور ایک رات وہ۔ مزید برآں مولانا گیلانی نے طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے:

عہد صحابہؓ اور ان کے بعد تابعین کے زمانہ میں بھی ارباب ذوق تطہیری نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس [مذکورہ بالا] ارشاد نبوی سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ صحابیوں میں حضرت عبداللہ بن

Marfat.com

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر اس باب میں شہرت حاصل تھی۔

ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ تابعین میں ابو العلا الجونی ایک ثقہ بزرگ تھے جو ایک ہفتہ قرآن کی تلاوت میں اور چھ دن تورات کے مطالعہ میں گزارتے۔ دونوں کتابوں کو ختم کر کے دعا کی مجلس منعقد کرتے کہتے کہ خدا کی رحمت کے نزول کے یہ خاص اوقات ہیں۔ (۶۲)

مولانا گیلانی نے روایت دوست مدارس میں تعلیم حاصل کی تھی اور زندگی بھر اس تعلق پر نازاں رہے، مگر انھیں جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد (دکن) کے شعبۂ دینیات کی سربراہی کا اعزاز بھی حاصل ہوا تھا۔ اُن کی سوچ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جدید جامعات میں جہاں مذاہب کے تقابلی مطالعے کی روایت اپنی جگہ بنا رہی تھی، اساتذہ نے اس کے لیے اپنے دل و نظر کے دروازے وا کر رکھے تھے۔

مطالعۂ تقابل ادیان کے حوالے سے تعلیم و تدریس کی اداراتی سطح پر جس شخص نے برعظیم میں باقاعدہ توجہ دی، وہ ہز ہائی نیس مہاراجا صاحب گائیکواڑ تھے جنھوں نے بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں بڑودہ کالج میں اسے متعارف کرایا، اور رہنمائی کے لیے ایک انگریز عالم پروفیسر وجری کا تقرر کیا گیا۔ پروفیسر موصوف نے فرانس اور جرمنی کی جامعات سے الٰہیات کی تکمیل کی تھی اور Hastings کی معروف انسائیکلوپیڈیا آف رلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالہ نگار تھے۔ بڑودہ کالج میں پروفیسر سیّد نواب علی (م ۱۹۶۰ء) ۱۹۰۳ء سے کام کر رہے تھے، اور جدید و قدیم ہر دو شاہراہوں کے راہرو تھے۔ وہ تفسیر و حدیث کے مطالعے میں اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کاوشوں سے استفادہ کرتے تھے۔ ان کے اپنے الفاظ میں ان کا مزاج یہ تھا کہ ''تفاسیر میں اگرچہ کسی واقعے کی تفسیر کبیر، خازن، ابن کثیر، بیضاوی وغیرہ میں ایک ساتھ دیکھتا تھا، لیکن تفسیر ابن جریر خاص طور سے پیش نظر رہتی تھی۔ تفسیر صافی اور مجمع البیان بھی پیش نظر تھیں اور صحیحین کے ساتھ کافی بھی دیکھتا تھا۔'' (۶۳) اس طرح انھوں نے فلسفہ و منطق میں مسلمان اہل علم اور بالخصوص امام غزالی کا خوب گہرا مطالعہ کیا تھا، مگر مغربی فلسفے اور سائنس سے بھی انھیں کوئی نفرت نہ تھی۔ ان کی تالیف معارج الدین (اولیں اشاعت: ۱۹۱۳ء) جدید و قدیم فلسفہ و سائنس کے مطالعے کا نوبرِ شریں ہے۔ اس کتاب میں مصریوں، ہندوؤں، یونانیوں، زرتشتیوں، یہودیوں، مسیحیوں اور مسلمانوں کے افکار و عقائد کا تاریخی و تقابلی جائزہ لیا گیا تھا۔

پروفیسر وجری کی رفاقت میں سیّد نواب علی نے تاریخ صحف سماوی لکھنے کی طرح ڈالی۔ مہاراجا گائیکواڑ نے فراہمی کتب کے لیے معقول رقم فراہم کی اور وجری صاحب کے توسط سے

Marfat.com

موضوع پر معتبر مآخذ جمع کر لیے گئے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں پروفیسر صاحب تاریخ صحف سماوی کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ اس کتاب کے مآخذ میں تفسیر و حدیث کی امہات الکتب کے ساتھ اپنے دور کی نمایاں متداول کتبِ مستشرقین بھی شامل تھیں۔ تاریخِ صحفِ سماوی میں مؤلف کے بقول: ”تورات، اناجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب اور حفاظت کا موازنہ ہے۔---آخر میں قرآن مجید پر ---مستشرقین نے جو اعتراضات کیے ہیں، ان کو رفع کیا ہے اور تورات کے قصہ یوسف اور قرآن مجید کی سورۂ یوسف کا پورا موازنہ لکھ کر دکھایا ہے کہ کلامِ الٰہی اپنی اصلی حالت میں آیا مقدس بائبل میں محفوظ ہے یا قرآن مجید میں۔“(۶۴)

پروفیسر سیّد نواب علی نے ان کے علاوہ تقابل ادیان کے حوالے سے بیسیوں مقالات لکھے ہیں، مگر بطور مجموعہ یکجا نہیں کیے جا سکے۔ چند ایک یہ ہیں:

☆ سچّا سائنس اور سچّا مذہب توام بھائی ہیں (ماہنامہ صوفی، منڈی بہاء الدین، مارچ ۱۹۱۶ء)
☆ داستانِ آفرینش (ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، اگست ۱۹۱۶ء، ستمبر ۱۹۱۶ء)
☆ دینِ عیسوی کی تاریخ کی پانچ صدیاں (ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۱۶ء)
☆ مذہب اور انسان (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۱۸ء)
☆ غزوات نبوی اور فلسفۂ جنگ اور گزشتہ انبیاء اور اقوام کی لڑائیاں (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۲۷ء)

برعظیم کی دوسری جامعات میں بھی شعبہ ہائے علومِ اسلامیہ میں مطالعۂ مذاہب کو کم و بیش اہمیت ملی ہے، اور قیامِ پاکستان پر جب جامعہ پنجاب میں شعبۂ علوم اسلامیہ کا آغاز ہوا تو اس ڈسپلن کو بھی شامل مطالعہ کیا گیا اور اس کے بعد وطنِ عزیز کی نئی جامعات نے اس کی پیروی کی اور ان میں ہر ایک اس میدان میں کچھ کر گزرنے کی خواہش رکھتی ہے۔

۳

گزشتہ صفحات میں علماے برعظیم کے جس تقابلی مطالعۂ مذاہب کی روایت پر گفتگو کی گئی ہے، اِس میں مذہب کو کسی ارتقائی عمل کی شکل میں نہیں دیکھا گیا، بلکہ انسان کی رہنمائی کے لیے اُس کے خالق کی جانب سے دی گئی تعلیمات کا مجموعہ قرار دیا گیا ہے۔ یہی مسلم عقیدہ ہے، جب کہ مغرب میں تقابلِ ادیان کی روایت عمرانیات اور انسانیات کے علوم کے تحت مذہب کو ایک ارتقائی عمل کی شکل میں دیکھتی

Marfat.com

ہے جو مظاہر پرستی سے توحیدِ خداوندی تک انسان کی سوجھ بوجھ کا نتیجہ ہے، دوسرے لفظوں میں نہ کائنات کا کوئی خالق ہے جس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیاء بھیجے، اور نہ کوئی حتمی صداقت ہے جس پر آخروی نجات مبنی ہے۔

مسلم۔مسیحی مباحثے میں شامل بعض مسلمان اہلِ علم نے مسیحی تصورات اور تعاملات پر گرفت کرتے ہوئے اُس تنقید سے بھی فائدہ اٹھایا ہے جو مغربی دُنیا کے مسیحیت مخالف سیکولر مصنّفین کی سوچ بچار کا نتیجہ ہے، اور اس میں ارتقائے مذہب کا تصور کارفرما ہے، تاہم برعظیم میں تقابلی مطالعۂ مذاہب کی اسلامی روایت میں نفسِ مذہب کو عمرانیاتی اور انسانیاتی تناظر میں نہیں دیکھا گیا، تاہم جدید جامعات میں ایک حد تک مغربی تصوراتِ مذہب سے آگاہی موجود ہے، جس کا اظہار نقد و نظر کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔

❁ ❁ ❁

حوالے و حواشی

☆ مطالعۂ مذاہب کی اس مقامی مسلم روایت میں کم و بیش سبھی بڑے مذاہب کا مطالعہ شامل ہے، مگر زیرِ نظر تحریر میں دو مذاہب ہندومت اور مسیحیت کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔

۱۔ ۱۸۵۶ء میں میکس مولر کی تالیف *Comparative Mythology* شائع ہوئی، ۱۸۷۰ء میں *Introduction to the Science of Religions* منصۂ شہود پر آئی اور اس کے آٹھ سال بعد اس کے محاضرات کا مجموعہ *Origin and Growth of Religion as Illustrated by the Religions of India* شائع ہوا۔

۲۔ یہ انسائیکلوپیڈیا جو پہلی بار تیرہ جلدوں میں ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۱ء کے درمیان چودہ برسوں میں شائع ہوا، بارِ دگر ۱۹۵۳ء میں چھپا۔ اور آج دنیا کے ہر بڑے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر ولفرڈ کینٹ ویل سمتھ (م ۲۰۰۰ء) کے نزدیک نہ صرف معلومات کا بیش بہا مخزن ہے، بلکہ تقابلی مطالعۂ مذاہب کے میدان میں مغربی علمی تبحر کے اولیں مرحلے کا نقطۂ کمال ہے۔ دیکھیے: ولفرڈ کینٹ ویل سمتھ، مذاہب کا تقابلی مطالعہ — کیوں اور کس طرح، (مترجمہ

Marfat.com

سیّد مبارز الدین رفعت وابونصر محمد خالدی)، ماہنامہ برہان (دہلی)، اکتوبر ۱۹۶۲ء، ۱۹۷-۲۱۶؛ نومبر ۱۹۶۲ء، ۲۶۲-۲۸۱، دسمبر ۱۹۶۲ء، ۳۴۸-۳۵۵)

۳۔ القرآن (الرعد ۱۳:۷) ترجمہ: اور ہر ایک قوم کے لیے رہنما ہوا کرتا ہے۔

۴۔ ایضاً (فاطر ۳۵:۲۴) ترجمہ: اور کوئی امت نہیں، مگر اس میں ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے۔

۵۔ مسلمان سیاحوں اور اہل قلم کے بیانات کا عربی متن اردو ترجمے کے ساتھ دارالمصنفین - اعظم گڑھ نے یک جا کر دیا ہے۔ دیکھیے: ضیاء الدین اصلاحی، ہندوستان - عربوں کی نظر میں، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، جلد اول ۱۹۵۹ء: جلد دوم ۱۹۶۲ء۔

۶۔ ہندو مذہب کے حوالے سے یہ ایک اہم پیش رفت تھی۔ اس کے بعد *Sacred Books of the East* کے اہم سلسلے کی اشاعت کا آغاز ہوا۔ (آغازِ سلسلہ: ۱۸۹۷ء)

۷۔ البیرونی نے رسالہ فی فہرست کتب محمد بن زکریا الرازی (تالیف: ۴۲۷ھ/ ۳۶-۱۰۳۵ء) میں، جو ۱۹۳۶ء میں P. Krause کی تحقیق کے ساتھ پیرس سے شائع ہوا، الرازی (م ۹۲۵ء) کی کتابوں کی تفصیل دیتے ہوئے اپنی علمی کاوشوں کی فہرست بھی نقل کی ہے، اور ہر ایک کی ضخامت کی نشان دہی بھی کی ہے۔ تقسیم عنوانات کے ساتھ اس فہرست کے لیے دیکھیے: سیّد حسن برنی، البیرونی، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۰ء (عکس اشاعت دوم، ۱۹۲۷ء)، ۱۱۰-۱۲

البیرونی کی فراہم کردہ اس فہرست کے بعد اس نے جو کچھ لکھا، یا اس کے نام سے امالی کی صورت میں مرتب کیا گیا، اس کے لیے دیکھیے: حوالہ مذکورہ، ۱۲۱-۱۲۵۔ سیّد حسن برنی نے برِّعظیم کے مذہب وتہذیب کے متعلّق کاوشوں کو نشان زد کر دیا ہے۔

فتح اللہ مجتبائی نے رسالہ فی فہرست کتب محمد بن زکریا الرازی اور کتاب فی تحقیق ماللہند سے کتب ہندیات (Indology) کو الگ کیا ہے: دیکھیے: *Aspects of Hindu - Muslim Cultural Relations* دہلی: نیشنل بک بیورو، ۱۹۷۸ء، ۱۵-۱۸

۸۔ محمد بن اسحٰق الندیم کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک روایت ۳۸۰ھ کی ہے اور اس کی تصدیق الفہرست کے خطی نسخے (مخزونہ چیسٹر بیٹی - ڈبلن) پر پندرھویں صدی کے عظیم مورخ ابو العباس احمد بن علی المقریزی (م ۱۴۴۱ء) کی مندرج

Marfat.com

تحریر سے ہوتی ہے۔ (دیکھیے: دیباچہ *The Fihrist of al-Nadim* مرتبہ وترجمہ Bayard Dodge نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی پریس ۱۹۷۰ء، xxi/I

۹۔ عرب فلسفی کے طور پر شہرت رکھنے والا الکندی عباسی خلفاء المامون (۸۱۳-۸۳۳ء) اور المعتصم (۸۳۳-۸۴۲ء) کا ساتھی تھا اور غالباً معتزلی خیالات کا حامل تھا۔ سوانح وخدمات کے لیے دیکھیے: جارج این- عطیہ، *Al-Kindi: The Philosopher of the Arabs*، اسلام آباد: اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۵ء

۱۰۔ محمد بن اسحٰق الندیم، الفہرست (مترجمہ محمد اسحٰق بھٹی) لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، جون ۱۹۶۹ء، ۷۹۸

۱۱۔ ایضاً، ۷۹۸ ۱۲۔ ایضاً، ۸۰۱-۸۰۲ ۱۳۔ دیکھیے: حاشیہ ۵

۱۴۔ *Al-Beruni's India,* 1/249

۱۵۔ Yusuf Hussain, *Haud Al-Hayat: The Arabic Version of Amratkand in On Becoming an Indian Mulsim* (ed. M. Waseem), Delhi: Oxford University Press, 2003, 64-65

۱۶۔ شاہ جہاں کے عہد (۱۶۲۸ء - ۱۶۵۷) کی یہ تالیف زرتشتیوں، ہندوؤں، مسیحیوں، مسلمانوں، نیز اس دور کے بعض دوسرے گروہوں — روشنیہ، الٰہیہ، حکماء اور صوفیہ — کے عقائد واعمال سے بحث کرتی ہے۔ ایک عرصے تک اسے محسن فانی (م ۱۶۷۱ء) کی تالیف خیال کیا جاتا رہا، بعض اہل علم نے اسے میرذوالفقار علی اردستانی کی کاوش باور کیا ہے، مگر مصنف نے مسلمانوں کا ایک دوجگہ جس طرح ذکر کیا ہے، اُس سے واضح ہے کہ یہ کسی مسلم مصنف کی تحریر نہیں ہوسکتی۔ اس کا مصنف زرتشتی مذہب کا پیروکار کیخسر واسفندیار ہے جو پٹنہ میں مقیم آذر کیواں کا بیٹا تھا۔ دیکھیے: رحیم رضا زادہ ملک کی مرتبہ اشاعت دبستان مذاہب، تہران: ۱۳۶۲ھ ش، جلد اوّل وجلد دوم۔ مرتب نے پہلی جلد میں کتاب کا متن پیش کیا ہے اور دوسری جلد میں اس کے مصنف، دبستان کے موضوع اور اس کے دستیاب خطی نسخوں کی تفصیل ہے، نیز اس جلد میں متن سے متعلق تعلیقات شامل ہیں۔

دبستان مذاہب برعظیم میں لکھی گئی تھی، اور اس کا فارسی متن یہاں متداول رہا، برعظیم اور ایران کے مطابع سے چند بار شائع ہوچکی ہے۔ انگریزی ترجمہ ڈی- شی (D. Shea) اور اے-ٹرائر

Marfat.com

(A. Troyer) کے اشتراک سے پیرس سے ۱۸۴۳ء میں شائع ہوا۔ بعد میں دوسری اشاعت نیو یارک سے ۱۹۳۷ء میں عمل میں آئی، اسی آخر الذکر اشاعت کا عکس (ری پرنٹ) خلیل اینڈ کمپنی۔ لاہور نے ۱۹۷۳ء میں شائع کیا تھا۔ اس انگریزی ترجمے کی مکرر اشاعت کے باوجود بعض ناقدین نے اس کی صحت پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ چارلس ریو (Charles Rieu) کے الفاظ میں: It can not be depended on for accuracy دیکھیے: *Catalogue of Persian Manuscripts in the British Museum,* London: 1879, 1/141.

دبستان مذاہب کا پہلا اردو ترجمہ اصول مذاہب پنڈت شردھا رام پھلوری نے کیا جو مترجم کی وفات کے بعد ۱۸۹۶ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ دوسرا ترجمہ جو غالباً پروفیسر غلام مرتضیٰ کی کاوش ہے، تکنیکی تدوین اور ڈاکٹر رشید احمد جالندھری کی تقدیم کے ساتھ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور نے ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔

۱۷۔ کیخسرو اسفندیار، دبستان مذاہب (ترجمہ) لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۲ء، ۱۸۹-۱۹۰۔ کیخسرو نے امرت کنڈ کے فارسی ترجمے کا نام حوض الحیات لکھا ہے جو حقیقتاً عربی ترجمہ ہے۔ فارسی ترجمہ بحر الحیات کے نام سے معروف ہے جو رضوی پریس، دہلی سے ۱۳۱۱ھ/۹۴-۱۸۹۳ء میں چھپا ہے۔

۱۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد اسلم، دین الٰہی اور اس کا پس منظر دہلی: ندوۃ المصنّفین، ۱۹۶۹ء

۱۹۔ ابوالفضل، آئین اکبری (مترجمہ ایچ۔ بلاخمین)، جلد اول، دہلی: ۱۹۶۵ء آئین ۳۴

۲۰۔ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ (مترجمہ محمود احمد فاروقی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۲ء، ۵۰۸-۵۰۹

۲۱۔ انگریزی سے اردو ترجمہ، منقولہ فتح اللہ مجتبائی، حوالہ مذکورہ، ۶۶۔ ظہور الدین احمد نے ابوالفضل کے دیباچے کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ دیکھیے: ظہور الدین احمد، ابوالفضل، لاہور: ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان

۲۲۔ عبدالقادر بدایونی نے اس کی یہ تفصیل دی ہے: [اتھروید] کے بعض احکام اسلام کے مطابق ہیں --- ہندی (سنسکرت) سے فارسی میں ترجمہ کرنے کے لیے مجھے نامزد کیا گیا۔ اس کتاب کی

Marfat.com

بعض عبارتیں نہایت پیچیدہ تھیں اور جو پنڈت مقرر تھا، وہ اس کی صحیح تعبیر نہیں کر پاتا تھا، اس لیے اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ میں نے جب یہ مشکل بادشاہ کے سامنے پیش کی تو بادشاہ نے یہ کام پہلے تو شیخ فیضی کے اور بعد میں حاجی ابراہیم سرہندی کے سپرد کر دیا۔ وہ بھی اس کا خاطر خواہ ترجمہ نہ کر سکا" (منتخب التواریخ، حوالہ مذکورہ، ۴۴۱)

۲۳۔ فتح اللہ مجتبائی کی اطلاع کے مطابق شارق المعرفت ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا ہے۔ حوالہ مذکورہ، ۸۲

۲۴۔ ایضاً، ۸۰

۲۵۔ شیخ عبدالحق دہلوی، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، دہلی: مطبع مجتبائی، ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۰۶ء۔ ۱۷۴

۲۶۔ اردو زبان کی نشو ونما اور ارتقاء کے حوالے سے ان حضرات کا مختلف اہلِ قلم نے ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: مولوی عبدالحق، اردو کی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت چہارم، ۱۹۷۷ء، الف۔ د۔ نسیم، اردوئے قدیم اور چشتی صوفیاء، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۷ء

۲۷۔ دیکھیے: ابوسعادت جلیلی، سعد اللہ مسیح اور فارسی راماین مسیحی، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۲۰۰۱ء۔ رام و سیتا، راماین مسیحی کے نام سے مطبوعہ ہے۔ (لکھنو: مطبع منشی نولکشور، ۱۸۹۹ء)

۲۸۔ مسلم اہلِ علم اور تاریخی ذوق رکھنے والے اہل قلم نے زیادہ توجہ تو امت مسلمہ کے اندر جنم لینے والے فرقوں اور گروہوں پر مرکوز رکھی ہے، تاہم ان میں سے بعض نے دوسرے مذاہب — یہودیت، مسیحیت، ہندومت، بدھ مت اور زرتشتیت وغیرہ — پر بھی توجہ دی ہے۔ اس طرزِ تالیف وتصنیف میں جو کتابیں ملتی ہیں، ان میں سے "فرق الشیعہ" (حسن بن موسیٰ نوبختی، م ۹۲۲ء)، مقالات الاسلامیین (ابوالحسن اشعری، م ۹۴۴ء)، الفرق بین الفرق (ابوالمنصور عبدالقاہر بغدادی، م ۱۰۳۷ء)، الفصل فی الملل والاھواء والنحل (ابومحمد علی بن حزم ظاہری، م ۱۰۶۳ء)، بیان الادیان (ابوالمعانی جوینی، م ۱۰۸۴ء)، التبصیر فی الدین (ابوالمظفر اسفرائنی، م ۱۰۷۸ء)، کتاب الملل والنحل (ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی، م ۱۱۵۳ء)

Marfat.com

اورعقائد مسلمین و مشرکین (فخر الدین رازی، م ۱۲۰۹ء) معروف ہیں۔

۲۹۔ عہد حاضر میں ایران کے عالم سیّد محمد رضا جلالی نائینی نے محمد بن عبدالکریم شہرستانی کی ''کتاب الملل والنحل'' اوراس کے مؤلف کو اپنی تحقیق کے لیے پسند کیا۔انھوں نے کتاب کا فارسی ترجمہ شائع کرایا، اورشرح حال و آثار حجة الحق ابو الفتح محمد بن عبد الکریم بن احمد شہرستانی (تہران: ۱۳۴۳ھ ش) کے عنوان سے اپنی تحقیق ومطالعہ کا حاصل پیش کیا ہے۔

۳۰۔ تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھیے: محمد اسلم، داراشکوہ کے مذہبی رجحانات، سرمایہ عمر، لاہور: ندوة المصنّفین، ۱۹۷۶ء، ۱۷۵-۱۹۷، وہی مصنف، اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء ومشائخ کا کردار، تاریخی مقالات لاہور: ندوة المصنّفین، ۱۹۷۰ء، ۲۲۶-۲۴۲، محمد اقبال مجددی، مقاماتِ معصومی جلداول (مقدمہ)، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ۶۰-۱۱۰، ۱۳۶-۱۷۶

۳۱۔ جوگ بششت کے متعدد خطی نسخے دستیاب ہیں، تاہم کانپور سے ۱۸۸۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔تاراچند اوراے-ایچ-عابدی نے تقدیم اور تعلیقات کے ساتھ علی گڑھ سے ۱۹۶۸ء میں شائع کیا۔ان آخر الذکر محققین کی رائے کے مطابق ہندو شاعر اور داراشکوہ کے سیکرٹری ولی رام کے متعدد فارسی اور ہندی اشعار بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں، اوروہ ولی رام ہی کو حقیقتاً مترجم خیال کرتے ہیں۔(بہ حوالہ فتح اللہ مجتبائی، حوالہ مذکورہ، ۸۴)

۳۲۔ اشاعتیں: جے پور، ۱۹۱۱ء؛ بہ تحقیق وتعلیقات تاراچند، جلال نائینی، تہران: ۱۹۶۱ء

۳۳۔ اس متن کے بارے میں خطی نسخوں کے فہرست نگاروں اور محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسے ابو الفضل سے بھی منسوب کیا گیا ہے۔اس کے نسخوں کے نام بھی مختلف بتائے گئے ہیں۔ اسے آبِ زندگانی بھی کہا گیا ہے۔امرناتھ مدن نے اسے رازِ مغفرت کے نام سے دہلی سے شائع کیا (۱۹۲۸ء) اورفیضی سے منسوب کیا ہے۔(فتح اللہ مجتبائی، حوالہ مذکورہ، ۷۴)

۳۴۔ باترتیب وتدوین مع انگریزی ترجمہ The Mingling of the Two Oceans از محفوظ الحق، کلکتہ ببلیوتھیکا انڈیکا، ۱۹۲۹ء؛ بہ ترتیب وتدوین جلال نائینی، تہران: ۱۳۳۵ھ ش۔ مجمع البحرین کے سنسکرت ترجمے سمدرا سنگما کا نسخہ بھنڈارکر اورینٹل انسٹی ٹیوٹ میں محفوظ ہے جس پر مبنی متن جتیندرا بمل چودھری نے کلکتہ سے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا۔

Marfat.com

دارا شکوہ نے اس کا عربی ترجمہ ایک نقشبندی صوفی ،محمد صالح مصری سے کرایا تھا جس کی زبان لوئی ماسینیوں (م ۱۹۶۲ء) کے نزدیک بہت خراب ہے۔ (لوئی ماسینیوں، *An Experiment in Hindu-Muslim Unity: Dara Shikoh* مشمولہ ایم-وسیم ،حوالہ مذکورہ، حاشیہ ۲۳، ۱۰۵)

۳۵۔ مرزا مظہر جان جاناں، مکاتیب مظہر (مرتبہ: عبدالرزاق قریشی)، بمبئی: انجمن اسلام، ۱۹۶۶ء، ۶۶، ۸۰، ۱۵۷

۳۶۔ مرزا مظہر جان جاناں اور دوسرے، ''کلمات طیبات'' (مرتبہ عبدالخیر محمد ابن احمد مراد آبادی)۔ جناب محمد عمر نے اس کے انگریزی اور اردو تراجم اپنی تالیفات میں دیے ہیں: بالترتیب دیکھیے: *Islam in Northern India during the Eighteenth Century* دہلی: منشی منوہر لال، ۱۹۹۳ء، ۵۲۶-۵۲۷؛ وہی مصنف، ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، کراچی: پاک اکیڈمی، ۱۹۹۲ء، ۴۰-۴۳

۳۷۔ ہفت تماشا کا فارسی متن مطبع منشی نولکشور سے شائع ہوا تھا، اردو ترجمہ جناب محمد عمر نے کیا جو ماہنامہ برہان (دہلی) میں بالاقساط شائع ہوتا رہا اور غالباً کتابی صورت میں بھی شائع ہوا ہے۔

۳۸۔ مولانا عبیداللہ پائلی کے لیے دیکھیے: سید عبدالحی رائے بریلوی، نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، کراچی: نور محمد اصح المطابع، ۸/۳۰۳؛ ٹی-ڈبلیو-آرنلڈ، دعوت اسلام (مترجمہ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ)، لاہور: محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، ۱۹۷۲ء، ۲۸۲-۲۸۳، نیز عبیداللہ، تحفۃ الہند و رسالہ کتھا سلوئی، گوجرانوالہ: مکتبہ مدینہ، س-ن [عکس اولیں اشاعت، ۱۳۳۰ھ]

۳۹۔ محمد حسن امروہوی کے لیے دیکھیے: مناظر احسن گیلانی، ہندوستان کا ایک مظلوم مولوی، معارف، (اعظم گڑھ)، اکتوبر ۱۹۵۱ء، ۲۶۴-۲۸۲، نومبر ۱۹۵۱ء، ۲۲۵-۲۴۴، جنوری ۱۹۵۲ء، ۴۲-۵۸، ادارہ [سفیر اختر]، علمائے برصغیر اور مطالعہ مسیحیت: حکیم محمد حسن امروہوی، عالم اسلام اور عیسائیت (اسلام آباد)، اپریل۔جون ۱۹۹۸ء، ۳۷-۴۸، سیّد محمد طارق، مولانا حکیم سیّد محمد حسن امروہوی، رضا لائبریری جرنل (رام پور)، شمارہ ۱۲-۱۳، ۳۶۷-۳۷۵

۴۰۔ مناظر احسن گیلانی، قدیم ہندو ادبیات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ، ہفت روزہ العدل (گوجرانوالہ) شمارہ ۲۵ جون ۱۹۲۹ء، شمارہ ۹ جولائی ۱۹۲۹ء

Marfat.com

۴۱۔ اکبر کے عہد میں پرتگیز پادریوں کے مغل دربار میں آنے اور پادریوں کی سوچ کے بارے میں اکبر کے سبھی سوانح نگاروں نے تفصیلات فراہم کی ہیں۔مثال کے طور پر دیکھیے:

- Du Jarric, *Akbar and the Jesuits* (Trans. C. H. Payne) London: George Routledge, 1926 ● Vincent A. Simith, *Akbar: The Great Mogal,* Oxford: 1926 ● I. H. Qureshi, *Akbar: The Architect of the Mughal Empire,* Karachi, Maarif Limited. 1978.

- پادری برکت اللہ، تاریخ کلیسائے ہندوستان، حصہ چہارم (مغلیہ سلطنت اور مسیحیت)، لاہور: پنجاب ریلی جس بک سوسائٹی، ۱۹۷۰ء

۴۲۔ حافظ احمد علی خان شوق، عبدالستار بن قاسم لاہوری (اکبری عہد کا فرنگی زبان کا مترجم)، معارف (اعظم گڑھ) جنوری ۱۹۲۶ء، ۵۴-۵۹ [مکرر اشاعت]، سیّد حسن عباس (مرتب)، رضا لائبریری کی علمی وراثت، رام پور: رضا لائبریری، ۱۹۹۶ء، ۷۰-۷۷

۴۳۔ سمرۃ الفلاسفہ کے خطی نسخوں کے لیے دیکھیے: سی-اے-اسٹوری *Persian Literature: A Bio-bibliographical Survey*، جلد ا، حصہ ا، لندن: رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن اینڈ آئرلینڈ، ۱۹۷۰ء، ۱۶۳-۱۶۵، جلد ا، حصہ ۲، لندن: لزاک اینڈ کمپنی، ۱۹۵۳ء، ۱۲۵۱

اسٹوری کی فہرست میں رضا لائبریری رام پور کا وہ نسخہ درج نہیں ہو سکا جسے بنیاد بنا کر حافظ احمد علی خان شوق نے مضمون لکھا تھا۔اسٹوری اور بعض دوسرے مصنّفین نے سمرۃ الفلاسفہ کو غلطی سے ثمرۃ الفلاسفہ لکھا ہے۔

۴۴۔ حافظ احمد علی خان، حوالہ مذکورہ، ۵۵

۴۵۔ ان خوش فہمیوں، بلکہ غلط فہمیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اکبر کی اہلیہ مریم زمانی مسیحی تھیں۔دیکھیے: محمد اکرام چغتائی، مولانا (ابوالکلام) آزاد کی ایک نایاب تحریر، ماہنامہ المعارف (لاہور)، اگست-ستمبر ۱۹۹۲ء، ۷۵-۸۸

۴۶۔ امداد صابری مرحوم نے خلاصہ صولۃ الضیغم کو مطالعۂ مسیحیت کے حوالے سے اولین اردو مطبوعہ کتاب قرار دیا ہے۔ان کے الفاظ میں "ردِ نصاری میں اردو زبان میں پہلی کتاب جو طبع ہوئی، وہ خلاصہ صولۃ الضیغم علی اعداء ابن مریم تھی جس کے مصنف عباس علی صاحب بن ناصر علی بن فضل اللہ فاروقی جاج مئوی تھے۔یہ کتاب مطبع سنگین میں

Marfat.com

۱۲۵۸ھ کے اندر چھپی جو بڑے سائز ۳۰×۲۰/ ۸ پر ۱۰۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اصل میں ۱۲۴۸ھ/ [۳۳-۱۸۳۲ء] میں لکھی گئی تھی، لیکن ضخیم ہونے کی وجہ سے اس کا خلاصہ ۱۲۵۸ھ/ [۱۸۴۲ء] میں چھپا۔ (فرنگیوں کا جال، دہلی، ۱۹۴۹ء، ۱۲۵)

رسالہ سوال و جواب عیسوی و محمدی کے تعارف اور خلاصے کے لیے دیکھیے: یوسف کوکن عمری، خانوادہ قاضی بدر الدولہ، مدراس: دار التصنیف، ۱۹۶۳ء؛ عالم اسلام اور عیسائیت (اسلام آباد)، جنوری ۱۹۹۴ء، ۹-۱۴

۴۷۔ برعظیم میں مسیحی-مسلم مباحثے کے پس منظر میں جو کچھ لکھا گیا، اولاً اس کا ذکر اس مباحثے میں حصہ لینے والوں نے کیا۔ اس سلسلے کی غالباً اولین کاوش وہ فہرست ہے جو چودھری مولا بخش نے اپنی تالیف مراسلاتِ مذہبی (مونگیر: مطبع رحمانیہ، ۱۳۴۱ھ/ [۲۳-۱۹۲۲ء]) میں درج کی ہے۔ ۱۹۶۱ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان نے قاموس الکتب اردو کی جلد اول (مذہبیات) شائع کی۔ اس میں ردِ مناظرہ نصاریٰ کے تحت ۲۵۷ کتابوں کی فہرست دی گئی ہے، مگر بعض کتابیں ایک سے زائد بار درج کر دی گئی ہیں، اور ہر بار ان کے مولفین / مرتبین کے بارے میں مختلف اطلاعات دی گئی ہیں، مزید برآں کچھ ایسی کتابیں بھی اس فہرست میں درج ہو گئی ہیں جن کا موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔

۱۹۸۰ء میں حافظ محمد عبد الستار قادری چشتی کی مرتبہ مراۃ التصانیف (لاہور: مکتبہ قادریہ) شائع ہوئی۔ یہ برعظیم کے صرف اہل سنت علماء کی کاوشوں کی فہرست ہے، مگر مرتب نے ''اہل سنت'' کی تعریف اتنی محدود رکھی ہے کہ اس میں دار العلوم دیوبند کے منتسبین اور اہل حدیث علماء جگہ نہیں پا سکے اور مطالعۂ مسیحیت کے حوالے سے صرف ۲۵ کتابیں گنائی جا سکی ہیں۔ دیوبندی اور اہل حدیث علماء نے اس میدان میں خاصا وقیع سرمایہ یادگار چھوڑا ہے، مگر دیوبندی بزرگوں کی کاوشوں کی اس موضوع پر کوئی کتابیات نظر سے نہیں گزری۔ (مجمل تعارف کے لیے دیکھیے: سفیر اختر، علمائے دیوبند اور مطالعۂ مسیحیت، عالم اسلام اور عیسائیت، جنوری-مارچ ۱۹۹۸ء، ۵۶-۶۹؛ [مکرر اشاعت بصورت کتابچہ]، واہ کینٹ: دار المعارف، ۲۰۰۳ء)

اہل حدیث علماء کی تصنیفی خدمات کے حوالے سے ایک کتابیاتی کاوش ابو یحییٰ امام خان نوشہروی کی تالیف ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات (چیچہ وطنی: مکتبہ

Marfat.com

نذیریہ، ۱۳۹۱ھ/ [۱۹۷۱ء]) ہے، اس میں مطالعۂ مسیحیت کا کوئی عنوان نہیں۔ دوسری کاوش محمد مستقیم سلفی کی جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات (وارانسی: جامعہ سلفیہ، اشاعت دوم، فروری ۱۹۹۲ء) ہے۔ اس میں اہل حدیث مصنّفین کی کاوشوں کا ذکر آ گیا ہے۔

مطالعۂ مسیحیت کے حوالے سے شیعہ علماء کی کاوشوں کا ذکر جناب حسین عارف نقوی کی تالیف برصغیر کے امامیہ مصنّفین کی مطبوعہ تصانیف اور تراجم (اسلام آباد: مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۹۷ء) کی دو جلدوں میں آ گیا ہے۔ انھوں نے برصغیر میں مطالعۂ مسیحیت اور شیعہ علماء کے عنوان سے جداگانہ فہرست بھی مرتب کی ہے۔ (دیکھیے: عالم اسلام اور عیسائیت، نومبر ۱۹۹۴ء، ۱۳-۱۸)

برعظیم میں مسیحی۔ مسلم مباحث کے حوالے سے جو اہم مطالعات سامنے آئے ہیں، ان میں سر فہرست امداد صابری کی کتابیں ہیں۔ انھوں نے اولاً فرنگیوں کا جال (دہلی: مؤلف، ۱۹۴۹ء) میں برعظیم میں اشاعتِ مسیحیت کی کوششوں کے پس منظر میں مسلم ردِ عمل کا جائزہ لیا اور پھر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی سوانح حیات آثار رحمت (دہلی: یونین پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۷ء)، اپنے والد گرامی مولانا شرف الحق دہلوی کی سوانح حیات داستانِ شرف (دہلی: مؤلف، س-ن) اور تاریخ صحافت اردو کی چار جلدوں (دہلی: ۱۹۵۳ء-۱۹۷۴ء) میں مسیحی۔ مسلم مباحث پر لوازمہ یک جا کیا۔ اس طرح بعض دوسرے اہلِ علم — مولانا محمد قاسم نانوتوی، سرسید احمد خان، مولانا محمد علی مونگیری، ثناء اللہ امرتسری وغیرہ — کے سوانح نگاروں نے ان کی زندگیوں کے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ اردو کے دینی ادب کے حوالے سے غور و فکر کرنے والے اہل قلم نے بھی اس پہلو پر توجہ مرکوز کی ہے (دیکھیے: نجم الاسلام، دین و ادب: اردو ادب پر برصغیر کی اسلامی احیائی تحریکات کے اثرات، حیدرآباد سندھ: ادارہ اردو، ۱۹۸۹ء؛ محمد ایوب قادری، ردِ عیسائیت میں علمائے کرام کی کوششیں، ماہانہ الولی (حیدرآباد سندھ)، اکتوبر ۱۹۷۳ء، ۲۵-۳۵، وہی مصنف، اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ: شمالی ہند میں ۱۸۵۷ء تک، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۸ء۔

مسلم۔ مسیحی تعلقات کے حوالے سے شائع ہونے والے ایک جریدے عالم اسلام اور عیسائیت (اسلام آباد) میں حسب ذیل علمائے برعظیم کی اُن کاوشوں کو نمایاں کیا گیا ہے جو

Marfat.com

مطالعۂ مسیحیت سے متعلق ہیں:

- ☆ ابوالجلال ندوی، شمارہ بابت ستمبر ۱۹۹۴ء، ۱۵-۲۳
- ☆ سرسیّد احمد خان، شمارہ بابت جولائی ۱۹۹۶ء، ۶-۱۴، اگست ۱۹۹۶ء، ۶-۱۷
- ☆ امداد امام اثر، شمارہ بابت جنوری ۱۹۹۵ء، ۱۶-۱۹
- ☆ ثناء اللہ امرتسری، شمارہ بابت مارچ ۱۹۹۲ء، ۵-۱۶، مئی ۱۹۹۲ء، ۱۰-۱۴
- ☆ حسن بن علی، ابوالحامد، شمارہ بابت اپریل ۱۹۹۵ء، ۱۸-۲۴
- ☆ رحمت اللہ کیرانوی، شمارہ بابت جولائی ۱۹۹۳ء، ۵-۱۵
- ☆ شرف الحق دہلوی، شمارہ بابت اگست ۱۹۹۵ء، ۱۲-۱۸
- ☆ محمد ابراہیم سیالکوٹی، شمارہ بابت دسمبر ۱۹۹۳ء، ۱۴-۱۸
- ☆ محمد احسن گیلانی، شمارہ بابت نومبر ۱۹۹۵ء، ۵-۱۳ دسمبر ۱۹۹۵ء، ۳-۱۲
- ☆ محمد حسن امروہوی، شمارہ بابت اپریل تا جون ۱۹۹۸ء، ۴۹-۵۸
- ☆ محمد سلیمان منصور پوری، شمارہ بابت دسمبر ۱۹۹۲ء، ۵-۱۵، اپریل ۱۹۹۳ء، ۵-۱۶
- ☆ محمد علی مونگیری، شمارہ بابت فروری ۱۹۹۵ء، ۱۳-۱۷
- ☆ منشی مہر اللہ، شمارہ بابت مارچ ۱۹۹۵ء، ۱۱-۱۵
- ☆ سیّد ناصر الدین ابوالمنصور دہلوی، شمارہ بابت اگست ۱۹۹۲ء، ۵-۱۴، ستمبر ۱۹۹۶ء، ۴-۱۶، اکتوبر ۱۹۹۶ء، ۷-۱۵
- ☆ علمائے دیوبند اور مطالعہ مسیحیت، شمارہ جنوری، مارچ ۱۹۹۸ء، ۵۶-۶۹

مسلم-مسیحی مباحث پر انگریزی میں متعدد تالیفات میں سے تازہ تر کاوشوں میں ڈاکٹر پاول کی تحریریں ہیں: دیکھیے

- Avril Ann Powell, *Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny India*, London: Curzon Press 1993
- *Muslim Chiristian Confrontation:* Dr. Wazir Khan in Nineteenth Century *Agra in Religious Controversy in British India* (ed. Kenneth W. Jones), New York: State University of New York Press, 1992

۴۸۔ البقرہ ۲:۱۳۶، المائدہ ۵:۴۸

Marfat.com

۴۹۔ المائدہ ۵: ۴۴، ۴۶۔ ایک دوسرے موقع پر الواحِ تورات میں ہدایت اور رحمت کا ذکر کیا گیا ہے (الاعراف ۷: ۱۵۴)

۵۰۔ الاعراف ۷: ۱۵۷، البقرہ ۲: ۱۴۶

۵۱۔ الفتح ۴۸: ۲۹۔ ان کی مثال یہ ہے: كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ انجیل متی میں ایسی ہی تمثیل ہے: ''آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے، مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے۔ کتاب مقدس، (متی ۱۳، ۳۲:۱۳)، لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی، ۱۹۶۲ء

۵۲۔ التوبہ ۹: ۱۱۱ ۵۳۔ الانبیاء ۲۱: ۱۰۵ ۵۴۔ البقرہ ۲: ۷۹، المائدہ ۵: ۴۱

۵۵۔ مثال کے طور پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق عہد نامہ عتیق میں درج ہے: ''جب سلیمان بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا'' (سلاطین ۱۱: ۴)، مگر قرآن کے نزدیک: ''سلیمان نے کفر نہیں کیا (البقرہ ۲: ۱۰۲)۔ انجیل مرقس سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رویہ اپنی والدہ حضرت مریم کے ساتھ اچھا نہ تھا (باب ۳: ۳۱-۳۵)، مگر قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حسنِ سلوک کا ذکر کرتا ہے۔ (مریم ۱۹: ۳۲)

۵۶۔ حمید الدین فراہی، تفسیر قرآن کے اصول (مرتبہ ومترجمہ خالد مسعود)، لاہور: ادارہ تدبر قرآن وحدیث، ۱۹۹۹ء، ۸۸

۵۷۔ ایضاً، ۹۰

۵۸۔ اولیں اشاعت: اعظم گڑھ: مطبعہ معارف، ۱۹۱۹ء۔ مولانا امین احسن اصلاحی (م ۱۹۹۷ء) نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے: ذبیح کون؟، لاہور: انجمن خدام القرآن، ۱۹۷۵ء

۵۹۔ [تبصرہ] ''الرأي الصحیح فی من ھو الذبیح''، ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ)، مئی-جون ۱۹۲۱ء، ۴۶۲

۶۰۔ [مقدمہ] الامعان فی اقسام القرآن، کویت: دار القرآن الکریم، ۱۹۸۰ء، ۸۔ مولانا حمید الدین فراہی کی رحلت پر سیّد صاحب نے جو تعزیتی مضمون لکھا تھا اس میں الامعان فی اقسام

Marfat.com

القرآن کے بارے میں لکھا تھا کہ اس کی اولیں اشاعت (۱۹۰۶ء) سے لے کر آج تک مختلف مدعیانِ تحقیق نے اقسام القرآن پر جو کچھ لکھا ہے، وہ تمام تر مولانا کے خوانِ کرم کی زلہ ربائی ہے۔ (یادرفتگاں، کراچی: مکتبۃ الشرق، ۱۹۵۵ء، ۱۲۶)

۶۱۔ مناظر احسن گیلانی، مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ، دہلی: ندوۃ المصنفین، ۱۹۶۰ء، ۴۸-۴۹

۶۲۔ ایضاً، ۵۰۔۵۱

۶۳۔ محمد عمران خان ندوی (مرتب)، مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں، اعظم گڑھ: معارف پریس، س-ن، ۸۰-۸۱

۶۴۔ سیّد نواب علی، تاریخ صحفِ سماوی، کراچی: مکتبہ افکار، ۱۹۷۳ء، اشاعت پنجم، ۱۵،

Marfat.com

Marfat.com

مطالعہ مذاہب کا مغربی منہاج اور اس کی فکری بنیادیں

ڈاکٹر حافظ محمد عبدالقیوم*

نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) اور اس کے بعد تحریکِ اصلاح (Reformation) کے نتیجہ میں دنیا کے بارے میں لوگوں کے نقطۂ نظر میں اہم تبدیلی واقع ہوئی، غور و فکر اور بحث کے مناہج بدل گئے۔ دنیا کے بارے میں مادی تصور کو فوقیت حاصل ہوگئی۔ معاشرے کو فلسفیانہ اور سیکولر بنیادوں پر استوار کیا جانے لگا اور مذہب کو فرد کی نجی زندگی کا معاملہ قرار دے دیا اور پھر رفتہ رفتہ انسان الہامی علم اور اس کی روشنی میں ترتیب پانے والے علوم و فنون سے آزاد ہوتا چلا گیا اور محض حسیت اور تجربیت کو علم کی بنیاد قرار دے دیا۔ دنیا کو مکافاتِ عمل قرار دینے کی بجائے مقصودِ زندگی ٹھہرا دیا گیا۔ نقطۂ نظر کی اس تبدیلی نے مذہب، سیاسیات، سماجیات، تاریخ غرض زندگی کے ہر پہلو پر گہرے اثرات مرتسم کیے۔

اگسٹ کومٹے (Auguste Comte) نے ذہنِ انسانی کی ترقی کے متعلق یہ نظریہ پیش کیا کہ ذہنِ انسانی تین مراحل سے گزرا ہے:

۱۔ دینی حالت (Theological Stage)

۲۔ مابعد الطبیعاتی حالت (Metaphysical Stage)

۳۔ ثبوتی حالت (Positive Stage)[۱]

عہدِ دینی میں ہر واقعہ کی تعبیر کسی تصورِ خدا، دیوی یا دیوتا کے حوالہ سے کی جاتی تھی۔ یا پھر جادو کا ذکر کیا جاتا تھا اور انھی پر اعتقاد رکھا جاتا تھا۔

مابعد الطبیعاتی دور میں انسان نے دیوی دیوتاؤں کی بجائے ماورائی مفروضوں کا سہارا لیا اور

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونی ورسٹی لاہور

Marfat.com

اُخروی حقیقت کی بدولت ہر واقعہ کی توجیہ کی گئی۔

تیسرا دور اثباتی یعنی سائنسی (Scientific) دور ہے جو جدید دور ہے۔اس میں حقایق وشواہد کی مدد سے استقرائی طریقہ پر واقعات کی توجیہ کی جاتی ہے۔گسٹ کومٹ کا کہنا ہے ہم مذہب کے نہایت شکر گزار ہیں کہ اس نے ذہنِ انسانی کو سائنٹفک دور تک پہنچانے میں مدد کی۔لہٰذا اب انسانیت کو مذہب کے سہارے کی ضرورت نہیں کیونکہ اب ذہنِ انسانی بالغ ہوگیا ہے۔

جان اسٹوارٹ مل (John Stuat Mill) کا کہنا ہے کہ ذہنِ انسانی ذاتی یا ارادی (Personal or Volitional) تجریدی یا وجودیاتی (Abstractional or Ontological) اور مظہریاتی یا تجرباتی (Phenomenal or Experimental) ادوار سے گزرا ہے۔ (۲)

لیسٹر فرینک وارڈ (Lester Frank Ward) نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ ذہنِ انسانی تین مراحل سے گزرا ہے جن میں سے ایک غایتی (Teleological) دوسرا وجودیاتی (Ontological) اور تیسرا مرحلہ اثباتی (Positivism) یا سائنسی (Scientific) ہے۔ (۳)

مطالعہ مذاہب کا تعارف

جب انسانی سوچ و بچار اور غور وفکر کے دائرے بدل گئے اور انسان کی ترجیحاتِ حیات تبدیل ہوگئیں تو پھر حسیت اور تجربیت ہی علوم کی بنیاد ٹھہر گیا۔

اسی سائنسی منہج کے پس منظر میں ۱۷ویں صدی عیسوی سے سماجی علوم (Social Sciences) کی ترقی میں تیزی آتی ہے اور اس طرح مغرب کے سماجی علوم، طبعی علوم کے بعد اور طبعی علوم (Natural Sciences) کے ماڈل پر فروغ پذیر ہوتے ہیں۔ مطالعۂ مذاہب بھی اس پس منظر میں جامعاتی (Academically) سطح پر پروان چڑھا۔

اس بات کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ نشاۃ ثانیہ کے بعد علم لسانیات کے موضوع پر قلم اٹھانے والے اولین لوگ میڈیکل سائنس کے ماہرین تھے۔اسی لیے انہوں نے سماجی موضوعات کا منہجِ بحث بھی سائنسی اصولوں کی روشنی میں پروان چڑھایا۔مندرجہ ذیل افراد اگرچہ میڈیکل سائنس کے تھے مگر انہوں نے ساتھ ساتھ علم لسانیات پر بھی قلم اٹھایا، جیسے تھامس لیناکر (Thomas Linacre) (۱۵۲۴ء۔ ۱۴۶۰ء)، جیکس ڈوبیس (Jacques Dubois) (۱۵۵۵ء۔ ۱۴۷۸ء)، جولیس سکالیگر

Marfat.com

(Julius Caesar Scaliger) (۱۴۸۴ء۔۱۵۵۸ء)، کونرڈ گیسنر (Conrad Gesner) (۱۵۱۶ء۔۱۵۶۵ء)، ہیرونیمس فبریکس (Hieronymus Fabricius ab Aquapendente) (۱۵۳۳ء۔۱۶۱۹ء) وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔(۴)

مذاہب کے مغربی منہجِ مطالعہ میں حق و سچ کی تلاش کی بجائے دین کو ایک سماجی عنصر کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ تاریخ مذاہب کی بین الاقوامی تنظیم (International Association for the History of Religions (LAHR) اور مذاہب کی سائنس کی پولش سوسائٹی (Polish Society for the Science of Religions) کے تعاون سے وارسا شہر میں کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں یہ طے کیا گیا کہ تاریخ مذاہب کو ایک انسانی اور ثقافتی سائنس (Human and Cultural Science) کے طور پر سمجھنا چاہیے، جس میں ''مذہب'' کو ایک ایسی حقیقت کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جو معاشرتی سرگرمیوں کو باہم ملاتی ہے:

" ...... concluded that the history of religions might well be reconceived as a human and cultural science' ini which 'religion' would be understood 'as a reality which interconnects social activities."(۵)

کلیئر ٹسڈال (Clair Tisdall) کا کہنا ہے کہ اس علم میں ان سوالات کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ مذہب کا آغاز کیسے ہوا؟ کیا مذہب وحی کا نتیجہ ہے یا ارتقاء کی پیداوار؟ کیا خدا واقعی انبیاء کے ذریعے اور مقدس صحائف میں انسانوں سے مخاطب ہوتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا عصر حاضر میں کوئی حل تلاش کرنا ہے۔ آج کے تقابلِ ادیان کے بہت سے محققین کا کہنا ہے کہ تقابلِ ادیان میں تحقیقات اس بات پر مجبور کرتی ہیں کہ تمام مذہبی عقاید کو رد کر دیا جائے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ وحی ناممکن ہے، یا کم از کم یہ کبھی واقع نہیں ہوئی۔ ان کا خیال ہے کہ مذہب کی تمام صورتیں الٰہی نہیں بلکہ انسانی بنیادیں رکھتی ہیں:

" How did Religion originate? Is it the result of divine revelation, or is it the product of Evolution? Hath God really spoken unto men by prophets and in holy writings? Such is the problem set before the present age for solution. Many there are in our own day who fancy that our investigations into Comparative Religion compel us to reject all belief in the divine origin of religion in general. They fancy that Revelation is impossible, or at least it has never taken place. Hence they imagine that all forms of religion, however they may differ from

Marfat.com

one another in detail, are of one and the same origin, and that this origin is human, not divine."(٦)

مطالعۂ مذاہب کے مغربی مناہج

نشاۃِ ثانیہ کے بعد مغرب میں مطالعۂ مذاہب کے مختلف رجحان رہے۔ ابتداً اگرچہ تقابلی رہا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ منہج بدلتا چلا گیا۔ چناں چہ مطالعہِ مذاہب کو جن سائنسی مناہج کی روشنی میں دیکھا جاتا رہا ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ تقابل (Comparison)

۲۔ ارتقا (Evolution)

۳۔ مظہریات (Phenomenology)

۴۔ مکالمہ (Dialogue)

ا۔ تقابل کا مفہوم:

لفظ "تقابل" کے انگریزی میں برابری (Equal) اور حریف یا رقیب (Rival) کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ معنی بھی ہیں کہ "تقابل کے ذریعے اندازہ لگانا" (Estimated by Comparison)(The Oxford English Dictionary، ۔(٧)

دو یا دو سے زاید اشیا کے درمیان مترادفات اور متفرقات کی نشان دہی کرنا، یا دو یا دو سے زاید حقیقی یا ذہنی طور پر موجود اشیا کے مترادفات اور تفرقات کو جاننے کے لیے ایک ساتھ رکھنا:

" To mark or point out the similarities and differences of (two or more things); to bring or place togather (actually or mentally) for the purpose of noting the similarities and differences."(٨)

دی آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق "تقابل" کے دیگر معنی یہ بھی ہیں مثلاً "قابل ذکر (to Speak of)، مترادف کے طور پر پیش کرنا (Represent as Similar)، ہم سری (Equal Standing)، حاصل کرنا (To Get, Obtain)، یا دریافت کرنا (Acquire)، تیار رہنا (To Get Ready)، مہیا کرنا (Provide)، تیار کرنا (Prepare)" وغیرہ۔(٩)

اس طرح لفظ "تقابل" میں جانچنا، ملاحظہ کرنا، موازنہ کرنا، دو چیزوں کا ہم وزن ہونا، برابری

Marfat.com

اور ہم سری کے معنی پائے جاتے ہیں۔

لفظ ''تقابل'' انگریزی زبان کا ایک عام لفظ نہیں بلکہ یہ ایک اصطلاح ہے جو نشاۃِ ثانیہ اور جدید سائنس کے پس منظر میں اپنا ایک خاص معنی رکھتی ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق ۱۶۷۵ء اور اس کے بعد یہ لفظ ایک سائنسی اصطلاح کے طور پر سامنے آتا ہے جس میں سائنس کی دو مختلف شاخوں کے مابین موازنہ کے معنی پائے جاتے ہیں، جیسے تقابلِ تشریح الاعضا (Anatomy):

"Involving comparison of different branches of a science, as comparative anatomy, philology, etc. So comparative anatomist, one versed in comparative anatomy."(۱۰)

اسی دور یعنی ۱۶۷۵ء میں گرو (Grew) اس اصطلاح کو ''پودوں کے تنوں کا تقابل'' (Comparative Anatomy of the Trunks of Plants) کے معنی میں استعمال کرتا ہے اور گریگوری (J. Gregory) بھی ۱۷۶۵ء میں انھی معنی کا احاطہ کرتا ہے۔(۱۱)

اسی دوران یعنی سترھویں اور اٹھارویں صدی میں جب سائنسی اصول تمام چیزوں کو پرکھنے کا معیار قرار پا گئے تو انھی سائنسی اصولوں کی روشنی میں دینیات اور دینیاتی مسایل کو دیکھا جانے لگا۔ شاعر ہومز (O.W. Holmes) لکھتا ہے کہ ''جس طرح تم تشریح الاعضا کا تقابل کرتے ہو اسی طرح تمھیں الہیات (Theology) کا تقابل بھی کرنا چاہیے'':

"You must have comparative theology as you have comparative anatomy."(۱۲)

آخری بات یہ ہے کہ ''تقابل'' کے اصول کی بنیادیں یونانی فلسفی ارسطو کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں جس نے اس اصول کی روشنی میں سیاسیات کا تقابلی مطالعہ کیا۔(۱۳)

ا۔ تقابلِ ادیان کا تعارف

مطالعہِ مذاہب کے روایتی طریقہِ بحث و مناظرہ میں جن اصولو ضوابط کو بنیادی و مرکزی حیثیت حاصل تھی ان میں سے ایک اہم اصول اپنے عقیدہ کے حق و سچ ہونے کا ہے، خود کے حق پر ہونے کے یقینِ کامل کے ساتھ مخالف کے نقلی و عقلی دلایل کا رد کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے ہی دین میں ''نجات'' کو محصور گردانتا ہے۔

مگر نشاۃِ ثانیہ کے فکری پس منظر میں جو مطالعہِ مذاہب متعارف ہوا اس میں حق و باطل کی بحث اور

Marfat.com

صراطِ مستقیم کی تلاش کی بجائے تمام مذاہب کو ایک سماجی عنصر کے طور پر دیکھا گیا اور ''مذہب'' کو ایک معروضی حقیقت کے طور پر ماننے کی بجائے اس کے تاریخی ماخذ و مصادر تلاش کرنے کا رجحان پروان چڑھا۔

اس پس منظر میں مطالعۂ مذاہب کے لیے ''تقابل'' کی اصطلاح متعارف ہوئی ہے، یہ بات پیشِ نظر رہے کہ ''تقابل'' (Comparativism) اصطلاح سے زیادہ ''طریقہ کار'' کا نام ہے۔ ''تقابل'' کی سائنس کے تحت جو مطالعۂ مذاہب پروان چڑھا اس کا پورا نام صرف ''تقابلِ ادیان'' نہیں بلکہ ''تقابلِ ادیان کی سائنس'' (Science of Comparative Study of Religions) ٹھہرا۔ اسی طرح مطالعۂ مذاہب کو ابتداً مذہب کی اطلاقی سائنس (Applied Science of Religion) بھی کہا گیا۔ (۱۴)

ب۔ تقابلی لسانیات اور مطالعۂ مذاہب پر اس کے اثرات

نشاۃِ ثانیہ کے بعد جب مغربی مفکرین کا مطالعۂ مشرق بڑھا اور اس کے بارے میں جان کاری کی جستجو پیدا ہوئی تو ان کو اس وقت کے ہندوستان میں آرین نسل کے بارے میں معلوم ہوا، اسی بات نے ان میں مزید جان کاری کا شوق کیا اور انھوں نے یورپ و ہندوستان کے لوگوں کے رہن سہن، طرزِ بود و باش اور زبان کے ساتھ ساتھ تہذیب و ثقافت کے دیگر پہلوؤں کا تقابلی مطالعہ کا آغاز کیا۔ اس تقابلی مطالعہ کو ''اِنڈو۔ یورپین سٹڈیز'' کے نام سے باقاعدہ اکادمی یا جامعاتی مطالعہ کا درجہ دے دیا گیا۔ میکس ملر کے بقول جس طرح پندرھویں صدی میں یونانی علوم و افکار نے یورپ کی جامعات میں انقلاب برپا کیا تھا اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ انیسویں صدی میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور سنسکرت زبان سے آگاہی اور پھر اس کے نتیجہ میں لسانیات کے تقابلی مطالعہ نے یورپ میں انقلاب برپا کیا۔ (۱۵)

انیسویں صدی میں سائنسی زاویہ نگاہ سے تقابلی لسانیات (Comparative Philology) کا جائزہ لیتے ہوئے محققین کا تقابلی صنمیات (Comparative Mythology) کی طرف رجحان بڑھا اور پھر انھوں نے تقابلی صنمیات سے مذاہب کے تقابلی مطالعہ (Comparative Religion) کو سائنسی زاویہ نگاہ سے دیکھنے کو اپنا موضوع بنایا۔ یہ بات واضح رہے کہ چونکہ مطالعۂ مذاہب کی طرف جو محققین راغب ہوئے وہ ماہرینِ لسانیات تھے اور اس وقت کی لسانیات کو دو زمانی (Diachronic) اور تقابلی نقطہ نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔ اس لیے مذہب کا بھی ابتداً اسی نظر سے مطالعہ کیا گیا۔ یہ بات بھی لائقِ توجہ ہے کہ سرزمینِ ہندوستان میں تقابل ادیان کا علم متعارف ہوا، جس میں یہاں کے ہندوؤں کا مذہبی ادب

Marfat.com

اور صنمیات کا اہم دخل ہے:

Comparative philology followed by the first flights of comparative mythology, turned the philologists to the study of the religions revealed in the newly discovered sacred books of the orient.[16]

میکس مُلر کا فلسفہِ تقابل ادیان

ج۔ میکس ملر کے افکار کا خلاصہ:

نشاۃِ ثانیہ کے بعد علوم کی سائنسی تشکیل کا جب دور شروع ہوا اور علوم کو موضوعی حقایق کی روشنی میں دیکھا جا رہا تھا تو دیگر علوم کے ساتھ ساتھ زبان یعنی لسانیات کو بھی سائنس سے زیر بحث لایا گیا۔ اسی پس منظر میں میکس ملر کو ان لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جنھوں نے مطالعہِ مذہب کو سیکولر بنیادیں فراہم کیں۔ چناں چہ مذہب کو معروضی حقیقت کے طور پر نہیں بلکہ ایک موضوعی حقیقت کے طور پر دیکھا گیا۔ کیوں کہ نشاۃِ ثانیہ کے بعد جس منہجِ فکر نے فروغ پایا، اس کے مطابق انسان (Humanism) کو ہی ہر چیز کا معیار ٹھہراتے ہوئے وحی کے ذریعہِ علم ہونے کا انکار کیا گیا اور اسی لحاظ سے سائنس کو (جو تجربہ و مشاہدہ کی صورت میں انسان کی موضوعی حیثیت سے متعلّق ہے) پروان چڑھایا گیا۔

اس پس منظر میں میکس ملر کے افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ "مذہب" سے دو چیزیں مراد ہوتی ہیں، "مذہب" کی ایک شکل تو یہ ہے جو معروض میں عیسائیت، یہودیت یا کسی دوسرے مذہب کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ مذہب کی دوسری شکل یہ ہے جو انسان میں فطری یا جبلی طور پر موجود ہے۔ جس کو میکس ملر حاسہِ لامحدودیت (Faculty of Infinity) سے تعبیر کرتا ہے۔ میکس ملر کے نزدیک "مذہب" کی ان دونوں صورتوں میں سے اصل اور اہم صورت تو دوسری ہے اور پہلی صورت کی حیثیت ثانوی ہے۔ دوسری صورت اگر جوہر ہے تو پہلی صورت عرض ہے۔ جس طرح زبان (Language) اور اس کو بولنے کی صلاحیت (Faculty of Speech) دو مختلف چیزیں ہیں، ان دونوں میں قوتِ گویائی اگر جوہر ہے تو زبان (Language) کو عرض کہا جا سکتا ہے۔ اسی پس منظر میں اگر کوئی شخص مذہب یہودیت، عیسائیت یا ہندومت کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیتا ہے یا کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لیتا ہے تو دراصل یہ عرض کی تبدیلی ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کے حاسہِ لامحدودیت کا معروض میں کوئی بھی مذہب اور اس کے عناوین (Content) مصداق ٹھہر سکتے ہیں۔

Marfat.com

د۔ میکس ملر کے افکار کا تفصیلی جائزہ

میکس ملر نے لسانیات کے تقابلی مطالعہ کے منہاج پر مذاہب کو بھی جانناچاہا۔ چناں چہ میکس ملر کہتا ہے کہ جس طرح مخالفین لسانیات کے سائنسی منہج پر مطالعہ کو ناممکن سمجھتے تھے، مگر اس ناممکن کو ممکن بنایا گیا، اسی طرح وہ میرے اس نئے نظریہ یعنی مذاہب کا سائنسی مطالعہ کا بھی انکار کریں گے۔

انیسویں صدی میں جب ہر چیز کو جانچنے کا معیار ''سائنس'' قرار پا گیا تو اس پس منظر میں میکس ملر کہتا ہے کہ ہمارے اس عہد میں معروضی حالات کے پیش نظر مذہب کے حق یا مخالفت میں بات کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ٹھہر گیا ہے۔ کچھ لوگ مذہب کو اتنا مقدس سمجھتے ہیں اور اس کو اہم مقام دیتے ہوئے اس قابل سمجھتے ہیں کہ اس کو سائنسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، جبکہ ایک گروہ مذہب کو وہم وخیال، فریبِ نظر (Hallucination)، اور اغلاط (Errors) کا مجموعہ گردانتا ہے اور اس حد تک کم تر سمجھتا ہے کہ اس کو سائنسی زاویہ نگاہ سے دیکھنا ہی نہیں چاہتا، وہ سمجھتا ہے کہ ایک سائنس دان کے مقام سے یہ بات فروتر ہے کہ وہ مذہب اور مذہبی مباحث کو درخورِ اعتنا سمجھے۔

مذہب پر ان اشکالات کے باوجود میکس ملر کا کہنا ہے کہ جس طرح سچائی کی بازیافت کے لیے اغلاط تک کا بھی مطالعہ مفید ثابت ہوتا ہے، اسی طرح مذہب کے سائنسی مطالعہ سے بھی اہم نتائج سامنے آئیں گے۔ جیسا کہ روایتی علم الکیمیا (Alchemy) میں جدید سائنسی علم کیمیا (Chemistry) کا بیج پایا جاتا تھا اسی طرح روایتی علم ہیئت (Astrology) میں جدید سائنسی علم فلکیات (Astronomy) کی بنیادیں پائی جاتی ہیں۔

میکس ملر کہتا ہے کہ جس طرح سائنس کی روشنی میں کیے گئے لسانیات کے تقابلی مطالعہ سے حوصلہ افزا نتائج سامنے آئے ہیں اور لسانیات سے متعلق روایتی خیالات غلط ثابت ہوئے ہیں اسی طرح مذاہب کے تقابلی مطالعہ سے بھی مفید باتیں سامنے آئیں گی۔

میکس ملر کے دَور میں چوں کہ سائنس کے ''تقابلی (Comparison)'' طریقۂ تحقیق کو اہمیت حاصل تھی اس لیے اس منہجِ تحقیق کی افادیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ دنیا میں اعلیٰ علم ''تقابل'' کے طریقہ ہی سے ظہور میں آیا ہے۔ انیسویں صدی میں سائنسی تحقیق کا منہاج نمایاں طور پر ''تقابل'' کا ہے اور پھر اس ''طریقۂ تقابل'' کو استقرائی طریقہ (Inductive Method) سے مزید توثیق پہنچائی جا سکتی

Marfat.com

ہے۔ اس طریقۂ تحقیق کے اہم نتائج کے پیش نظر اس کو مذاہب کے مطالعہ پر بھی لاگو کیا جا سکتا ہے جس سے اس بات کا قوی امکان ہے کہ دنیا کے مذاہب کے مآخذ (Origin)، کردار، ترقی اور زوال کے بارے میں روایتی آرا میں نمایاں تبدیلی واقع ہوگی۔ (۱۷)

میکس ملر لکھتا ہے کہ گوئٹے (Goethe) کا مقولہ ''وہ شخص جو ایک زبان جانتا ہے وہ کچھ نہیں جانتا'' (He who knows one language, knows none) ہے۔ اس مقولہ نے جس طرح ماہرینِ تقابلِ لسانیات میں انقلاب برپا کر دیا تھا، اسی طرح گوئٹے کی بات کو مذاہب کے تقابلی مطالعہ پر بھی اس طرح لاگو کیا جا سکتا ہے کہ ''جو ایک (مذہب) کو جانتا ہے وہ کچھ نہیں جانتا۔'' (He who knows one, knows none)۔

میکس ملر کی اس بات میں ہی اس کا تقابلِ ادیان کا فلسفہ مضمر ہے۔ میکس ملر کہتا ہے کہ جب مادری زبان کے علاوہ دیگر زبانوں کا مطالعہ کیا گیا تو اس سے ہم عصر اور ہم رشتہ زبانوں میں تقابل ممکن ہو سکا۔ اس تقابل سے علم اشتقاق کی روشنی میں الفاظ کے مآخذ، ان کے تغیّر و تبدل اور تراش و خراش کے مدارج و منازل منصہ شہود پر آ سکے۔ میکس ملر کا کہنا ہے جدید علم اشتقاقیات کی رُو سے تحقیق الفاظ کی بہترین صورت یہ ہے کہ ہم خاندان زبانوں کے الفاظ کے باہمی تقابل سے مدد لی جائے۔ ہم اصل زبانوں میں اگرچہ ظاہری اختلاف پائے جاتے ہیں مگر وہ سب اپنے منبع و مآخذ کی کوئی نہ کوئی خصوصیّت ضرور محفوظ رکھتی ہیں جس طرح ہر لفظ تہذیبی سطح، ذہنی رجحانات، عصری میلانات یا کوئی نہ کوئی داستان اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتا ہے۔

میکس ملر کے بقول زبانوں کے اس باہمی تقابل سے ہندیورپی زبانوں کے متعلّق اہم تحقیقات سامنے آئی ہیں جس طرح زبانوں کے تقابلی مطالعہ سے یورپ اور ایشیا کی بڑی زبانوں کے درمیان ایک نیا تعلّق ثابت ہوا ہے اسی طرح مختلف قدیم مذاہب کے درمیان اسی طرح کے تعلّق کو دریافت کیا جا سکتا ہے:

> "As a comparative study of language had proved quite a new relationship between the principal languages of Europe and Aia, it was supposed that the same kind of relationship might be discovered between the various religions of the ancient world also." (۱۸)

میکس ملر اپنے اس فلسفہ کو مطالعۂ مذاہب پر منطبق کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہے کہ دیگر مذاہب

Marfat.com

کے مطالعہ اور ان کے باہمی تقابل سے ایک دوسرے سے استفادہ، تغیّر و تبدل اور باہمی نزاع کی وجوہ سامنے آسکیں گی۔ اس کا کہنا ہے کہ مذاہب میں اختلاف کی بنیادی وجہ زبانوں کا اختلاف ہے۔

میکس ملر کا کہنا ہے کہ لفظ ''مذہب'' سے دو مختلف چیزیں مراد ہوتی ہیں جب ہم یہودیت عیسائیت یا ہندومت کے متعلّق گفتگو کرتے ہیں تو اس سے دراصل مقدس کتب اور تعلیمات کا وہ مجموعہ مراد ہوتا ہے جو ہمیں روایت کے ذریعے پہنچا ہوتا ہے، یہی وہ چیزیں ہیں جو یہودی، عیسائی یا ہندو کا عقیدہ بناتی ہیں۔ چناں چہ ان معنی میں اگر ''مذہب'' مراد لیا جائے تو جب کوئی شخص اپنا مذہب تبدیل کرتا ہے اور عیسائیت کی بجائے برہمنیت یا ہندومت کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ اسی طرح کی بات ہوگی کہ جیسے کوئی شخص ہندوستانی کی بجائے انگریزی سیکھ لے۔

''مذہب'' کو ایک دوسرے مفہوم میں بھی استعمال کیا جاتا ہے کہ جس طرح ہر انسان میں قوتِ گویائی (Faculty of Speech) پائی جاتی ہے تو جو زبان کی تمام تاریخی صورتوں سے آزاد ہوتی ہے، یعنی اس کا بولی جانے والی زبانوں سے کوئی تعلّق نہیں ہوتا۔ اسی طرح فطری طور پر ہر شخص میں حاسہِ مذہبی (Faculty of Faith) بھی ہوتا ہے جو تمام تاریخی مذاہب سے ماورا ہوتا ہے۔ چناں چہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ مذہب ہی ہے جو انسان کو حیوان سے متمیز کرتا ہے، تو اس بات کے کہنے سے یہودیت، عیسائیت یا کوئی خاص مذہب مراد نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد حاسہِ لامحدودیت (Faculty of Perceiving the Infinity) ہوتا ہے، یہی وہ حاسہ یا انسان میں ودیعت شدہ صلاحیت ہے جو انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ مختلف بھیسوں میں ''لامحدودیت'' کا ادراک کرے۔ اس حاسہ کے بغیر مذہب کا تصور حتی کہ بت پرستی کی کم تر حالت کا بھی امکان نہیں رہتا، اگر ہم غور سے سنیں تو دنیا کے تمام مذاہب میں روح کے کراہنے کی آواز، نا قابلِ فہم کو سمجھنے کی کوشش، لامحدودیت کے پیچھے جانے کی خواہش اور اسی طرح خدا سے محبت کا دعویٰ سن سکتے ہیں۔ یونانی لفظ ''انسان'' (Enthropo) کے معنی کہ ''وہ جو اوپر کی طرف دیکھتا ہے'' (He Who Looks Upward) علم اشتقاق کی رُو سے درست ٹھہریں یا نہ ٹھہریں، مگر یہ بات یقینی ہے اور یہی بات انسان کو انسان بناتی ہے کہ وہ اکیلا اپنا رُخ جنت کی طرف موڑ سکتا ہے، اسی طرح یہ بات بھی یقینی ہے کہ وہ تنہا حواس اور انسانی عقل سے ماورا کسی چیز کی خواہش کا اظہار کرے۔

میکس ملر کہتا ہے کہ انسان میں اگر حسی ادراک کی حالتوں کو جانچنے کا کوئی فلسفیانہ نظم

Marfat.com

(Faculty of Sense) ہے، اور اسی طرح عقلی ادراک کی حالتوں کو جاننے کا کوئی فلسفیانہ نظم (Faculty of Reason) پایا جاتا ہے تو پھر یقیناً ایک تیسرا فلسفیانہ نظم بھی ہونا چاہیے جو تیسرے حاسہِ انسانی کی حالتوں کو جانچ سکے اور حواس وعقل میں توازن رکھ سکے۔ یہی وہ حاسہِ لامحدودیت ہے جو تمام مذاہب کی بنیاد ہے۔ جرمن زبان میں اس حاسہ کو "Vernuft" کہتے ہیں جس کا انگریزی میں کسی حدتک مفہوم "Faculty of Faith" ہوسکتا ہے۔ یہ حاسہ عقل (Verstand / Reason) اور حاسہِ حواس (Sinne / sense) سے الگ ہوتا ہے۔

میکس ملر کہتا ہے کہ اگر ہم جدید فکری تاریخ پر نظر ڈالیں تو ایمانوئل کانٹ (I. Kant) سے پہلے دنیائے فلسفہ میں غالب رجحان یہ تھا کہ انسان میں صرف ایک ہی حاسہ کا وجود ہے اور وہ حاسہِ حسی (Faculty of Senses) ہے۔ اس بارے میں لائبنز (Leibnitz) نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ ہاں انسان میں ایک ہی حاسہ ہے مگر وہ حاسہِ ذہنی (Faculty of Intellect) ہے۔ مگر کانٹ نے آکر اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ انسان میں ایک نہیں بلکہ دو خود مختار حاسہ جات ہیں، اُن میں ایک حسی اور دوسرا عقلی ہے۔ میکس ملر کہتا ہے کہ کانٹ اس سے آگے اگر جانا چاہتا تو جاسکتا تھا مگر اس نے ارادتاً انکار کردیا اور ذہن کو محدودیت (Finity) سے ماورا جانے سے روک دیا، محدودیت سے ماورا ہونے کا مطلب خدا کی رسائی اور اس کی پہچان کا حاسہ (Faculty of approaching the Divine) ہے۔ کانٹ نے انسان کے وہ قدیم دروازے بند کردیے جن سے انسان ''لامحدودیت'' کو دیکھ سکتا تھا۔ لیکن جہاں تک اس کی اپنی ذات کا تعلّق ہے تو اس نے اپنے لیے اپنی دوسری کتاب تنقیدِ عقلِ عملی (Critique of Practical Reason) میں عقبی دروازہ کھلا رکھا ہے جہاں سے وہ انسان میں حاسہِ خدائی کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔

میکس ملر کہتا ہے کہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ انسان میں ایک تیسرا حاسہ ہے جس کا نام حاسہِ لامحدودیت (Faculty of Infinity) ہے اور ہم اس کے وجود کا انکار نہیں کرسکتے۔

میکس ملر لفظ ''مذہب'' کی درج بالا دو معانی میں تقسیم کے مطابق مذہب کی سائنس کو دو حصوں میں منقسم کرتا ہے، جن میں سے اول ''Comparative Theology'' اور دوم کو ''Theoretic Theology'' کہتا ہے۔ [(۱۹)]

Marfat.com

میکس ملر نے سائنسی اصول وضوابط کی روشنی میں ''تقابل'' کے اصول کی بنیاد پر مذاہب کے مطالعہ کا نیا منہج متعارف کروایا، اس لحاظ سے میکس ملر اس منہج کا بانی بھی کہا جا سکتا ہے۔

تقابل ادیان پر سماجی علوم کے اثرات

مطالعہِ مذاہب کے جدید منہاج کا بانی میکس ملر (Max Muller) قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے مطالعہِ مذاہب کے تقابل کے لیے جرمن لفظ ''Religionswiffenschaft'' استعمال کیا۔ ہنلز (Hinnells) میکس ملر کے اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ مذہب کا جامعاتی سطح پر ایسا مطالعہ جو الٰہیات سے الگ ہو کر کیا جائے۔ ہنلز (Hinnells) کہتا ہے کہ میکس ملر کے جرمن لفظ میں دو پہلو پوشیدہ ہیں، بد قسمتی سے اس لفظ کے انگریزی میں ترجمہ ہونے سے وہ پہلو کھو گئے۔ جن میں سے ایک سائنس اور دوسرے انسانیات "Humanities" ہے:

A further term sometimes applied to history of religions is Religionswiffenschaft, which is described by Hinnells as the academic study of religion apart from theology, and was introduced by Friedrich Max Muller (1823-1900). Religionswiffenschaft in German covers both science and humanities, a meaning which largely lost in translation. (۲۰)

لفظ ''Religions wiffenschaft'' میں سائنس اور انسانیات "Humanities" کے معانی مطالعہِ مذاہب کے علم کی کثیر الموضوعی (Multidisciplinary) ماہیت کی نشان دہی کرتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مطالعہِ مذاہب کا علم کئی ذیلی مضامین میں گندھا ہوا ہے جیسے تاریخِ مذہب، نفسیاتِ مذہب، فلسفہِ مذہب، سماجیاتِ مذہب اور مظہریاتِ مذہب وغیرہ۔ (۲۱)

۲۔ نظریہ ارتقا اور مطالعہِ مذاہب پر اس کے اثرات:

نشاۃ ثانیہ کے بعد جب ہر چیز کو پرکھنے کا معیار سائنسی اصول و منہج قرار پایا تو نظریہ ارتقا (Evolution Theory) سے قبل جدید سائنس کے جو اصول لائقِ توجہ ٹھہرے وہ تاریخی و تدریجی اور تقابل کا اصول تھا۔ انہی اصولوں پر سماجی علوم پروان چڑھے۔

جیسا کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ سماجی علوم سائنسی اصول اور منہج پر فروغ پذیر ہوئے ہیں، اسی بات کے پس منظر میں نظریہ ارتقا کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ڈارون نے جس سائنسی منہج کو اپناتے

Marfat.com

ہوئے نظریہ ارتقا پیش کیا تھا، ہربرٹ سپنسر (۱۹۰۴ء۔۱۸۲۰ء) نے ارتقائی اصول کو سماجی علوم بالخصوص مطالعہِ مذاہب پر منطبق کر دیا۔ اب ہر چیز کو ارتقائی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ انیسویں صدی میں یہ نظریہ سماجی علوم میں اپنایا گیا، اس نظریہ کا مطلب اشیا کا بتدریج ترقی کرنا ہے۔ مفکرین اور محققین کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جس نے اگرچہ ڈارون کی تحقیقات سے اختلاف کیا مگر وہ ارتقا کے اصول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ ان میں سے میکس ملر اور میکس ویبر بھی تھے جنہوں نے نظریہ ارتقا کی مخالفت کی تھی۔[۲۲]

سائنسی تحقیقات میں طریقہِ ارتقا اور طریقہِ تقابل میں اگرچہ مماثلت پائی جاتی ہے مگر ان میں فرق بھی نمایاں طور پر موجود ہے۔ فرق یہ ہے کہ مثلاً ''ب'' کا ''الف'' میں سے ارتقا ہوا ہو، اور پھر ''ب'' نہ صرف ''الف'' جیسا ہو جائے بلکہ بعد والے دور میں وہ ''الف'' ہی بن جائے۔ جبکہ طریقہِ تقابل میں تقابل کے لیے ''ب'' کا ''الف'' جیسا ہونا ہی کافی ہوگا۔ طریقہِ تقابل میں متقابل اشیا کے درمیان متخالف اشیا کی بجائے مشترکات تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے:

> The evolution of "Y" out of "X" requires that "Y" not only be like "X" but also postdate "X" and be in physical proximity to "X". By contrast, the comparative method rquires only that "Y" be like "X". ....The comparative method in itself is an attempt simply to find similarities and ignoring difficulties.[۲۳]

نظریہِ ارتقا کی رو سے کہا جاتا ہے کہ کائنات کے تغیرات کا بنیادی سبب ارتقا ہے اس لیے وہ تمام ذرائع جو تغیّر میں ممد ہیں یا اس کا راستہ روکتے ہیں اسی حوالے سے انہیں اچھے یا برے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح یہ کہا جاتا ہے کہ انسان کا اخلاقی و مذہبی شعور بذات خود ارتقائی تغیر کا نتیجہ ہے۔

مگر آنے والے دور میں طریقہِ ارتقا اور تقابل کو ترک کر دیا گیا، اس پر سب سے زیادہ تنقید ثقافتی بشریات (Cultural Anthropology) نے کی۔[۲۴]

۳۔ مظہریات اور مطالعہِ مذاہب پر اس کے اثرات

مظہریات (Phenomenology) کے تعارف سے قبل یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ مظہریات کی بحث کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے:

الف۔ فلسفہِ مظہریات　　　　ب۔ منہجِ مظہریات

Marfat.com

ذیل میں مظہریاتی فکر کا تعارف کرواتے ہوئے اس کے منہج کو زیر بحث لایا جائے گا۔

تعارف

بیسویں صدی میں منطقی اثباتیت (Logical Positivism) کے فلسفہ کا مغرب میں عروج رہا۔ اس فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مابعد الطبیعاتی حقایق کے ادراک کی کوشش فعل عبث ہے، انسان اگرچہ اپنے نفس میں کچھ جبلتیں رکھتا ہے جن کی بنیاد پر وہ اپنے نفس میں باتیں کرتا ہے لیکن ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے البتہ علمی حیثیت ان چیزوں کی ہے جن کو تجربات کے ذریعے جانا جا سکتا ہے۔ منطقی اثباتیت کے ان دعووں کے رد میں مظہریاتی فکر سامنے آتی ہے۔ (۲۵)

مظہریات کے آغاز اور اس فکری منہج کو آگے بڑھانے میں جن مغربی مفکرین نے حصہ لیا ان میں ہیگل، لمبارٹ (Lambert)، ہسرل (Edmund Husserl) اور ہیڈیگر (Heidegger) وغیرہ اہم ہیں۔

ہینچ لمبارٹ (Heinich Lambert) جو فلسفی کانٹ (Kant) کا ہم عصر تھا اس نے سب سے پہلے ''مظہریات'' کی اصطلاح استعمال کی اور انسانی تجربہ سے حاصل ہونے والے ''التباسی خدوخال'' (Illusory Features) کو ''مظہر'' کا نام دیا۔ اسی لحاظ سے اس نے مظہریات کی تعریف ''نظریہ التباس'' (Theory of Illusion) سے کی ہے۔ (۲۶)

کانٹ نے ''مظہریات'' سے متعلق یہ کہا کہ ''مظہر'' (Phenomenon) اور ''حقیقت'' (Noumenon) میں فرق ہے۔ ''مظاہر'' سے مراد وارداتِ فطرت ہیں جن کا علم حواس سے حاصل ہوتا ہے جبکہ حقیقت یا شے کا علم ممکن نہیں کیوں کہ یہ انسان کے حواس کی دسترس سے باہر ہیں۔ اشیا کما فی الظاھر کا علم تو ممکن ہے مگر اشیا فی نفسہ یا اشیا کما ھی کا علم ناممکن ہے۔ (۲۷)

ہیگل (F. Hegel) نے ابتداً کتاب ''Phenomenology of Spirit'' لکھ کر اس بحث کا آغاز کیا۔ مگر شروع میں ہیگل کی یہ کتاب توجہ حاصل نہیں کر سکی۔ پھر آنے والے دور میں اس کی طرف رجحان بڑھتا چلا گیا۔ ہیگل نے کانٹ کے نظریات سے اختلاف کیا اور اس کو باقاعدہ ایک سائنس قرار دیا جس کا موضوع ذہن ہے اور ذہن اپنا اظہار مظہر کے طور پر کرتا ہے۔

مظہریات کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ ہم چیزوں کی ماہیتِ حقیقی سے آگاہ نہیں ہو سکتے مگر

Marfat.com

چیزوں کے صرف ظواہر تک آ گاہی حاصل کی جاسکتی ہے:

We cannot know reality of the ultimate nature of things, but only appearances. (۲۸)

مظہر یات کے مطابق تمام علم مظہر (Phenomenon) تک محدود ہے، کیوں کہ مظہر سے باہر اور اس کے علاوہ کوئی حقیقت نہیں پائی جاتی۔ اگر بفرض محال وہ موجود بھی ہے تو اس تک رسائی ناممکن ہے۔ اس فلسفیانہ طریقۂ بحث کی بنیاد اس نکتہ پر ہے کہ حواس کی گرفت میں آنے والی اور قابل تصدیق سچّائی ہی ''علم'' کہلانے کی حق دار ہے۔ اس طرح مظہر ایسا واقعہ، صورت حال یا تجربہ ہوتا ہے جو حواس سے متعلقہ ہو اور جس کی سائنسی توجیہ ہو سکے۔

ہسرل یہ خیال کرتا ہے کہ عالم/دنیا کو ایک ایسے وجود کا حامل ہونا چاہیے کہ جو خود اپنی ذات اور وجود سے آ گاہی رکھتا ہو۔ چناں چہ ہاتفِ غیبی کی جانب سے سقراط کو جو یہ ندا آئی تھی کہ اے شخص! ''جاننا خود کو جاننا ہے'' اور ''پہچاننا خود کو پہچاننا ہے'' ہسرل کی فکر میں ایک بالکل نئے انداز سے ایک بار پھر اجاگر ہوئی۔ ہسرل کی یہ پکار سینٹ آگسٹائن کا یہ فرمان بھی معلوم ہوتی ہے کہ ''باہر نہ دیکھو اپنی ذات کے اندر جھانکو'' (Do not wish to go out, Go back into yourself)۔ چناں چہ سقراط اور آگسٹائن کی طرح ہسرل بھی اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ''صداقت انسان کی ذات کے اندر بسیرا کرتی ہے'' ("Truth" dwells in the inner man)۔ گویا کہ صداقت فرد کی اپنی ذات سے ابھرنے والی ایک غیر متزلزل اور ناقابل شک حقیقت ہے۔ (۲۹)

ہسرل کے مظہر یاتی منہج میں عمقیت (Intentiality) کا تصور بنیادی اور مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ عمقیت سے مراد ہے کہ شعور کا حوالہ خارج یا اشیا کی طرف ہوتا ہے، اس لیے کوئی معروض موضوع کے بغیر ممکن نہیں۔ ہسرل کی مظہر یات میں دو عناصر ہیں:

مظہر یاتی تحویل: اس میں خارج کی طرف کوئی حوالہ نہیں ہوتا اور موضوعی تجربہ تک ہی محدود رہنا پڑتا ہے۔

ماورائی تحویل: اس میں علم کے موضوع (Subject) کو حقیقی، تجربی اور معاشی نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے صرف ماورائی شعور کے طور پر لیا جاتا ہے۔ (۳۰)

پہلی جنگ عظیم کے بعد مغربی معاشرہ میں پیدا ہونے والے نفسیاتی وسیاسی مسائل اور پھر

Marfat.com

جنگ کی تباہ کاریاں اور اس کے بھیانک نتائج نے لوگوں کو دکھوں، تکالیف اور مایوسی کی دلدل میں دھکیل دیا تھا۔ اس پس منظر میں مغرب میں مطالعہِ مذاہب معاشرہ میں اہمیّت اختیار کرتا ہے اور جس کا ایک نئے منہج کے تحت آغاز ہوتا ہے۔ اس نئے منہج کو مظہریاتِ مذہب "Phenomenology of Religion" (Religionsphanomenologie) کہا جاتا ہے۔

اگرچہ ڈنمارک کے سکالر کین ٹی سوشے (Chantepie de la Saussaye) نے ۱۸۸۷ء میں اپنی کتاب "مظہریاتِ مذہب" "die Phanomenologie der Religion" لکھ کر "مظہریاتِ مذہب" کی اصطلاح پہلی مرتبہ استعمال کی۔ مگر اس موضوع پر ڈنمارک کے سکالر جیراڈس فان لیوؤ (Gerardus van der Leeuw) کا کام سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے اِس منہج کے تحت کتاب "Religion in Essence and Manifestation" تحریر کی، اور ۱۹۳۳ء میں شایع کی۔ اس کتاب کی اشاعت سے پرانی اصطلاح "تقابل ادیان" کی جگہ نئی اصطلاح "مظہریاتِ مذہب" عام ہونا شروع ہوئی۔ مغربی معاشرہ میں مطالعہِ مذہب کا یہ منہج "مذہب کا ہمدردانہ مطالعہ" (The Sympathetic Study of Religion) کا تأثر لیے ہوئے تھا۔ اس طرح فلسفہِ مظہریات (Phenomenology) کے اصولوں کی روشنی میں مذہب کو زیرِ مطالعہ لایا جاتا رہا۔ (۳۱)

۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء کے دوران ہونے والی ویٹی کن مجلس دوم (Vatican II) تک مظہریاتی منہج کے عروج کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد مکالمہ کا منہج متعارف ہو جاتا ہے۔

۴۔ مکالمہ اور مطالعہِ مذاہب پر اس کے اثرات

جس طرح حقیقت تک رسائی کے لیے دلایل و استدلال کے تاریخی طور پر کئی طرق جیسے تقابل، مظہریات اور جدلیات وغیرہ متداول ہیں، اسی طرح جدید سماجی علم (Social Science) میں "مکالمہ" بھی ایک طریقہِ استدلال کے طور پر متعارف ہوا ہے۔ اس طرح "مکالمہ" میں بنیادی طور پر مذہبی یا مسیحی رنگ نہیں پایا جاتا بلکہ مسیحیت نے اس طریقہ کو اپنایا ہے۔ یہ مکالمہ الٰہیاتی رسائی نہیں رکھتا ہے۔ چناں چہ یہ حقیقت کہ یہ ایک منہجِ استدلال ہے:

For some dialogue theory is not so much at theological approach to other religious traditions as an attempt to contact and get alongside others. for them it is a method rather than a theological approach.

Marfat.com

There is an element of truth in this.[۳۲]

مکالمہ کی بنیادیں تاریخی طور پر افلاطون کے ہاں ملتی ہیں، جس میں افلاطون اپنے استاد سقراط یا لوگوں کے ایک گروہ کے ساتھ مکالمہ یا گفتگو کر رہا ہوتا ہے:

Plato's method of doing philosophy was through dialogue, by talking with another person (usually Socrates) or group of people.[۳۳]

مکالماتی استدلال کے پیچھے جو فلسفہ پنہاں ہے وہ یہ ہے کہ اس طریقہ سے متعلقہ مسئلہ میں حق کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اس طریقہِ استدلال میں ایک مسئلہ یا کوئی بھی نظریہ رکھا جاتا ہے، پھر دوسرا شخص اس پر اظہار خیال کرتا ہے اس طریقے سے متعلقہ مسئلہ کے بارے میں آہستہ آہستہ حقیقت واضح ہوتی چلی جاتی ہے۔ افلاطون کے اس منہجِ بحث میں حقیقت تک رسائی کم ہی ہوتی ہے مگر اس کے باوجود متعلقہ مسئلہ کے بارے میں دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں، اسی طرح عقیدہ یا کسی اتھارٹی کی طرف سے پہلے سے قبول کی ہوئی رائے کی بجائے اشیا کی حقیقت کے بارے میں عقلی رسائی حاصل ہوتی ہے:

The idea was that we can use dialogue to search for the truth, about something. By putting up an idea, and someone responding to it, and then refining the idea in the light of that response, and hearing another response, we gradually progress towards the truth of whatever it is we are talking about in gradual stages and steps. Plato's dialogues rarely reach a firm conclusion, but this is not a problem, because it tells us something interesting about philosophy. It tells us that 'it is concerned with giving a rational account.....of the nature of things, as opposed to one accepted.....Purely on the basis of authority or faith, or tradition'.[۳۴]

اسی طرح مکالمہ کے بارے میں ڈگلس والٹن لکھتا ہے:

The intended use of dialogue theory was to provide a normative structure on which to ground methods for improving critical thinking skills, including writing skills and academic research skills, primarily in a university setting. But dialogue theory has all sorts of other potential uses.[۳۵]

یونانی تہذیب کے ساتھ ساتھ رومن تہذیب میں بھی مکالمہ کا رواج ملتا ہے۔ رومن تہذیب میں مکالمہ کی روایت کا آغاز پندرھویں صدی کے شروع میں ملتا ہے۔ مکالمہ کی یہ روایت رومن مدبر و فلسفی سسرو (Marcus Tullius Cicero) (م۔۴۳ق م) کے افکار اور اصول وضوابط پر مبنی تھی۔ اس

Marfat.com

سلسلہ میں سسرو کی کتاب ''De Oratore (On the Orator)'' سنگ میل کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہ روایت اگرچہ یونانی فلسفی افلاطون کی روایت سے مختلف تھی۔ اس طرح پندرھویں صدی کے بعد سسرو کے مکالمانہ اصول رواج پا گئے۔ (۳۶)

موجودہ دور میں رواج پانے والے مکالماتی طریقہ کار (Dialogical Methodology) کسی دینی روایت کی بجائے یونانی ورومن تہذیبوں کی روایت پائی جاتی ہے۔

آفاقی مذہب اور مطالعہِ مذاہب کے مغربی اہداف و مقاصد

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ مغرب کے ہاں مطالعہِ مذاہب کے مختلف مناہج رہے ہیں۔ مگر یہ تمام مناہجِ بحث مذہب کی بنیاد کسی مابعد الطبیعات اور معروضی ذرائع میں تلاش نہیں کرتے بلکہ خود انسان کی ذات اور اس کے معاشرہ کو اس کا منبع و مآخذ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح مذہب کی بنیاد انسان کی ذات سے باہر نہیں بلکہ خود انسان میں تلاش کرنی چاہیے۔

اس طرح یہ تمام مغربی مناہج اس بات پر متفق ہیں اور یہ بات مغربی اہداف و مقاصد میں سے ٹھہرتی ہے کہ تمام مذاہب کی مشترکہ تعلیمات کی بنیاد پر ایک آفاقی مذہب تشکیل دیا جائے۔ آفاقی مذہب کا مطلب یہ ہے کہ انسانی ترجیحات میں شامل عقیدہ، تصورِ آخرت، اور تزکیہ نفس وغیرہ کو ثانوی حیثیت دے کر اس دنیا کو ہی جنت بنانے کی طرف انسان کو مائل کیا جاسکے، اور اس خوبصورت دنیا کو درپیش دنیاوی مسائل جیسے غربت، بیروزگاری، انسانی حقوق اور ماحولیاتی مسائل وغیرہ کی طرف انسانیت کی توجہ مبذول کی جاسکے۔

الف۔ آفاقی مذہب اور آفاقی تہذیب کا تصور

نشاۃ ثانیہ کے بعد جو مغربی تہذہب پروان چڑھی، وہ اپنے دامن میں ایک آفاقی تہذیب (Universal Civilization) کا دعویٰ لیے ہوئے ہے۔ اسی دعویٰ کی بنیاد پر اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کے اپنے دورِ استعماریت (Colonialism) میں غیر مغربی تہذیبوں کے ساتھ کیے جانے والے استحصال کو عقلی و اخلاقی جواز فراہم کرتی ہے۔ مغربی تہذیب کا دعویٰ ہے کہ اس کی فکری بنیادیں اپنے دامن میں کسی خاص علاقہ، رنگ ونسل اور کسی خاص مذہب کے اوصاف نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی آفاقی اقدار و روایات لیے ہوئے ہے۔ اس لحاظ سے وہ استعمار کے ذریعے دنیا کو ''تہذیب'' سکھاتے

Marfat.com

ہوئے ان کی علاقائی اقدار وروایات اوران کے مذاہب کو آفاقی تہذیب میں سمونا چاہتی ہے۔تا کہ بنی نوع انسان اپنی اپنی علاقائیت (Localization) سے نکل کر عالمگیر اور آفاقی اقدار سے ہم کنار ہوسکے۔مغربی مفکر ہنٹنگ ٹن (Huntington) آفاقی تہذیب کے متعلّق لکھتا ہے:

The Idea implies general the cultural coming togather of humanity and the increasing acceptance of common values, beliefs, orientation, practices and institutions by peoples throughout the world. (۳۷)

وہ مزید لکھتا ہے:

The concept of a universal civilization is a distinctive product of Western Civilization. In the nineteenth century the idea of 'the white man's burdern' helped justify the extension of Western political and economic domination over non-Western societies. At the end of the twentieth century the concept of a universal civilization helps justify Western cultural dominance of other societies and the need for those societies to ape Western practices and institutions. Universalism is the ideology of the West for confrontation with non-Western cultures.(۳۸)

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ مغربی تہذیب آفاقی تہذیب کا دعویٰ لیے ہوئے ہے،تو اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ مغرب کا مطالعہِ مذاہب بھی یہی اہداف و مقاصد رکھتا ہے۔میکس ملر سے آج تک ہونے والا مطالعہِ مذہب کا فکری سفر یہی داستان اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔۱۸۹۳ء میں مذاہبِ عالم کی پارلی منٹ کی مباحث سے لے کر ویٹی کن مجلس دوم (Vatican II) کی دستاویزات تک اس پر شاہد ہے۔

ذیل میں میکس ملر کے نظریہ تقابل سے لےکر آج کے نظریہِ مکالمہ تک کے سفر کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

ب۔ میکس ملر کا آفاقی مذہب کا تصور

میکس ملر تقابلی لسانیات سے جو نتائج اخذ کرنا چاہتا ہے وہ بقول جان سٹون (Jon R. Stone) یہ ہیں کہ زبان کے مآخذوں کو نہیں بلکہ اصل زبان (die Ursprache) دریافت کرنا ہے۔ (۳۹)

اسی بات کی روشنی میں مطالعہِ تقابلِ ادیان کا مقصد بھی انسان کے اصل مذہب کی تلاش وجستجو قرار پاتا ہے،اور وہی اصلی مذہب مستقبل کا مذہب ہوگا،اور میکس ملر کے بقول یہی مذہب آفاقی مذہب

Marfat.com

(Universal Religion) کہلاتا ہے۔

۱۸۹۳ء میں ہونے والی مذاہبِ عالم کی کانفرنس (The Parliament of Religions) میں میکس ملر نے آفاقی مذہب کا جو خاکہ پیش کیا وہ کچھ یوں ہے:

Many people belonging to different religions had been thinking about a universal religion. (۴۰)

میکس ملر کہتا ہے کہ مستقبل کے مذہب کی بنیاد ایک ایسی طاقت پر ہوگی جس کو تمام مذاہب والے ہمارا باپ (Our Father) کہیں گے۔ تمام مذاہب کے شرکاء کی یہ مجلس اگرچہ ایسے کوئی مقصد حاصل نہیں کر سکی، جس طرح دہلی میں ہندوستانی شہنشاہ جلال الدین اکبر کے اپنے دربار میں تمام مذاہب کے شرکاء کی مجلس ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھنے میں کامیاب رہی تھی۔ جلال الدین اکبر کے دربار میں ہونے والی اس مجلس سے کم از کم یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ انسانیت کے لاشعور میں ایک قدیم اور آفاقی مذہب اپنا وجود رکھتا ہے:

There exists an ancient and universal religion. (۴۱)

میکس ملر کہتا ہے کہ آفاقی مذہب میں تمام مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان بھائی چارہ عام ہوگا۔ ایک دوسرے کے مذہب کے بارے میں آگاہی ہوگی۔ مشترکہ نماز میں مشترکہ طور پر شریک ہوسکیں گے، ایک دوسرے پر رحمتیں بھیج سکیں گے، اور آہستہ آہستہ مذاہب کے درمیان اختلافات غیر اہم ہوتے چلے جائیں گے۔

میکس ملر کے تقابلی لسانیات سے متعلق افکار اگرچہ قصۂ پارینہ ہو چکے ہیں مگر اس کے مستقبل کے آفاقی مذہب کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کیا جا رہا ہے۔

ج۔ کینٹ وَیل اسمتھ اور آفاقی مذہب

مستقبل کے اسی آفاقی مذہب کے تصور کے پس منظر میں کینٹ وَیل اسمتھ (Wilfred Cantwell Smith) مکالمہ کے طریقہ کار کو یوں بیان کرتا ہے کہ پہلے عیسائیت اور دیگر مذاہب کے درمیان ہونے والے مناظرہ جات میں دوسرے فریق کے لیے غیر شخصی انداز میں ضمیر غیر ذوی العقول ''وہ'' یعنی انگریزی لفظ ''It'' استعمال کیا جاتا تھا۔ عصر حاضر میں مکالمہ کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے مذہب کے حاملین کے لیے کم از کم ضمیر ذوی العقول ''They'' استعمال کی جائے یعنی ''اُن'' اور

Marfat.com

''ہم'' کا مرحلہ ہو۔ مکالمہ کا اگلا مرحلہ ضمائر کی روشنی میں یہ ہونا چاہیے کہ ''ہم'' ''آپ'' سے مخاطب ہوتے ہیں یا ''ہم'' ''آپ'' سے گفتگو کر رہے ہیں۔ اور مکالمہ کا آخری مرحلہ یہ ہونا چاہیے کہ جہاں ''ہم سب'' مل کر آپس میں ایک دوسرے سے ''اپنے'' بارے میں گفتگو کر رہے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی گلوبل تھیالوجی (Global Theology) ہے جس کی طرف تمام مذاہب کو مکالمہ کے ذریعے لایا جا رہا ہے۔ عالمی مذہب کا مطلب ہے کہ جب لوگ مکالمہ کے ذریعے ''ہم سب'' کے نکتہ پر آجائیں گے تو اس وقت عقیدہ اور دینیاتی مسایل وغیرہ کو ثانوی حیثیت دے کر اس خوبصورت دنیا کو درپیش دنیاوی مسائل جیسے غربت، بیروزگاری، انسانی حقوق اور ماحولیات وغیرہ پر انسانیت کی توجہ مبذول ہو جائے گی۔ [۴۲]

یہی وہ مقام ہے جہاں اختلاف بین المذاہب رفع ہو جاتا ہے۔ اور اسی کا نام نظریہ وحدتِ ادیان ہے، اور آج اسی کے فروغ کے لیے مغربی مفکرین کوشاں ہیں۔

۵۔ مکالمہ بین المذاہب، عیسائیت اور آفاقی مذہب

عیسائیت کی تاریخ میں ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء کے درمیان ہونے والی دوسری مذہبی مجلس جو ویٹی کن دوم (Vatican II) کے نام سے مشہور ہے، جہاں ایک طرف مکالماتی طریقِ کار کے ذریعے مطالعۂ مذاہب کے اصول وضوابط ملتے ہیں تو دوسری طرف مستقبل کے آفاقی مذہب کی طرف سفر کی داستان اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

ویٹی کن مجلس دوم کی تعلیمات سولہ دستاویزات یعنی چار منشور (Constitutions) نو فرمان (Decrees) اور تین اعلان (Declarations) پر مشتمل ہیں۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ ویٹی کن مجلس دوم سے قبل عیسائیت کا تاریخی طور پر یہ متفقہ عقیدہ رہا ہے کہ آخرت میں ''نجات'' کا دارومدار عیسائیت پر ہے، غیر نصرانی شخص نجات کا مستحق نہیں ہو سکتا:

Extra Ecclesiam nulla salus [۴۳]

(There is no salvation outside the Church)

''کلیسا کے باہر نجات ممکن نہیں''۔

مگر مجلس ویٹی کن دوم میں صورتِ حال بدل جاتی ہے اور اس مجلس کا اعلامیہ (Declaration on the Relation of the Church to Non-Christian Religions)

Marfat.com

جو عیسائیت کی موجودہ تاریخ میں "Nostra Aetate" کے نام سے جانا جاتا ہے جاری ہوا۔ عیسائیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس اعلامیہ کے مطابق یہ طے پایا کہ ''نجات'' عیسائیت کے باہر بھی ممکن ہے:

The Catholic Church rejects nothing of what is true and holy in these religions....

ان مذاہب میں جو کچھ سچ اور پاک ہے کیتھولک کلیسیا اسے ہرگز رد نہیں کرتی، وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ ان کی زندگی کے طریقے، ان کے اخلاق کے قواعد وعقائد اور ان کی تعلیم کا احترام کرتی ہے۔۔۔۔ کلیسیا اہل اسلام کو بھی عزت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ یہ تو اس واحد خدا کی تعظیم کرتے ہیں جو انسان سے ہم کلام ہوا۔ یہ اسے واجب الحیی اور واجب الوجود، رحمن ورحیم، قادر و مطلق، آسمان وزمین کا خالق تسلیم کرتے ہیں، اور دیانت داری کے ساتھ اس کے وہ احکام عمل میں لاتے ہیں جو محض بشری فہم وادراک سے بالکل باہر ہیں۔ اس بات میں یہ حضرت ابراہیم کی سی اطاعت پیش کرتے ہیں جس سے اہل اسلام اپنے ایمان کے مطابق تعلق رکھتے ہیں۔ اہل اسلام اگرچہ خداوند یسوع کی الوہیت سے منکر ہیں تاہم اسے نبی کا مرتبہ دیتے ہیں وہ یسوع کی کنواری ماں مریم کا بھی احترام کرتے ہیں۔ اور اکثر عقیدت مندانہ طور پر اسے یاد کرتے ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ وہ یوم قضا کے بھی منتظر ہیں، جب خدا تمام بنی نوع انسان کو مُردوں سے زندہ کرکے ان کے کاموں کے مطابق جزا دے گا۔ آخر کار یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ وہ اخلاقی زندگی کی قدر کرتے ہیں، اور خصوصاً نماز، زکاۃ اور روزوں سے خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ (۴۴،۴۵)

اسی طرح ویٹی کن مجلس دوم کی دوسری دستاویز جو "Lumen Gentium" کے نام سے جانی جاتی ہے اس دستاویز کی شق نمبر سولہ میں درج ہے:

But the plan of salvation also includes those who acknowledge the Creater, in the first place amongst whom are the moslims; these profess the faith of Abraham, and togather with us they adore the one, murciful God, mankind's judgeon the last day.(۴۶)

خالق و مالک کے ماننے والے بھی نجات کے منصوبے میں شامل ہین، خصوصاً اہل اسلام جو کہ اپنے اقرار سے ابراہیم کے ایمان میں قائم ہیں اور ہمارے ہمراہ اس واحد خدائے رحمان ورحیم کی پرستش کرتے ہیں جو یوم الآخر بنی نوع انسان کی عدالت کرے گا۔ (۴۷)

Marfat.com

ویٹی کن مجلس دوم سے مطالعہِ مذاہب کے متعلّق جو اہم بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ''حق'' ایک اضافی (Relative) چیز قرار پاتا ہے، کہ جب یہ کہا گیا کہ حق تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے تو پھر کسی مذہب کا باطل پر ہونا ممکن نہیں رہتا۔ چناں چہ اگر ''حق'' کو ایک اضافی (Relative) چیز قرار دیا جائے تو اس سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ نجات کے لیے قبولیتِ اسلام لازم نہیں ہے، اسی طرح یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ گویا اسلام ایک نامکمل دین ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی ذات میں نہ صرف مکمل ہے بلکہ ناسخ الادیان بھی ہے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ''حق'' کو اضافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی لحاظ سے عیسائیت کا بدلے میں اسلام سے یہ توقع رکھنا عبث ہوگا کہ وہ بھی ''حق'' کو اضافی قرار دے۔

اس طرح آج آفاقی مذہب کے لیے عیسائیت ہراول دستے (Herald) کا کام کر رہی ہے اور عیسائیت کے ذریعے ہی دیگر مذاہب کو اس منہجِ مکالمہ کی راغب کیا جا رہا ہے۔

حاصل بحث

مغرب میں مختلف ادوار میں مذاہب کے مطالعہ کے مختلف مناہج رہے ہیں۔ سائنسی علوم کے ماڈل پر تشکیل شدہ سماجی علوم کی کثرت اور تحقیقات میں وسعت و جدّت کی وجہ سے ایک ایک سماجی علم میں آج مطالعہِ مذاہب کے کئی مناہج متعارف ہو چکے ہیں۔ اس لحاظ سے نتائج فکر میں بھی شدید اختلافات سامنے آتے ہیں۔ مگر مطالعہِ مذاہب کے مختلف مناہج اور نتائج میں اختلافات کے باوجود مغربی مفکرین اس بات پر متفق ہیں اور یہ بات مغربی علمیات (Episteme) کے مسلمات میں سے ٹھہرتی ہے کہ مذہب ذریعہِ علم نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے ان کا مطالعہِ مذاہب وحی کے مبنی بر حقیقت ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ ایک سماجی مظہر کے طور پر ہوتا ہے۔

اس طرح مغرب کے مطالعہِ مذاہب میں الحاد و دہریت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ چناں چہ مغرب کے مطالعہِ مذاہب کے ماڈل پر اسلام کا دیگر مذاہب سے تقابل (Comparison) کا خیال زہرِ ہلاہل سے کم نہیں رہتا۔ اسی طرح اسلام کو دیگر مذاہب کے ساتھ ایک مظہریاتی (Phenomenological)، ارتقائی (Evolutionary) یا مکالماتی (Dialogical) زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھنا کسی طرح بھی کفر سے کم نہیں ٹھہرتا۔ کیوں کہ دین اسلام میں ایسے مطالعہِ مذہب کی فکری بنیادوں کا پایا جانا ہی مفقود ہے۔

یہ بات بھی ایک حقیقت کے طور پر سامنے آتی ہے کہ مغربی تہذیب کا علمیاتی منہاج اسلام

Marfat.com

کے فکری منہاج سے بالکل مختلف ہے اور دونوں مختلف راستوں کے حامل ہیں، کیوں کہ اسلام اقرارِ وحی اور اس کے ذریعہِ علم ہونے کا نام ہے جبکہ مغربی منہاج کی بنیاد انکارِ وحی پر ہے۔

❁ ❁ ❁

حوالے وحواشی

۱۔ Comte, Auguste, *The Positive Philosophy,* freely translated and condensed by Harriet Martineau, London: George Bell & Sons, 1886, 522.

۲۔ Mill, J. S., *Auguste Comte and Positivism: The Essential Writings,* Kessinger Publishing, New York, 5th edition, 2003, 25.

۳۔ Ward, Lester Frank, *Dynamic Sociology,* published by General Books, New York, 1883, I/ 86-87.

۴۔ Law, Vivien, *The History of Linguistics in Europe,* Cambridge University Press, Cambridge, 2003, 220-223

۵۔ Numaen, *Journal, Published by Brill,* Netherlands, 48/3, 2001, 290, 291

۶۔ Tisdall, Clair, W. St., *Comparative Religion,* Longmans, Green and Co., London, 1909, 15

۷۔ J.A. Simpson and E.S.C. Weiner, *The Oxford English Dictionary,* Clarendon Press, 1989, Vol. III, 591

۸۔ J.A. Simpson and E.S.C. Weiner, *The Oxford English Dictionary,* Clarendon Press, 1989, Vol. III, 592

۹۔ J.A. Simpson and E.S.C. Weiner, *The Oxford English Dictionary,* Clarendon Press, 1989, Vol. III, 591, 592

۱۰۔ J.A. Simpson and E.S.C. Weiner, *The Oxford English Dictionary,* Clarendon Press, 1989, Vol. III, 591

۱۱۔ J.A. Simpson and E.S.C. Weiner, *The Oxford English Dictionary,* Clarendon Press, 1989, Vol. III, 591

۱۲۔ J.A. Simpson and E.S.C. Weiner, *The Oxford English Dictionary,* Clarendon Press, 1989, Vol. III, 591

۱۳۔ Bhushan, B., *Anmol's Dictionary of Sociology,* Anmol Publications,

Marfat.com

New Delhi, India, 1989

۱۴۔ Jourdan, Henry, Louis, *Comparative Religion: Its Origin and Outlook, A Lecture,* Oxford University Press, London, 1913, 14

۱۵۔ Muller, Max, *The Science of Religion: Lecture One, in The Essential Max Muller,* Palgrave, UK., 110

۱۶۔ *Encyclopaedia of Social Sciences,* Macmillan, USA, 1950, Vol. III, 132

۱۷۔ Muller, Max, *The Science of Religion: Lecture One, in The Essential Max Muller,* 112

۱۸۔ Muller, Max, *Science of Religion: A Retrospect, in The Essential Max Muller,* 354

۱۹۔ Muller, Max, "The Science of Religion: Lecture One," in *The Essential Max Muller,* 113-114.

۲۰۔ Hinnels, J. R., "The Penguin Dictionary of Religions," Penguin, London, in Insoll, Timothy, *Archaeology , Ritual, Religion,* Routledge, Londion, 2004, 36.

۲۱۔ Hinnels, J. R., *"The Penguin Dictionary of Religions,"* Penguin, London, in Insoll, Timothy, *Archaeology , Ritual, Religion,* Routledge, Londion, 2004, 36.

۲۲۔ Connoly, Peter, *Approaches to the Study of Religion,* Continuum, London, 1999, 16.

۲۳۔ Segal, Robert, A., "In Defence of the Comparative Method," in *Numen Journal,* published by Brill, 2001 48/3, 346-348.

۲۴۔ محمد اکرام چغتائی وغیرہ (مرتبین)، تشریحی لغت، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ۲۹۷۔

۲۵۔ انصاری، جاوید اکبر، مغربی تہذیب :ایک معاصرانہ تجزیہ، شیخ زاید اسلامک سنٹر، لاہور، ۲۰۰۲ء، ۶۳، ۶۶۔

۲۶۔ قیصر الاسلام، قاضی، تاریخ فلسفۂ مغرب، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۲ /۷۹۔

۲۷۔ قیصر الاسلام، قاضی، تاریخ فلسفۂ مغرب، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۲/۷۹۔

۲۸۔ Bhushan, B., *Anmol's Dictionary of Sociology,* Anmol Publications New Delhi, India, 1989.

۲۹۔ قیصر الاسلام، قاضی، تاریخ فلسفۂ مغرب، ۲/۱۳۹، ۱۴۱۔

۳۰۔ دیکھیے: قادر، سی، اے، کشاف اصطلات فلسفہ ، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۴ء، ۳۳۴۔

Marfat.com

۳۱۔ مظہریاتی منہاج کے لیے دیکھیے: محمد اکرام چغتائی وغیرہ (مرتبین)، تشریحی لغت، ۲۹۷۔
نیز قیصر الاسلام، قاضی، تاریخ فلسفہِ مغرب، ۲/۱۳۴۔۱۳۷۔

۳۲۔ Connoly, Peter, (editor), *Approaches to the Study of Religion,* Continuum, London, 1999, 251.

۳۳۔ Connoly, Peter, (editor), *Approaches to the Study of Religion,* 114.

۳۴۔ Connoly, Peter, (editor), *Approaches to the Study of Religion,* 114.

۳۵۔ Walton, Douglas, The Place of Dialogue Theory in Logic, Computer Science and Communication Studies, in *Synthese journal,* issue no. 123, 2000, 327-346, Kluwer Academic Publishers, Netherlands.

۳۶۔ Black, Robert, The Philosopher and Renaissance Culture, in Hankins, James, (Editor), *The Companion to Renaissance Philosophy,* Cambridge University Press, 2007, 26.

۳۷۔ Huntington, Samuel, P., *The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order,* The Touchstone, Book, New York, 56-64.

۳۸۔ Huntington, Samuel, P., *The Clash of Civilizations,* 66.

۳۹۔ Stone Jon, R., (Editor) "Introduction," in *The Essential Max Muller,* 13.

۴۰۔ Muller, Max, "Science of Religion: A Retrospect," in *The Essential Max Muller,* 356.

۴۱۔ Muller, Max, "Science of Religion: A Retrospect," in *The Essential Max Muller,* 356.

۴۲۔ Ambler, R., *Global Theology: the Meaning of Faith in the Present World Crisis,* Trinity Pres, London, 1990.

۴۳۔ Francis A. Sullivan, *Salvation Outdside the Church,* New York: Paulist Press, 1992, 18.

۴۴۔ حمید ہنری (مترجم)، ویٹی کن مجلس دوم، مکتبہ عناویم پاکستان، گوجرانوالہ، ۵۶۱، ۵۶۲۔

۴۵۔ Flannery, Austin, (General Editor), *Vatican Council II, The Conciliar and Post Conciliar Documents,* New Delhi, 2004, 653.

۴۶۔ Flannery, Austin, (General Editor), *Vatican Council II, The Conciliar and Post Conciliar Documents,* New Delhi, 2004, 335.

۴۷۔ حمید ہنری (مترجم)، ویٹی کن مجلس دوم، مکتبہ عناویم پاکستان، گوجرانوالہ، ۴۶۔

Marfat.com

سید محمد سلیمان سلمان منصور پوری اور مطالعۂ مذاہب

ڈاکٹر ساجد اسد اللہ *

برصغیر پاک و ہند کو ہندو مت، بدھ مت، جین مت اور سکھ مت کی جنم بھومی ہونے کے ناطے مطالعہ ادیان میں خاص اہمیّت حاصل ہے۔ نیز اس سرزمین پر اجنبی حیثیت سے وارد ہونے والے چار مذاہب یہودیت، زرتشت، مسیحیت اور اسلام کا یہاں کی مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی تاریخ میں کردار نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں کے قدیم مقدس ادب کے ساتھ ساتھ جدید مذہبی تحریریں مطالعہ مذاہب میں خصوصی مقام رکھتی ہیں۔ برطانوی ہند میں باہمی بحث و مباحثہ، مناظرہ اور مجادلہ پر مبنی مسلم، مسیحی، آریہ سماج اور قادیانی (جو اس وقت تک غیر مسلم قرار نہیں پائے تھے) تحریریں اس جدید ادب کا اہم حصّہ ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں برطانوی ہند میں مسیحی منادین کے تبشیری لٹریچر اور آر[illegible] سماج ک[illegible] مخاصمانہ تحریروں میں اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن پر نقد سے مذہبی ادب میں نئے مناظران[illegible]ب و کلامی مباحث کا آغاز ہوا۔ ان میں پیش کردہ اعتراضات و اشکالات کے جواب میں مسلم علماء کی طرف سے توضیحی و تردیدی کے ساتھ ساتھ الزامی اور تنقیدی کتب منظر عام پر آئیں۔ ردعمل میں لکھی جانے والی یہ تحریریں، باستثنائے چند، زیادہ تر تعاقب اور مناظرانہ اسلوب کی ہی حامل ہیں۔ اس رجحان کو اس دور کا مطالعہ تقابل ادیان قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اسی عہد میں مطالعہ مذاہب کی مقتدر شخصیات میں سے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی شخصیت ایک ایسی ہستی ہے جس کی فکر اور اسلوب ایک الگ دبستان کی حامل ہے۔ [1]

---

* لیکچرر، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، سمندری، ضلع فیصل آباد

Marfat.com

ہندوستان پر برطانوی عملداری (۱۸۵۷ء) کے ایک عشرہ بعد، سید محمد سلیمان سلمان ۱۸۶۷ء/۱۲۸۴ھ میں مخلوط ہندو مسلم تہذیب و معاشرت کی حامل (سابق سکھ ریاست) پٹیالہ کے ایک متدین و متمول مسلم گھرانہ میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ماجد قاضی احمد شاہ (۱۹۱۰ء) دین دار اور صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔آپ نے ہمیشہ دینی و عصری تعلیم میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔یہ امر قابل ذکر ہے کہ قاضی محمد سلیمان ۱۸۸۴ء۔۱۸۸۵ء میں منشی فاضل کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں اول آئے۔(۲)

بعدازاں ریاست پٹیالہ کے مختلف محکموں تعلیم، مال اور دیوانی میں کلیدی حیثیت سے کام کرتے رہے۔عمر کی بہاریں دیکھنے کے بعد آپ ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء/ یکم محرم الحرام ۱۳۴۹ھ کو دوسری بار حج بیت اللہ سے واپسی پر بحری جہاز میں انتقال کر گئے۔رفیق سفر سید محمد اسماعیل غزنوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور شرع کے مطابق جسد خاکی کو تختہ پر رکھ کر مقام یلملم (حدود حرم جہاں سے عازمین حج بحالت احرام ہوتے ہیں) کے قریب سطح بحر پر چھوڑ دیا گیا۔(۳)

دراز قامت، متناسب الاعضاء، گورا رنگ، نورانی چہرہ، ستواں ناک، پیشانی چوڑی اور داڑھی گھنی، جو دور آخر میں سفید ہو کر اور بھی خوبصورت لگتی تھی، قاضی صاحب کی شخصیت کو بارعب بنا دیتی تھی۔

صاحب علم و عمل، محافظ دین و شریعت، حامل سیرت و کردار، ماہر قلم و قرطاس، سلفی المشرب قاضی محمد سلیمان کی شخصیت ایک قاموسی درجے کی ہے۔ایک مفسر، محدث، مؤرخ، محقق، مصنف، قانون دان، ماہر تقابل ادیان، شیریں کلام مقرر، شاعر، داعی، مناظر اور سفر نامہ نگار کی حیثیت سے ان کے متنوع کارنامے قبولیت عامہ حاصل کر چکے ہیں۔

آپ کی تصنیف رحمۃ للعالمین پر درج ذیل تبصرہ آپ کی ہر تحریر پر صادق آتا ہے:

قدم قدم پر وسعت مطالعہ، ورق ورق پر حقائق کا انبار، سطر سطر میں نقد و درایت، لفظ لفظ میں زور استدلال، ہر حوالے میں حزم و احتیاط، ہر پیراگراف میں استخراج و نتائج اور ہر مقام پر اسلوب کی سادگی اور قلم کی کرشمہ سازیوں کا اعجاز دکھائی دیتا ہے۔اس ایک کتاب کی تحریر میں کئی کتاب خانے خرچ ہو گئے ہیں۔اسلامی ادبیات کے علاوہ قدیم صحف سماوی اور غیر آسمانی مذہبی کتابوں سے اخذ و استفادہ اور مقابلہ و محاکمہ کا منظر دکھائی دیتا ہے۔(۴)

قاضی صاحب کی تحریر متنوع لیکن تنقید سے بالاتر تقابلی اسلوب کی حامل ہوتی۔آپ کی

Marfat.com

کتب، مقالات، خطبات ومکتوبات اور تراجم میں سے نمایاں تر یہ ہیں۔

☆ اصحاب بدر (شرکائے غزوہ بدر کا تذکرہ) (مارچ ۱۹۳۰ء)

☆ تاریخ المشاہیر (پچاس مشاہیر اسلام پر ہفت روزہ ''وکیل'' میں شائع شدہ مضامین کا مجموعہ، طبع ۱۹۲۹ء)

☆ الجمال والکمال (سورۃ یوسف کی دل نشین تفسیر جو پہلی دفعہ حج کے موقع پر جون۔ اگست ۱۹۲۱ء (قیام مکہ کے دوران تحریر فرمائی)

☆ خطبات سلمان (دس تحریری خطبات، طبع، ۱۹۳۸ء)

☆ سبیل الرشاد، سفر نامہ حجاز (۱۹۲۱ء میں سفر حج کا تاریخ واحکامات سے لبریز معلومات کا مرقع، طبع ۱۹۲۴ء)

☆ الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ (امام ابن قیم کی جلاء الافہام فی الصلوۃ والسلام علی خیر الانام کا اردو ترجمہ، امرتسر)

☆ مسح علی الجوربین (علامہ جمال الدین قاسمی کے رسالہ کا اردو ترجمہ محبوب المطابع دہلی)

☆ معارف السماء شرح اسماء اللہ الحسنی (اسماء الحسنیٰ کی عمدہ تشریح، طبع ۱۹۳۰ء)

☆ مہر نبوت (اختصار وجامعیت کی مرقع سیرت نبوی، ۱۸۹۹ء)

جب کہ خصوصاً تقابل ادیان کے اسلوب کی حامل تحریریں درج ذیل ہیں۔

استقامت (۱۹۰۶ء) ایک روز قاضی کو دفتر کے راستے میں ایک صاحب کا خط ملا کہ اگر مجھے تسلی بخش جواب نہ ملا تو میں عیسائی ہو جاؤں گا۔ آپ واپس گھر آئے اور آدھ گھنٹے میں یہ جواب تحریر فرما کر سپرد ڈاک کیا اور پھر واپس دفتر پہنچے۔ جواب پڑھ کر ان صاحب کو شرح صدر ہو گیا اور پوری استقامت سے اسلام کے منادو واعظ بن گئے۔

برہان (۱۹۱۴ء) یہ بلوچستان سے تعلق رکھنے والے ایک پادری صاحب کے خط کا جواب ہے جسے پڑھ کر پادری صاحب مسلمان ہو گئے تھے۔[۵] تفصیل آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

رحمۃ للعالمین: (جلد اول: ۱۹۱۲ء، جلد دوم: ۱۹۲۱ء، جلد سوم: ۱۹۳۳ء) رحمۃ للعالمین کو برصغیر کے سیرتی ادب میں منفرد مقام حاصل ہے۔ یوں تو ساری کتاب ہی دیگر مذاہب کے تذکرہ سے مملو ہے لیکن جلد سوم کا اسلوب خاص طور پر تقابلی ہے جس میں دیگر مذاہب اور ان کی

Marfat.com

تعلیمات کا اسلام اور سیرت النبی کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے۔ اس سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی نہ صرف امتیازی خصوصیات سامنے آتی ہیں بلکہ کسی پیغمبر یا مقدس ہستی کی تنقیص کیے بغیر آپ کی فضلیت بھی آشکار ہوتی ہے۔ اس طرز پر کم از کم اردو زبان میں قبل ازیں سیرت النبی پر قلم نہیں اٹھایا گیا تھا یہ حصہ ان کی وفات کے بعد ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔ مقدمہ میں سید سلیمان ندوی (۱۹۵۳ء) رقم طراز ہیں:

مصنف (قاضی صاحب) کے ذوق کے مطابق سوانح اور واقعات کے ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے صحائف آسمانی کے ساتھ موازنہ اور خصوصیت سے یہود و نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال بھی اس میں جابجا موجود ہے۔ مصنف مرحوم کو توراۃ و انجیل پر کمال عبور حاصل تھا اور عیسائیوں کے مناظرانہ پہلوؤں سے اس کو پوری واقفیت۔ اسی بنا پر ان کی یہ کتاب ان معلومات کا پورا خزانہ ہے۔ (۶)

مضامین سلمان المعروف سید البشر (یہ تقابل ادیان کے اسلوب پر چار تقاریر کا مجموعہ ہے جو قاضی صاحب نے کسی زمانے میں مسلسل چار دن امرتسر کے ایم اے او ہائی سکول میں کی تھیں اور پھر انھیں کتابی شکل میں شائع کیا گیا تھا (طارق اکیڈمی، فیصل آباد)

غایت المرام (طبع ۱۸۹۳ء) (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۸ء) فتح اسلام، توضیح المرام اور ازالہ اوہام کے جواب میں قاضی صاحب کی اکیس برس کی عمر میں اولین تفصیلی تحریر۔ قاضی صاحب سے جب غایت المرام کے لکھنے کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا تھا کہ: ایک روز نماز جمعہ کے بعد میرے دل میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ مرزا قادیانی کے متعلق ایک کتاب لکھی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کا مضمون بھی ذہن میں آ گیا اور یہ بھی یقین ہوگیا کہ کوئی شخص اس کا جواب نہیں دے سکے گا۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے فرمایا کہ میں پوری تحدی سے کہتا ہوں کہ مرزا قادیانی حج نہیں کر سکے گا۔ (۷)

تائید الاسلام (غایت المرام کا دوسرا حصہ، طبع ۱۸۹۸ء)

اس کے علاوہ مسیحیت پر ''انجیلوں میں خدا کا بیٹا (ابن اللہ پر ایک وقیع علمی بحث) اور ''ایک عرض کا جواب'' آپ کی یادگار ہیں۔ قاضی صاحب کی تحریروں میں اسلام کے ساتھ ساتھ غالب ذکر اگرچہ مسیحیت اور ہندومت کا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کو یہودیت، عیسائیت، بدھ مت،

Marfat.com

ہندومت، پارسی اور سکھ مت کے مقدس ادب پر عبور حاصل تھا۔ یہودیت اور مسیحیت میں درک پر آپ کی تحریروں کے صدہا صفحات شاہد عدل ہیں۔ صرف ایک مقام ملاحظہ ہو جہاں قاضی صاحب قرآن اور بائبل کا تقابل کرتے ہیں:

بائبل کو دیکھو کہ یہ موسیٰ، یشوع، مصنف، قاضیوں، سمویل، مصنف سلاطین، مصنف تواریخ، عذرا نحمیا۔ مصنف کتاب روت، مصنف کتاب آستر، ایوب، داؤد صاحب زبور، سلیمان صاحب امثال وغزل الغزلات، واعظ، یسعیاہ، یرمیاہ، حزقی ایل، دانی ایل، ہوسیع، یوایل، عاموس، عبدیاہ، یونا، میکہ، نحوم، حبقوق، صفنیاہ حجی، زکریا، ملاکی کے الہامات یا تصنیفات کا مجموعہ ہے۔ علی ہذا انجیلوں کو دیکھو کہ متی، مرقس، لوقا مع اعمال، یوحنا، پولوس، یعقوب، پطرس، یوحنا شاگردان مسیح کے علمی کارنامے ہیں۔ مگر قرآن مجید کا مبلغ اول اور معلم نخستین صرف ایک ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس صحیفہ کا خود اسی کے ذریعے آغاز اور اسی کے ذریعے اختتام ہو جاتا ہے اور بایں ہمہ یہ مصحف مقدس اپنے مضامین میں مکمل، اپنی تبلیغ میں کامل، دعوت الی اللہ میں یگانہ، رشد و ہدایت اور نور و رحمت میں وحید و یکتا ہے اور اپنے موضوع و مفہوم کے اتمام میں دوسری کتاب کو احتیاج مند نہیں، حالانکہ رگ وید یجر وید، سام وید کا اور اتھر وید ان تینوں کا محتاج ہے۔ نئے عہد نامہ کی تکمیل پرانے کے بغیر نہیں ہوتی اور کتاب اعمال کے بغیر اناجیل اربعہ کے مضامین ناقص رہ جاتے ہیں۔ حواریوں کے خطوط اتنے ہی ضروری ہیں جیسا کہ خود اناجیل۔ (۸)

پارسی مذہبی ادب کے متعلّق قاضی صاحب رقم طراز ہیں:

اب پارسیوں کی کتاب کا حال سنو۔ ایرانی قوم بڑی قدیم قوم ہے۔ ان کی کتابیں بھی موجود ہوں گی لیکن کتاب ژند زرتشت کے عہد سے بھی پہلے نادرالوجود ہو چکی تھی۔ کہتے ہیں کہ ژند کے پچیس باب تھے اور اب صرف انیسواں "دندیداز" پایا جاتا ہے۔ ژند کے بعد اس کا درجہ پاژند نے حاصل کر لیا۔ لیکن سکندر ماکڈونی کی فتح ایران کے بعد وہ بھی عنقا ہو گئی۔ سکندر کے بعد ۳۰۰ سال تک طوائف الملوکی رہی اور مذہبی حالت بھی بہت خراب تھی۔ جب اردشیر بابکان ایران کا بادشاہ بنا تب ژند و پاژند کی جگہ دساتیر لکھی گئی اور اسی کو آسمانی کتاب کا درجہ دیا گیا۔ لیکن جب مانی نے اپنا مذہب چلایا تب دساتیر کو بھی ختم کر دیا گیا۔ مانی کے بعد مزدک نے اپنا مذہب ایجاد کیا اور اس نے پارسیوں کی مذہبی کتابوں کو اچھی طرح سے تباہ اور

Marfat.com

نابود کر دیا۔ یہ سب واقعات اسلام سے پہلے کے ہیں دساتیر کے متعلق اہل تحقیق کا بیان ہے کہ وہ صرف دعاؤں کا مجموعہ ہے صبح وشام کو پڑھے جانے والی دعائیں اس میں درج ہیں۔ (۹)

اسی طرح ہندومت کے مذہبی کتاب وید کے بارے میں لکھتے ہیں:

ہندوستان میں نہایت قدیم کتاب ''وید'' سمجھی جاتی ہے وید کی عزت کو آریہ اور سناتن دھرمی دونوں تسلیم کرتے ہیں۔ اس اجمالی اقرار عظمت کے بعد آریہ اور سناتن دھرمیوں کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ آریہ کہتے ہیں کہ وید صرف منتر بھاگ ہے۔ سناتن دھرمی کہتے ہیں کہ برہمن بھاگ بھی اصلی وید ہے اور برہمن بھاگ اپنے حجم کے اعتبار سے منتر بھاگ سے دوچند زیادہ ہیں۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ وید کو ماننے والی قومیں یا تو حصہ وید کو اصل سے خارج کر رہی ہیں یا ۲/۳ حصہ حجم کو وید اصلی میں داخل کر رہی ہیں...... زمانہ حاضرہ میں سب ہندو کہتے ہیں کہ وید چار ہیں مگر منوجی مہاراج کی سمرتی میں صرف تین وید رگ، یجر، سام کا نام آتا ہے چوتھے وید اتھروید کا نام نہیں آتا۔ سنسکرت کی اور بھی قدیم ترین کتابیں ایسی ہیں جن میں یہی تین نام پائے جاتے ہیں لیکن بعض پرانی کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں قریباً کتابوں پر اسم وید کا استعمال کیا گیا ہے۔ (۱۰)

آپ نے سکھ مت کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب باقاعدہ ایک گیانی جی سے پڑھی تھی۔ اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

ایک سکھ گیانی جی، قاضی صاحب کو اپنی مذہبی کتان گرنتھ صاحب پڑھاتے ہیں۔ قاضی صاحب ان سے گرنتھ صاحب پڑھتے ہیں اور ساتھ ساتھ ان مقامات کا جہاں توحید کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں بیان شدہ توحید سے تقابل کرتے جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس وقت قاضی صاحب گرنتھ صاحب ختم کرتے ہیں اسی وقت وہ گیانی جی ان کے طرز تخاطب سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ (۱۱)

اسی طرح آپ کے مطالعہ بدھ مت پر ذیل کا واقعہ شاہد عدل ہے۔

پروفیسر محمد ظہور الدین احمد کا تعلق بمبئی سے تھا۔ وہ قاضی صاحب سے بے حد متاثر تھے اور کثیر المطالعہ شخص تھے۔ ایک دفعہ انہیں بدھ مت کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور اس موضوع کی تمام

Marfat.com

کتابیں پڑھ ڈالیں۔ پھر معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اس مذہب کو قبول کرنے پر تیار ہو گئے۔ اسی اثنا میں قاضی صاحب کی خدمت میں حاضری دی تو دوران گفتگو میں قاضی صاحب نے بدھ مت کی حقیقت بیان فرمانا شروع کر دی اور علمی و عقلی انداز میں اس مذہب پر اس طرح گفتگو کی کہ پروفیسر ظہور الدین احمد کی تمام غلط فہمیاں رفع ہو گئیں۔ [۱۲]

قاضی صاحب کے عہد میں مطالعہ مذاہب میں جو مناظرانہ رنگ غالب تھا، اس میں ایک دوسرے کے مذہب کو تحقیر آمیز تذکرہ کرتے ہوئے باطل ٹھہرایا جاتا۔ آپ نے تحقیر و تضحیک پر مبنی مناظرانہ رویے کی بجائے مخاطب کا شخصی احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے علمی و فکری سطح پر تقابلی تجزیہ کا اسلوب اپنایا جس میں آپ کے مدنظر کا اصول کارفرما تھا۔ آپ کے اسلوب کو دعوت اسلام بذریعہ تقابل مذاہب قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ کے مدنظر تقابل مذاہب کا دوسرا پہلو دفاع اسلام تھا جس میں انہوں نے معترضین کا سوالات کا تجزیہ مخاطب کے مذہبی اصولوں اور اس کے مقدس ادب کی روشنی میں کیا اور آپ کا اسلوب اس قدر معقول ہوتا کہ مخاطب کو تسلیم کیے بنا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اس کا اظہار آپ کے رسائل "استقامت"، برہان" اور غازی محمود دھرم پال صاحب [۱۳] کے جوابات ہیں جن میں مخاطب کے سامنے اسلام اور دوسرے مذاہب کی تعلیمات کا تقابل کرتے ہوئے دفاع اسلام میں قلم اٹھایا گیا ہے۔ مثلاً

> برہان قاضی صاحب کا ایک خط ہے جو آپ نے ایک پادری صاحب کے خط کے جواب میں دسمبر بمقام بٹھنڈہ تحریر کیا تھا۔ پادری صاحب نے یہ خط پرچہ "المسلم" [۱۴] میں قاضی صاحب کی تحریر پڑھ کر لکھا تھا۔ پادری صاحب نے متانت و علمی اسلوب کی حامل تحریر میں اپنے کچھ اشکالات پیش کیے۔ [۱۵]

قاضی صاحب نے پادری صاحب کا مکمل خط بدون اسم نقل کیا ہے۔ پھر اس میں پوچھے گئے سوالات کے جواب تحریر فرمائے ہیں۔ قاضی صاحب نے افضلیت کے معیار مقرر کیے اور بائبل سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا موازنہ کیا۔ اس تقابل کی خوبی یہ ہے کہ اسے الزامی نہیں کہا جا سکتا بلکہ قاضی صاحب نے اپنے مزاج کے مطابق تفہیمی اسلوب اپنایا ہے۔ اسی طرح اناجیل کا قرآن کے ساتھ بدلائل موازنہ کرتے ہوئے ان کی حیثیت کا تعین کیا ہے:

Marfat.com

ہم کو بزرگ لوقا کا مشکور ہونا چاہیے کہ انہوں نے بتلایا کہ جو روایت ان تک پہنچی اسے اول بزرگ لوقا نے صحیح طور پر دریافت کیا اور پھر ترتیب دیا۔ اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ ان انجیلوں کا درجہ ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا مسلمانوں میں کتب احادیث کا ہے۔ کیونکہ وہ بھی عالموں نے روایت سے بیان کی ہیں۔ البتہ احادیث کا درجہ اس لیے بالاتر رہے گا کہ انہوں نے روایت کے ساتھ ساتھ راویوں کا سلسلہ بھی بیان کر دیا ہے۔ اور ہر راوی کی لائف بھی بیان کی ہے اور ان اصول کو بھی بیان کر دیا ہے جن پر مصنف نے اپنی دریافت کے وقت عمل کیا تھا۔ (۱۶)

مصنف یہ بات واضح کر دیتے ہیں:

میرا مدعا خدانخواستہ اس جگہ اناجیل اربعہ میں سے کسی انجیل کی وقعت کے خلاف کچھ کہنے کا نہیں کیونکہ یہ میرا اشعار ہی نہیں۔ (۱۷)

قاضی صاحب کی یہ تحریر مکالمہ بین المذاہب کا اسلوب متعین کرتی ہیں کہ متانت اور سنجیدگی کا دامن تھامے، فریق مخالف کی دل آزاری سے پہلو بچا کر اور ماحول کو تنفر و تعصب سے کبیدہ خاطر کیے بغیر بھی علمی و تحقیقی مکالمہ ممکن ہے۔ اگر تحقیق کا یہی معیار طرفین کی جانب سے اپنایا جاتا تو برصغیر کے مسلم مسیحی مکالمہ کا رنگ دیگر ہوتا جس کے مثبت اثرات سے دونوں مذاہب کے پیروکار مستفید ہوتے اور انسانیت کی خاطر خواہ خدمت ہوتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے مہذب دور میں باہم پڑوسی فریق اسی قسم کا رویہ اپنائیں اور ایسے رویہ کی لازماً حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

جب قاضی صاحب نے رحمۃ للعالمین تحریر کی اس وقت جذبات کی حدت نمایاں اور سیاسی طور پر غالب مسیحی فریق کے طرز تکلم میں معقولیت کے عنصر کا فقدان تھا۔ عہد متذکرہ میں معترضین کی طرف سے نقد اسلام کا محور زیادہ تر قرآن اور صاحب قرآن کی ذات گرامی تھی۔ قاضی صاحب نے اس میں زیادہ تر بائبل اور ویدوں سے استشہاد کرتے ہوئے معترضین کی آراء کا عقلی و نقلی جائزہ لیا ہے۔

قاضی محمد اسلم سیف رقم طراز ہیں:

کتاب (رحمۃ للعالمین) کا یہ پہلو کتنا تابناک ہے کہ مرحوم قاضی سلیمان منصور پوری نے توریت، اناجیل اربعہ اور ویدوں کا وسیع مطالعہ کر کے تقابلی جائزہ بھی فرمایا ہے اور ہر ہر مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی عظمتوں کو واضح فرمایا ہے۔ (۱۸)

ایک اہم امر کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ سرسید احمد خاں (خطبات احمدیہ)، علامہ شبلی

Marfat.com

نعمانی (سیرت النبی) اور قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنے اپنے انداز میں سیرت نبوی پر اتہام و الزامات اور اعتراضات و اشکال دور کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔ سرسید اور قاضی صاحب میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان کا مخاطب تعلیم یافتہ وہ طبقہ ہے جو مغرب کے علمی تفوق و تقدم سے مرعوب بلکہ کسی قدر احساس کمتری میں مبتلا تھا۔ جس کے لیے مستند اسلامی مصادر کی نسبت غیر مذاہب یا مغربی مفکرین کی آراء زیادہ تاثیر رکھتی تھیں۔ چنانچہ سرسید نے مستشرقین کی آراء نقل کر کے اپنا مقدمہ پیش کیا ہے۔ جب کہ قاضی صاحب نے تعلیمات بائبل کا اسلامی تعلیمات سے تقابل کیا ہے اور بہت کم مغربی آراء پیش کی ہیں۔ ان کے طرز استدلال سے صرف بائبل کے مضامین و مطالب میں گہرا فہم و ادراک ہی سامنے نہیں آتا بلکہ یہ بھی کہ اس ادراک کو مثبت انداز میں استعمال میں لانے کا ان کو کتنا ملکہ ہے۔ مذہبی تقابل میں کہیں بھی تہذیب اور مذاق سلیم کو حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا۔ مناظرانہ اسلوب کی بجائے مصنف اپنی معروضات پر قاری کو دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں اور اس پر اپنی رائے ٹھونسنے کا طریق اختیار نہیں کرتے۔ یہ ان کے حقانیت دعوٰی اور قوت استدلال پر اپنے تیقن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کا ایک اہم پہلو وسعت مطالعہ اور مستند حوالہ جات ہیں جس میں رطب و یابس یا کمزور روایات کو دخل نہیں۔

مختلف مذاہب اور ان کے نام کے حوالے سے قاضی اظہار خیال کرتے ہیں:

یہودی: یہود بن یعقوب علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ اس شاخ میں فلسطین کی حکومت مدتوں جاری رہی۔ اس لیے یعقوب علیہ السلام کے دوسرے گیارہ بیٹوں کی اولاد بھی خود کو اسی شاہی نسل کے ساتھ منسلک کرنے کے لیے یہودی کہلانے لگی۔

عیسائی: حضرت عیسی علیہ السلام کے نام کی طرف اور نصرانی حضرت مسیح کے گاؤں ناصرہ کی طرف نسبت کا اظہار ہے۔

سناتن دھرم یا مذہب قدیم۔ کسی قدامت تاریخی کے ظاہر کرنے کے لیے رکھا گیا ہے آریہ کے لفظ پر مؤرخین نے علمی مبحث کیے ہیں۔ ایزج اور ایران کے ساتھ ان کا سلسلہ قدامت جا ملا ہے۔ مہرشی دیانند سرستی جی نے سرسوتی کی ندی سے (گجرات پنجاب کے مغرب میں بتایا ہے) نیپال کی مشرقی ندی تک اور سمندر تک کے رقبہ کے نام آریہ درت رکھا ہے یہاں کے باشندے آریہ ہیں۔

زرتشتی: حضرت زرتشت کی طرف منسوب ہیں۔ ان ملکی اور شخصی نسبتوں پر غور کرو کہ اصل مذہب کا نام

Marfat.com

کسی کے پاس موجود نہیں اسلام: اپنے لیے خود اپنا نام رکھتا ہے اور اس کا نام ہی اس کا کام بتاتا ہے۔ ''صلح عام''، امن محکم ''محبت تام۔''

آپ کا ایک انداز یہ ہے کہ عبادات و شعائر کا ذکر کرتے ہوئے اس کا دیگر مذاہب سے ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ مثلاً اسلام میں قربانی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

قربانی کی رسم نہایت قدیم ہے۔ قابیل نے بھیڑ کی قربانی کی اس کا ذکر کتاب پیدائش ۴/۴ میں اور قرآن میں موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کا ذکر کتاب پیدائش ۱۷/۶ میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہود میں قربانیوں کی نہایت کثرت تھی۔ ان کے ہاں قربانی کی تین قسمیں تھیں قربانی سوختنی: اس کا تمام گوشت جلا دیا جاتا تھا کھال کاہن پہن لیتا تھا، قربانی کفارہ کچھ حصّہ جلا دیا جاتا تھا باقی کاہن کھا سکتے تھے۔ قربانی سلامتی: اس کا گوشت سب کھا سکتے تھے...... عیسائیوں میں قربانی کی رسم تو قائم ہے مگر انہوں نے شکل کو پلٹ دیا۔ عید فصح کے دن وہ شراب اور خمیری روٹی کا استعمال کرتے ہیں۔ شراب کو مسیح کا خون اور روٹی کو مسیح کا گوشت تصور کرنا جزوِ ایمان ہے اس دعوت کو عشاء ربانی کہتے ہیں۔ (عشاء بمعنی طعام شب ہے) رومن کیتھولک کا تو عقیدہ ہے کہ وہ روٹی اور وہ شراب حقیقتاً مسیح کا گوشت اور مسیح کا خون بن جاتے ہیں۔ روما میں بھی قربانیوں کا رواج بکثرت تھا۔ اہل ہنود میں قربانیوں کی کثرت پائی جاتی تھی۔ اسمید جگ کے موقع پر دیگر مواشی کے علاوہ گھوڑوں کی قربانی کی جاتی تھی۔ کالی دیوی اور مہادیو کے لیے قربانی اب تک کی جاتی ہے۔ نوراتوں کے دنوں میں دیوی پر بُز نر (بکرا) اور جاموش نر (بھینسا) کی قربانی آج تک سب ہندو ریاستوں میں کی جاتی ہے۔ مسلمان بھی اس جگہ (حج کے موقع پر) قربانی کرتے ہیں۔ اونٹ، بیل، بکرا، بھیڑ نر و مادہ قربانی کیے جا سکتے ہیں۔ (۲۰)

قاضی صاحب کے مطالعہ مذاہب کی اس گیرائی و گہرائی کا اظہار ان کے بعض مذاہب کے مختلف پہلوؤں پر مطالعہ کی سفارش سے ہوتا ہے۔ مثلاً عیسائیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

☆ عیسائیت پر گفتگو کرنے والے کو بائبل کا علم ہونا چاہیے۔ ضرور ہے کہ وہ تاریخ کلیسیا سے باخبر ہو۔

☆ ضرور ہے کہ وہ عیسائیت موجودہ کے بنیادی اصول یعنی تثلیث و کفارہ، ابنیت والوہیت کے مسائل کے نشو ونما اور موجود ارتقا سے پورا پورا واقف ہو۔

Marfat.com

☆ ضرور ہے کہ وہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ اور یونیٹیرین کے مابہ الامتیاز سے باخبر ہو۔

☆ ضرور ہے کہ وہ چرچ آف گریک، چرچ آف رشیا، چرچ آف انگلینڈ کے اختلافات صوری و معنوی کا علم رکھتا ہو۔

☆ پاپایان روما کے مسیحی اختیارات اور بشپ آف کنٹری بری کے دینی اختیارات (بشمولہ کنگ) اس کے پیش نظر ہوں۔

☆ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اناجیل اربعہ کے بیانات کے تناقص وتضاد کو یاد رکھتا ہو۔ کتاب اعمال اور حواریوں کے خطوط میں مختلف تعلیم دی گئی ہے، اسے جانتا ہو۔

☆ یعقوب حواری، برنباس حواری اور پولوس مبلغ کے جداگانہ طریقوں سے واقف ہو۔(۲۱)

اسی طرح مطالعہ ہندومت کے متعلّق لکھتے ہیں:

☆ ہندومت کے متعلّق ایک وہ ہیں جو چار ویدوں، چھ شاستروں اور منوسمرتی کے علاوہ کسی اور کتاب کا حوالہ پسند نہیں کرتے۔

☆ ایک وہ ہیں جو شری مدبھاگوت اور مہابھارت اور اٹھارہ پرونوں کا ڈستانٹ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

☆ ایک وہ ہیں جن کو وید پران سے کوئی تعلّق نہیں ان کی کتابیں ان کے دیوتا بالکل ہی الگ ہیں (جینی آدھندو) ان ہی میں شامل ہیں۔ میرے نزدیک اس فرق کو یاد رکھنا ضروری ہے۔(۲۲)

قاضی صاحب نے مختلف مذاہب کے دعاوی اور ان کے نتائج کا تقابل کرنے کا اسلوب اپنایا ہے۔

ایران والوں کا دعوی کہ سروش آسمانی صرف ایرج کی نژاد کو ملا ہے۔ بنی اسرائیل کا دعوی کہ نبوت کا شرف صرف اسرائیل ہی کی اولاد کی میراث ہے۔ ہندو والوں کا دعوی کہ آکاش بانی کا درشن صرف گنگا جمنا کے اشنان کرنے والوں یعنی انہیں وادیوں کے رہنے والوں نے پایا ہے۔ اہل چین کا دعوی کہ صرف انہیں کی قوم کو فرزند آسمانی ہونے کا منصب ہے۔ اگرچہ خود بڑے شاندار دعاوی ہیں۔ مگر ان دعاوی کا نتیجہ کیا تھا۔ ایک زرتشتی اپنے سوا کل مذاہب کو دروغ بتلاتا، ایک اسرائیلی اپنے سوا جملہ ادیان کو (جن میں زرتشتی بھی شامل ہے) باطل قرار دیتا، ایک سناتن دھرمی اپنے سوا جن میں زرتشتی و اسرائیلی بھی شامل ہیں) سب کو است کہتا، ایک کانفیوشتی جملہ ملل کو (جن میں سناتن دھرمی بھی آگیا) بیگانہ از حق قرار دیتا۔ خیال کرو کہ ان شاندار دعاوی سے کیا حاصل ہوا۔ کیا یہی کہ کل دنیا کو جھٹلا دیا۔ اور ہر ایک قوم نے اپنے آپ کو کل دنیا سے نرالا انسان بتایا۔(۲۳)

Marfat.com

قاضی صاحب استدلال میں منقولی کے ساتھ ساتھ معقولی اسلوب اپناتے ہیں۔آپ اسلام پر معترض کی ذات اوراس کے مقدس مذہبی ادب کو ہدف تنقید نہیں بناتے بلکہ اصولی جواب دیتے ہوئے اپنے اوراس کے مقدس مذہبی ادب سے دلائل پیش کرتے ہیں۔آپ کے ماخذ و مصادر عموماً مسلم اور مخاطب کا مذہبی ادب ٹھہرتا ہے، چنانچہ آپ کی تحریر قرآن وحدیث، بائبل، وید، زرتشت اور بدھ مت کے تذکرہ سے مملو ہوتی ہے اور معقولی دلائل میں فلسفیانہ موشگافیوں کی بجائے عام ذہن کو مدنظر رکھ کرانتہائی سادہ پیرائے میں بات کرتے ہیں جس میں اکثر اپنے دور کی سائنسی اکتشافات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

قاضی صاحب اسلام سے دیگر مذاہب کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ان کے معاشرتی رویوں کا بھی تقابل کرتے ہیں۔سائنسی اکتشافات میں مسلم اور مسیحی دنیا کے رویہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

> کرویت زمین کا مسئلہ خلافت عباسیہ میں معلوم ہوا اوراس انکشاف سے مسلمانوں میں ایک پتہ بھی نہ ہلا مگر یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا تو قیامت برپا ہوگئی اور بیسیوں فلاسفر جو زمین کو گول کہنے لگے تھے، قتل کردیئے گئے۔ (۲۴)

اگر ہم مطالعہ مذاہب کے حوالے سے قاضی صاحب کی تحریر کا تجزیہ کریں تو انہیں درج ذیل خصوصیات کا حامل پاتے ہیں۔

☆ تنقیص وتحقیر کی بجائے متانت، سنجیدگی اور فریق مخالف کی دل آزاری سے اجتناب
☆ لہجہ دھیما اور دل نشیں
☆ رطب ویابس یا کمزور روایات کی بجائے مستند حوالہ جات
☆ استدلال واستخراج میں معقولی ومنقولی اسلوب
☆ یک طرفہ رائے سے اجتناب
☆ دوراز کار تاویلات سے احتراز
☆ اصولی بحث کرتے ہوئے دلائل وشواہد پیش کرتے ہیں عموماً فروعات سے صرف نظر کرتے ہیں۔
☆ زبان سادہ اور سلیس اسلوب
☆ تفہیمی اور پُرحکمت انداز
☆ صرف تقابلی جائزہ ہی پیش نہیں کرتے بلکہ نتائج کا استخراج بھی کرتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

Marfat.com

حوالے و حواشی

۱۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، سفرنامہ حجاز معہ سیرت سلمان (قاضی عبدالباقی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ۲۶۱؛ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء، ۴۳۵/۱

۲۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ۴۳۵

۳۔ منصور پوری، سر نامہ حجاز، ۲۷۹؛ بھٹی، محمد اسحٰق، تذکرہ محمد سلیمان منصورپوری، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۷ء، ۳۸۹

۴۔ ایضاً، ۱۴ (حرف اوّل از پروفیسر عبدالجبار شاکر)

۵۔ بھٹی، تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصورپوری، ۲۳۹

۶۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین، اسلامی کتب خانہ، لاہور، س۔ن، ۹/۳ (مقدمہ: سید سلیمان ندوی)

۷۔ بھٹی، تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصورپوری، ۳۸۷

۸۔ منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ۲۵۱/۳، ۲۵۲

۹۔ ایضاً، ۲۶۰/۳ ۱۰۔ ایضاً، ۲۶۰/۳

۱۱۔ بھٹی، تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصورپوری، ۲۹۴

۱۲۔ ایضاً، ۳۸۶

۱۳۔ غازی محمود دھرم پال (۱۹۶۰ء-۱۸۸۲ء) تھے۔ ان کا اصل نام عبدالغفور تھا۔ ۱۴ جون ۱۹۰۳ء کو اکیس سال کی عمر میں حلقہ اسلام سے نکل کر آریہ سماجی بن گئے اور دھرم پال کے نام سے گیارہ سال آریہ سماج کی خدمت کی پھر قاضی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ غازی محمود کی خودنوشت ان کے صاحب زادے غازی منصور صاحب (فیصل آباد) شائع کر رہے ہیں جو طباعت کے آخری مراحل میں ہے۔

۱۴۔ جریدہ المسلم کے بانی غازی محمود دھرم پال تھے انھوں نے ۱۴ مئی ۱۹۱۴ء کو قاضی صاحب کے چالیس صفحات پر مبنی طویل خط (جو ان کے ایک اشتہار کے جواب میں تھا) سے متاثر ہو کر ان کے

Marfat.com

ہاتھ پر دوبارہ اسلام قبول کرتے ہوئے غازی محمود دھرم پال بن گئے۔انھوں نے قاضی صاحب کا خط اپنے جریدہ المسلم بابت جولائی ۱۹۱۴ء شائع کر دیا۔ پادری صاحب نے اسی کے جواب میں مذکورہ خط لکھا تھا۔

۱۵۔ منصور پوری، محمد سلیمان سلمان، قاضی، برہان، (کیلسن پرنٹنگ پریس، لاہور، س۔ن)، ۳،

۱۶۔ ایضاً، ۵، ۶

۱۷۔ ایضاً، ۹، ۱۰

۱۸۔ سیف، قاضی محمد اسلم، تحریکِ اہلِ حدیث، تاریخ کے آئینہ میں، مکتبہ تعلیماتِ اسلامیہ، ماموں کانجن، ۱۹۹۴ء، ۳۹۹

۱۹۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، خطباتِ سلیمانی، المکتبۃ الاثریہ، سانگلہ ہل، ۱۹۷۲ء، ۱۸۳، ۱۸۴

۲۰۔ منصور پوری، سفر نامہ حجاز، ۱۴۵، ۱۴

۲۱۔ منصور پوری، خطباتِ سلیمانی، ۲۵۲

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً، ۲۱۵، ۲۱۶

۲۴۔ منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ۳/۵۵، ۵۶

Marfat.com

قرآنِ حکیم اور دیگر کتبِ سماوی کی حفاظت
ایک تقابلی و تحقیقی مطالعہ

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر*

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو انسانیت کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی۔[1] اور اس کا کسی غلطی یا تغیر و تبدّل سے محفوظ و مامون ہونے کا اعلان فرمایا۔[2] ان تمام الٰہی ضمانتوں کے باوجود مسلمانوں نے عالم اسباب میں بھی حفاظتِ متن قرآنِ مجید میں وہ کوششیں کی ہیں جو یقیناً اپنی مثال آپ ہیں اور جن کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش کرنے سے قاصر ہے۔

قرآنِ مجید کے مقام و مرتبے کے حوالے سے مشرکینِ مکہ نے بھی اس کی شدید ترین مخالفت کی انہوں نے لوگوں کو اس سے بدگمان کر کے اس سے دور کرنے کی تمام کوششیں کیں۔ کبھی اسے ساحر کا کلام کہا، کبھی کاہن کا، کبھی شاعر کا کلام کہا تو کبھی اسے (نعوذ باللہ) ایک مجنون کی زبان کہہ دیا۔ ان کی ساری کوششیں اسی مقصد کے تحت تھیں کہ لوگوں کو اس سے بدگمان کر دیا جائے۔ یہود و نصاریٰ بھی اس تنقیص میں سرگرم رہے۔

دورِ حاضر میں مسلمانوں پر اہلِ مغرب کی فکری و سیاسی یلغار کے دوران قرآنِ مجید کو ایسے معاندین سے واسطہ پڑا جو عہدِ نبوی کے یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ مکہ سے کہیں زیادہ تعصب اور انکارِ حقیقت کے طوفان میں گھرے ہوئے ہیں، یہ گروہ مستشرقین کا ہے۔ اس نے قرآن دشمنی میں کتمانِ

---

* صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

Marfat.com

حق اور مسخ حقائق کی تمام حدود کو پار کرتے ہوئے قرآنِ مجید کے بارے میں ایسی بے سروپا باتیں کیں کہ فہم و شعور رکھنے والا ہر شخص انگشت بدنداں رہ گیا۔ انھوں نے قرآنِ مجید کو انسان کا کلام قرار دیا اور اس میں تحریف ثابت کرنے کے لیے دلائل گھڑے، چنانچہ مسیحی پادری برکت اللہ کا بیان ہے:

جہاں انجیل جلیل کی صحت پر ایسے زبردست شواہد موجود ہیں جن کی الگ الگ اور متفقہ شہادت سے کسی صحیح العقل شخص کو انکار کرنے کی مجال نہیں ہو سکتی وہاں اہلِ اسلام کی کتاب قرآن شریف کی تاریخ ہم کو یاد دلاتی ہے کہ قرآن نبوی کے اصلی الفاظ کو معلوم کرنا اب انسانی قدرت سے باہر ہے۔ (۳)

مصنف مذکور نے اپنی کتاب کے باب ہفتم: ''موازنہ صحتِ انجیل و قرآن'' میں موقف اختیار کیا ہے کہ جہاں انجیل جلیل کے ہزاروں نسخوں کا باہم مقابلہ کرنے سے اس کے اصلی الفاظ کو یقین اور وثوق کے ساتھ پا سکتے ہیں وہاں قرآن نبوی کے اصلی الفاظ کو معلوم کرنا اور مکمل قرآن کا پانا ناممکنات میں سے ہے۔ قرآن کے حصص قاریوں کے سینوں میں ہونے کی وجہ سے ان کی شہادت کے وقت اور دیگر وجوہ کے باعث ضائع ہو گئے۔ لیکن انجیل جلیل کی کتب ابتداء ہی سے احاطۂ تحریر میں آ چکی تھیں اور ان کی ہزاروں نقلیں ممالک شرق و غرب میں کی گئیں تھیں۔ ان نقلوں کی ہزاروں نقلیں دورِ حاضر میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ لہٰذا انجیل جلیل کے اصلی متن کا ایک شوشہ بھی ضائع نہیں ہوا۔ سہو کاتب البتہ ان نسخوں میں موجود ہیں، لیکن ان ہزاروں نسخوں کا مقابلہ کرنے سے کتابت کی غلطیاں درست ہو جاتی ہیں۔ (۴)

وہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ خود عثمانی مصحف غلطیوں سے پاک نہ تھا اور شاہ ولی اللہ کی کتاب ازالۃ الخفاء کی عبارت نقل کر کے لکھتا ہے کہ بعد اس کے کہ قرآن شریف مصحف میں جمع کیا گیا، حضرت فاروق اعظم نے کئی سال اس کی تصحیح کی فکر میں صرف کیے، اور صحابہؓ کے ساتھ اکثر مناظرہ کیا کرتے تھے۔ (۵)

مصنف مذکور اپنی بحث کے نتائج کے طور پر لکھتا ہے:

پس جب ہم انجیل جلیل کے نسخوں کا مقابلہ قرآن شریف کے نسخوں کے ساتھ کرتے ہیں تو ہم پر چند امور واضح ہو جاتے ہیں:

اول: جہاں انجیل مقدس کی کتب کے ہزاروں قدیم نسخے ہمارے پاس اصلی زبان میں موجود ہیں وہاں

Marfat.com

قرآن مجید کا کوئی نسخہ سوائے مصحف عثمانی کے، ہمیں نہیں ملتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں ہم انجیل کا صحیح متن ان ہزاروں قدیم نسخوں کے مقابلہ اور تنقید سے معلوم کر سکتے ہیں وہاں ہم قرآن نبوی کے صحیح متن کو معلوم کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

دوم: انجیل جلیل کی کتب کا متن تواتر سے ثابت ہے۔ اوائل مسیحی صدیوں کے نسخے قدیم ترین ترجمے اور مسیحی مصنفین کے کروڑوں اقتباسات اس متن کے تواتر اور تسلسل پر گواہ ہیں، لیکن قرآن نبوی اور مصحف عثمانی میں تواتر اور تسلسل ثابت نہیں۔

سوم: انجیل جلیل کی کتب ابتداء ہی سے پائدار شے پر لکھی گئیں۔ یہ شے ایسی پائدار تھی کہ اب انیس صدیاں گزرنے پر بھی اور حوادث زمانہ کے باجود پہلی چار صدیوں کے نسخے من وعن ہمارے پاس محفوظ ہیں، لیکن سارے قرآن شریف کی اول تو نقل نہ کی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا ایک بڑا حصّہ تلف ہو گیا اور جب نقل کی گئی تو پائدار شے پر نقل نہ ہوئی...زمانہ سلف میں قرآن مجید کا کیا حال ہوا ہوگا، جب امت محمدیہ میں منافقین کے گروہ کی تعداد بے شمار تھی۔ علاوہ ازیں حافظِ قرآن آخر بشر تھے۔ ان حافظوں کے سینوں سے بھی یاد کردہ آیتیں مٹ سکتی تھیں، حافظہ میں گڑ بڑ بھی ہو سکتی تھی۔ اور اگر حافظ راہِ خدا میں جہاد کرتا ہوا شہید ہو گیا تو قرآن کا وہ حصّہ جو صرف اس کو یاد تھا اس کے ساتھ روئے زمین سے مفقود ہو گیا۔ غرضیکہ جہاں انجیل جلیل کی کتب شروع ہی سے پائدار اشیاء پر تحریر کی گئیں وہاں قرآن شریف نہایت غیر محفوظ حالت میں رہا اور تحفظ قرآن کا کوئی محکم آلہ نہ تھا۔

چہارم: جہاں انجیل جلیل کی کتب کے کاتب نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے اپنی کتب مقدسہ نقل کیا کرتے تھے، وہاں قرآن مجید کے کاتب مومن مسلمان نہیں بلکہ اہل یہود ہوتے تھے۔

پنجم: مولوی سید ممتاز علی مرحوم عثمانی مصحف اور موجودہ قرآنوں کا مقابلہ کر کے بتلاتے ہیں کہ ان میں یہ فرق ہے کہ مصحف عثمانی کی ایک آیت سے دوسری آیت جدا نہ تھی، نہ ان کے جدا ہونے کا کوئی نشان مقرر کیا گیا تھا...اب ناظرین قیاس کر سکتے ہیں کہ وفات نبوی کے بعد کی صدیوں کے دوران میں قرآن مجید میں عبارت اور رسم الخط کی تبدیلیوں اور غیر عرب اور کم استعداد کاتبین کی وجہ سے کس قدر قراءت میں اختلاف پیدا ہو گیا ہوگا۔ (۶)

Marfat.com

جمع وتدوین قرآن کے شواہد

قرآن مجید کی حفاظت کے بارے میں علمی حوالہ سے سب سے پہلے اس حقیقت کا جاننا ضروری ہے کہ قرآن دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے اس کی حفاظت کا ذمہ بڑے تاکیدی انداز سے اپنے اوپر لیا ہے۔ سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۹ میں فرمایا: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ. (بے شک ہم نے ہی یہ نصیحت (کی کتاب) نازل کی ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔) اس آیت میں وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ کے الفاظ میں وَاِنَّا تاکید کا صیغہ ہے لَحٰفِظُوْنَ میں لام کے ساتھ مزید تاکید پیدا کی گئی ہے کہ ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔ اسی طرح یہ واحد کتاب ہے جس نے اپنے محفوظ ہونے کا دعوی کیا ہے۔ سورۃ حم السجدۃ کی آیت نمبر ۴۲ میں فرمایا: لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ. اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔ اس پر قرآن حکیم کی داخلی شہادت بھی موجود ہے۔ سورۃ القیامۃ میں ارشاد ہوتا ہے (۷)

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ، فَإِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ

اس قرآنِ مجید کو جمع کرنا اور پڑھنا ہمارا کام ہے۔ پس جب ہم اِسے پڑھیں تو آپ ہمارے پڑھنے کا اتباع کریں۔

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ قرآنِ مجید کی کتابت کا کام نزولِ وحی کے ساتھ ساتھ ہی سرانجام دیا جارہا تھا۔

اس آیتِ مبارکہ میں تاکید کے لیے "إنّ" اور حصر کے لیے "علینا" مقدم کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ مجید جمع کرنا صرف ہمارا ہی کام ہے اور یہ کام ہم ضرور کریں گے۔ جمع کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ جمع صدر یعنی سینے اور حافظے میں محفوظ کرنا۔

۲۔ جمع مکتوبی یعنی تحریر کے ذریعے جمع ومحفوظ کرنا۔

جمع صدر کے بارے میں قرآنِ مجید میں ہے:

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِي صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ . (۸)

Marfat.com

یہ کتاب روشن آیات کا مجموعہ ہے جو علم والوں کے سینوں میں موجود ہے۔

کتابت کے بارے میں بھی یوں ارشاد ہے:

وَالطُّوْرِ ۙ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (۹)

یعنی یہ کتاب قرآنِ مجید کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے۔

سورۃ الواقعہ میں فرمایا:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. (۱۰)

قرآنِ مجید عزت والی کتاب ہے جو محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے اس کو پاک لوگ چھوتے ہیں۔

اس کے علاوہ اس ضمن میں قرآنِ مجید کے مندرجہ ذیل مقامات پر بھی اس کے مکتوب ہونے پر دلیل موجود ہے۔ (۱۱)

سورۃ الفرقان میں قرآنِ مجید اپنے آپ کو الکتاب سے متعارف کراتا ہے۔ (۱۲)

سورۃ الفرقان ہی میں کفار کا ایک اعتراض نقل کیا گیا ہے کہ قرآنِ مجید یک بارگی کیوں نہیں نازل ہو گیا اس سلسلے میں قرآن یوں معاملے کی وضاحت کرتا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا. (۱۳)

یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید یک بارگی کیوں نہیں نازل کر دیا گیا۔ (یہ اس لیے نہیں کیا گیا) تاکہ آپ کے قلب کو تسلی دی جا سکے اور تاکہ ہم اسے ٹھہر ٹھہر کر ادا کریں۔

گویا آہستہ آہستہ نزولِ قرآنِ مجید کی دو حکمتیں بیان کی گئیں:

(۱) قلبِ محمدی کو تسلی دینا

(۲) ترتیل۔ لغت میں ترتیل "ہم جنس اشیاء کو عمدہ طریقے سے بالترتیب رکھنا" کو کہتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے: "الرتل حسن تناسق الشیء"۔ (۱۴)

یعنی ترتیب دینا۔ کلام کو بہتر اور عمدہ طریق سے ادا کرنا۔ خوش الحانی سے پڑھنا۔

اساس البلاغۃ میں اس کا معنی یوں بیان ہوا ہے: رتل القرآن ترتیلاً إذا ترسّل فی تلاوته وأحسن تأليف حروفه۔ (۱۵) اور حسن تالیف کی ایک شکل یہ ہے کہ کلام جن کلمات سے

Marfat.com

مرکب ہوا ان کو مضمون وار مرتب کرتے وقت مناسب موقع ومحل پر رکھا جائے۔

عہدِ نبوی میں کتابت وحی کے بارے میں تفصیلی روایات ملتی ہیں۔مکہ کے اندر بھی قرآن کے لکھے جانے کے شواہد ہیں اس کی مثال حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ ہے کہ اس وقت بھی لکھا ہوا قرآن موجود تھا۔ (۱۶)

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:

كُنتُ أَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ أَخَذَتْهُ بُرَحَاءُ شَدِيدَةٌ وَعَرِقَ عَرَقًا شَدِيدًا مِثْلَ الْجُمَانِ ، ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ ، فَكُنتُ أُدْخِلُ عَلَيْهِ بِقِطْعَةِ الْقَتَبِ أَوْ كِسْرَةٍ فَأَكْتُبُ وَهُوَ يُمْلِي عَلَيَّ ، فَمَا أَفْرُغُ حَتَّى تَكَادَ رِجْلَيَّ تَنكَسِرُ مِنْ ثِقَلِ الْقُرْآنِ حَتَّى أَقُولَ لَا أَمْشِي عَلَى رِجْلَيَّ أَبَدًا ، فَإِذَا فَرَغْتُ ، قَالَ : اقْرَأْهُ ، فَإِنْ كَانَ فِيهِ سَقْطٌ أَقَامَهُ ، ثُمَّ أَخْرُجُ بِهِ إِلَى النَّاسِ. (۱۷)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت کیا کرتا تھا جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی تھی اور آپ کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔پھر آپ پر یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا کسی اور چیز کا ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا۔آپ لکھواتے اور مَیں لکھتا جاتا۔یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہو جاتا تو قرآن لکھنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا۔جب میں فارغ ہو جاتا تو آپ فرماتے پڑھو۔میں پڑھ کر سناتا اگر لکھائی میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرما دیتے پھر میں اس کو لے کر لوگوں کی طرف آجاتا۔

امام ترمذیؒ نے اس سلسلے میں یہ روایت بیان کی ہے:

فَقَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَأْتِي عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ تَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُولُ ضَعُوا هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا. (۱۸)

عثمانؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب کبھی ایک یا ایک

Marfat.com

سے زائد سورتیں نازل ہوتیں تو آپ کسی کاتب کو بلاتے اور فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت میں شامل کر دیں۔ اس طرح جب کوئی آیت نازل ہوتی تو اس کے بارے میں فرما دیتے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں جگہ شامل کر دیں۔

اس روایت کی ہم مضمون روایات امام بخاری کی الجامع اور امام السیوطی کی الاتقان میں بھی موجود ہیں۔ (۱۹)

مسند احمد میں عثمان بن ابی العاصؓ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے پاس جبرائیل آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو جو فلاں سورت کی ہے، اسے فلاں مقام پر لکھ لوں وہ آیت: إن اللّٰه يأمر بالعدل والإحسان، تھی۔ (۲۰)

اسی طرح ایک روایت بخاری شریف میں بھی ہے:

لَمَّا نَزَلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اُدْعُ لِي زَيْدًا وَلْيَجِئْ بِاللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ وَالْكَتِفِ أَوْ الْكَتِفِ وَالدَّوَاةِ ثُمَّ قَالَ اكْتُبْ: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُونَ... (۲۱)

جب آیت ﴿لا یستوی القاعدون......﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زید کو بلاؤ اور وہ تختی اور قلم لے کر آئے، پھر فرمایا: لکھو: ﴿لا یستوی القاعدون......﴾

جن لوگوں نے قرآن عہد نبوی میں حفظ کر رکھا تھا ان کے نام کتابوں میں محفوظ ہیں۔ (۲۲)

امام ابو عبید القاسم بن سلام کی ایک نایاب کتاب سے علامہ سخاوی نے سترہ مہاجرین چھ انصار صحابہ اور تین ازواجِ مطہرات کے نام نقل کئے ہیں جو حافظِ قرآن تھے۔ (۲۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے بعد جس کام کے لیے سب سے زیادہ مستعد و بے چین ہوتے تھے وہ کتابت وحی کا مسئلہ ہوتا تھا۔ یہ بات بھی ثقہ روایات سے ثابت شدہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآنِ مجید کا دور فرمایا کرتے تھے اور آخری رمضان المبارک میں دور دو مرتبہ کیا گیا۔ (۲۴)

عہد نبوی میں کتابت وجمع قرآن کے بارے میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

کتابة القرآن لیست بمحدثة فانه صلى الله عليه وسلم كان يأمر بكتابته

Marfat.com

ولكنه كان مفرقا فى الرقاع والأكتاف واللخاف...... (۲۵)

قرآن کی کتابت کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ خود حضور اکرمؐ اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے لیکن وہ متفرق ٹکڑوں پر تھا۔

عہد نبوی میں قرآنِ مجید کی عدم کتابت ثابت کرتے ہوئے مستشرقین کہتے ہیں کہ تاریخِ قرآن کے بیان والی روایات میں تضادات ہیں۔ لہٰذا یہ نا قابل اعتبار ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے:

ترمذی میں روایت ہے:

جمع القرآن على عهد رسول ﷺ أربعة كلهم من الأنصار أبىّ بن كعب، معاذ بن جبل و زيد بن ثابت و أبو زيد قلت لأنس من أبو زيد ؟ قال أحد عمومتى (۲۶)

عہد نبوی ﷺ میں چار حضرات نے قرآن جمع کیا تھا، یہ چاروں صحابہ انصار میں سے تھے۔ حضرت ابی ابن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ زید بن ثابتؓ اور ابوزید ہیں راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ ابوزید کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ ہمارے ایک چچا ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف یہی چار حضرات ہی جامعین قرآن تھے۔ جس روایت میں چار حضرات ابو الدرداءؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ زید ابن ثابتؓ۔ اور ابوزیدؓ کے اسمائے گرامی کا ذکر ہے۔ اس روایت میں اصل مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ جمع قرآن کے سلسلے میں ان چار حضرات کا حصر قبیلہ خزرج کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ انس بن مالکؓ نے یہ بات اس وقت فرمائی جب کہ اوس اور خزرج میں باہمی گفتگو میں مفاخرت کی باتیں ہو رہی تھیں اس بات کا ذکر ابن جریر طبریؒ نے قتادہ کی سند کے ساتھ انس بن مالکؓ سے روایت میں کیا ہے کہ اوس اور خزرج باہم مفاخرت کرنے لگے۔ اوس والے کہنے لگے ہمارا قبیلہ ایسا ہے کہ اس میں چار آدمی ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک کیلئے تو اللہ کا عرش کانپنے لگا وہ سعد بن معاذؓ ہیں۔ کسی کی شہادت دو کے برابر قرار دی گئی۔ وہ خزیمہ بن ثابت ہیں کسی کو ملائکہ نے غسل دیا وہ حنظلہ بن ابی عامر ہیں اور کسی کو شہادت کے بعد ملائکہ آسمان پر لے گئے وہ عاصم بن ثابت ہیں اس پر خزرج کے لوگ کہنے لگے۔ ہم میں سے چار ایسے آدمی ہیں جنہوں نے قرآن جمع کیا اور یہ نام بیان کئے۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں یہ فضیلت و سعادت حاصل ہوئی نہ کہ اوس والوں کو۔ (۲۷)

Marfat.com

گویا اس جگہ قرآن جمع کرنے کا موضوع بنیادی طور پر زیر بحث ہے ہی نہیں، جہاں تک قرآن عہد نبوی میں جمع کرنے والوں کی بات ہے تو اس سلسلے میں دیگر بہت سی روایات ملتی ہیں جن میں ان لوگوں کے اسمائے گرامی کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے عہدِ نبویؐ میں قرآن جمع کیا تھا۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے:

قبض النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولم یجمع القرآن فی شیء (۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ درآنحالیکہ قرآنِ حکیم کسی جگہ جمع نہیں کیا گیا تھا۔

یہ روایت ابن شہاب زہریؒ نے عبید بن سباق سے اور انھوں نے زید بن ثابتؓ سے بیان کی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری روایت بھی ابن شہاب زہری سے مروی ہے جو طبری نے اپنے شیخ کے حوالے سے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور قرآن جمع نہیں ہوا تھا جو کچھ تھا وہ کھجور کی چھال اور تختیوں پر تھا۔ (۲۹)

ان ہر دو روایات کو سامنے رکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں جمع سے مراد یہ ہے کہ قرآن عہد نبوی میں بین الدفتین شکل میں موجود نہ تھا۔

اول الذکر روایت کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ زید بن ثابتؓ کی وفات ۴۵ھ یا ۴۸ھ میں ہوئی۔ (۳۰) اور عبید بن سباق کا تعلّق تیسرے طبقہ سے ہے۔ (۳۱) گویا کہ زید بن ثابتؓ کی وفات سے پانچ یا دو برس بعد پیدا ہوئے۔ زید بن ثابتؓ کی وفات کے بارے میں ایک اور ضعیف قول یہ ہے کہ ان کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی۔ اس ضعیف قول کی رو سے بھی یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ زید بن ثابتؓ نے ایک روایت (اور وہ بھی جمع قرآن جیسے اہم موضوع سے متعلّق) محض پانچ سات برس کے بچے کو بتائی ہو اور کسی قابلِ اعتبار شخص کو روایت بیان کرنے کی زحمت گوارا ہی نہ کی ہو۔ اس طرح ہم اس روایت کو تسلیم نہیں کر سکتے جبکہ یہ ایک اور قابلِ اعتبار روایت سے متصادم ہے۔

اصل صورت یہ ہے کہ عہد نبوی میں کتابتِ قرآن کا کام بڑے اہتمام سے جاری تھا اور حضور

Marfat.com

اس مسئلے کو باقی تمام مسائل پر فوقیت دیتے تھے لیکن اس کتابت کی کیفیت یہ تھی کہ اسے بین الدفتین جمع نہیں کیا گیا تھا کیونکہ قرآن ابھی نازل ہو رہا تھا۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کب کون سی آیت نازل ہو اور اسے کس جگہ پر لکھا جانا ہو۔ اس لیے قرآنِ حکیم کا ایک جگہ ایک جلد میں جمع کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ جب قرآنِ حکیم کے نزول کی تکمیل ہو گئی تو اس کے بعد حضورؐ کو زیادہ عرصہ زندہ رہنا نصیب نہ ہو سکا۔ اس لیے اس فریضے کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پورا کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عہد نبوی میں قرآن لکھا ہوا موجود نہیں تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو مصحف تیار کیا تھا وہ درحقیقت حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں لکھے ہوئے اوراق کو ایک جلد میں جمع کرنا ہی تھا۔ اس سے قبل اوراق تھے، حضرت ابوبکرؓ نے انہیں دھاگے میں پرو دیا، گویا موتی موجود تھے صرف موتیوں کی مالا بنانے کا کام باقی تھا، اس اعتبار سے بعض علماء نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ایک طرح سے بین الدفتین قرآن دیدیا تھا۔

بخاری کے باب من قال لم يترك النبى اِلّاما بين الدفتين میں عبدالعزیز بن رفیع سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اور شداد بن معقل، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس گئے۔ شداد نے ان سے پوچھا کہ آیا رسول اللہ ﷺ نے کچھ چھوڑا؟ تو ابن عباس نے کہا کہ آپ ﷺ نے کچھ نہیں چھوڑا سوائے اس کے جو بین الدفتین موجود ہے۔ (۳۲)

اسی روایت میں ہے عبدالعزیز بن رفیع اور معقل بن یسار نے یہی سوال محمد ابن الحنیفہ سے بھی کیا انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ما ترك الا ما بين الدفتين (۳۳)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بات کا کوئی امکان موجود نہ تھا کہ قرآنِ مجید کا کوئی ایک شوشہ بھی ایسا ہو سکتا تھا جو ادھر ادھر ہو گیا ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو جبریل علیہ السلام انہیں ضرور یاد کروا دیتے ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری وحی کے نزول کے بعد تقریباً نوے روز تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ ان حالات میں اس بات کا بھی کوئی واقعاتی امکان باقی نہیں رہ جاتا کہ آپ نے اتنے طویل عرصے تک قرآنِ مجید کا کوئی حصّہ ویسے ہی چھوڑ رکھا ہوگا۔

نازل شدہ وحی کو فوری طور پر لکھوانے کے حوالے سے حضور ﷺ کے اہتمام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آرتھر جیفری کی بیان کردہ اس روایت کی کوئی حقیقت نہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ سے

Marfat.com

منسوب کی جاتی ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور کے بستر کے نیچے کچھ آیات ایسی پڑی رہ گئیں جو لکھائی نہیں گئی تھیں اور معلوم نہیں کہ ان آیات کے بارے میں کیا ہوا؟ عہد نبوی میں قرآن کی عدم محفوظیت کے بارے میں آرتھر جیفری کا یہ بیان بھی ہے کہ قرآنِ مجید کی کچھ آیات بکری کھا گئی۔ (۳۴)

ایک طرف مسلمانوں کی مستند اور ثقہ ترین کتب میں موجود ایسی روایات ہیں جو ایسے کڑے معیار سے گزر کر ان کتب میں محفوظ کی گئی ہیں جن کی نظیر دنیا کی کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتی اور دوسری جانب مستشرقین کی قیاس آرائیاں اور غیر معتبر روایات ہیں۔ ہر ذی شعور اور صاحب فہم وادراک شخص یہی فیصلہ کرے گا کہ مستند روایات کو زیادہ اہمیّت دی جائے گی۔

اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ذہن میں رہے کہ حضورؐ نے اپنے فرض منصبی کے اعتبار سے بھی لازمی طور پر وہ سب کچھ جو آپؐ پر قرآنِ مجید کی صورت میں نازل ہوا، امت تک مکمل صورت میں پہنچایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (۳۵)

اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر اپنے رب کی جانب سے جو کچھ نازل کیا گیا آپ اسے لوگوں تک پہنچا دیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنا فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا۔

ان شواہد کے علاوہ بھی ہمارے پاس ایسے واقعاتی دلائل و روایات موجود ہیں جن میں عہد نبوی میں مختلف صحابہ کرامؓ کے پاس مکمل قرآنِ مجید کے مکمل و مرتب نسخے موجود ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ صحیح البخاری، صحیح مسلم، کنز العمال میں روایات ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس قرآنِ مجید کا نسخہ موجود تھا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ اس مصحف کی زیارت کے لیے ایک شخص عراق سے مدینہ طیبہ آیا تھا۔ (۳۶)

مسلم کی روایت میں ہے کہ ابو یونس مولیٰ حضرت عائشہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے قرآنِ مجید لکھ کر دینے کا حکم فرمایا۔ (۳۷)

حضورؐ کے متعدد فرامین اس سلسلے میں موجود ہیں کہ آپؐ نے قرآنِ مجید کو ناظرہ پڑھنے کی تلقین و ترغیب فرمائی۔ ناظرہ تلاوت کرنے کا مطلب ہے کہ قرآن مکتوب شکل میں موجود تھا۔ اس سلسلے میں چند روایات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

Marfat.com

۱۔ قراءة الرجل فی غیر المصحف ألف درجة وقراء ته فی المصحف تضاعف ألــفــی درجة [۳۸] آدمی کا زبانی تلاوت کرنا ایک ہزار درجہ رکھتا ہے اور مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنا دو ہزار درجہ رکھتا ہے۔

۲۔ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي الْمُصْحَفِ كُتِبَ لَهُ أَلْفَا حَسَنَةٍ، وَمَنْ قَرَأَهُ فِي غَيْرِ الْمُصْحَفِ أَظُنُّهُ قَالَ :فَأَلْفُ حَسَنَةٍ "[۳۹]

مصحف سے دیکھ کر پڑھنے کا اجر دو ہزار درجہ ہے، اور مصحف سے دیکھے بغیر اجر ایک ہزار درجہ ہے۔

۳۔ عن ابن عباس قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من أدام النظر فی المصحف متعه الله ببصره ما بقی فی الدنیا. [۴۰]

جو شخص قرآنِ مجید کو دیکھ کر پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی نظر کو تازندگی قوت عطاء فرمادے گا۔

عہدِ نبوی میں کتابتِ قرآنِ حکیم کا محققانہ جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مکمل قرآن کی شکل میں کم از کم تیرہ نسخے معرضِ تحریر میں آچکے تھے، جن کا ذکر محققین نے کیا ہے:

۱۔ حضرت معاذ بن جبلؓ	۲۔ حضرت اُبَی بن کعبؓ
۳۔ حضرت زید بن ثابتؓ	۴۔ حضرت ابو زیدؓ۔ [۴۱]
۵۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ۔ [۴۲]	۶۔ حضرت سعد بن عبیدؓ۔ [۴۳]
۷۔ حضرت عثمانؓ	۸۔ حضرت تمیم داریؓ
۹۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ	۱۰۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ
۱۱۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب	۱۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
۱۳۔ حضرت ابوالدرداءؓ۔ [۴۴]	

ابن سعدؒ نے ان صحابہ کرامؓ کے ناموں کی فہرست پیش کی ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی موجودگی میں قرآن مکمل طور پر جمع کر لیا تھا ان میں وہ دس صحابہؓ شامل ہیں جن کے گرد قرآن کی تعلیم کی سند گھومتی ہے اور ان سے قرآن سیکھنے کی طرف اشارات موجود ہیں۔ [۴۵] ان تیرہ نسخوں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے نسخوں کا ذکر نہیں ہے۔ دونوں حضرات وحی کے کاتب تھے اور دیگر بہت سی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے قرآنِ مجید حفظ بھی کیا تھا اور لکھا بھی تھا۔ ان لوگوں

Marfat.com

میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی ہیں جو کاتبِ وحی ہونے کے ساتھ ساتھ حافظِ قرآن بھی تھے۔ حضورؐ نے آخری ایام میں ان سے قرآنِ مجید کا دو مرتبہ دور فرمایا تھا۔ حضورؐ سے دور کرنا اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ قرآنِ حکیم کا کوئی حصّہ ایسا نہیں تھا جو زید بن ثابت کو یاد نہ ہو۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے نسخے موجود تھے لیکن یہ وہ نسخے ہیں جو مکمل متن قرآن پر مشتمل تھے اور جن کی موجودگی پایہ تحقیق کو پہنچتی ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیے صرف انہی نسخوں کی موجودگی تسلیم کر لی جائے تو بھی مستشرقین کا یہ دعویٰ محض کم علمی پر مبنی ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآنِ حکیم عہدِ نبوی میں لکھا نہیں گیا تھا۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

ان الذین جمعوا القرآن علی عهد النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم لا یحصیهم أحد (۴۶)

عہدِ نبوی میں جن لوگوں نے قرآنِ مجید جمع کر لیا تھا ان کا کوئی شمار و حساب ہی نہیں ہے۔

الفہرست کے مؤلف ابن الندیم نے مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی بیان کر کے لکھا ہے کہ انھوں نے حضورؐ کی موجودگی میں قرآنِ حکیم مکمل طور پر لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔

(۱) علی بن ابی طالبؓ (۲) سعد بن عبیدؓ (۳) ابوالدرداءؓ (۴) عمیر بن زیدؓ (۵) معاذ ابن جبلؓ (۶) ابوزیدؓ (۷) ابی بن کعبؓ (۸) عبید بن معاویہؓ۔ علامہ سیوطیؒ نے بھی ان لوگوں کی فہرست پیش کی ہے جنھوں نے عہدِ نبوی میں مکمل قرآن لکھ رکھا تھا۔ (۴۷)

زبانی حفاظت کے شواہد

نبی کریم ﷺ کے فرائض نبوی میں سے تلاوت قرآن اولین فرض تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ مندرجہ ذیل مواقع پر تلاوتِ قرآن کا اہتمام فرماتے تھے:

۱۔ باجماعت نماز میں سورۃ البقرہ، آل عمران اور سورۃ النساء جیسی لمبی لمبی سورتوں کی جہری تلاوت

۲۔ اسلام کی دعوت دیتے وقت سامعین کے سامنے قرآن کی تلاوت

۳۔ وفود سے ملاقات کے وقت تلاوت

۴۔ خطوط اور مراسلات میں قرآنی پیغام

۵۔ کفار و مشرکین کے اعتراضات و سوالات کے جواب میں قرآن کی متعلقہ آیات یا سورتوں کی تلاوت

Marfat.com

۶۔ نمازِ تہجد میں انفرادی تلاوت

۷۔ صحابہ کرامؓ کے سامنے مجالس میں تلاوت

۸۔ مجالس میں صحابہ کرامؓ سے قرآن کی تلاوت سننا

۹۔ صحابہ کرامؓ کے گھروں سے آتی ہوئی تلاوت کی آواز سننا

۱۰۔ قرآن کے تعلیمی حلقوں میں تلاوت

مسلمانوں کو اپنی کتاب حفظ کرنے میں کس قدر دلچسپی ہے، اس کا اندازہ قرآن حفظ کرنے سے متعلّق جو بشارات احادیث میں بیان ہوئی ہیں ان سے لگایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں نے قرآن حفظ کرنے میں نہایت انہماک اور شوق کا عملی مظاہرہ کیا ہے۔ دراصل حفاظتِ قرآنِ مجید میں نہ تو صرف کتابت پر اکتفا کیا گیا اور نہ ہی محض حفظ پر۔ بلکہ یہ دونوں وسائل اختیار کیے گئے۔ مستشرقین اپنا نقطہ نگاہ کچھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ گویا کہ چند اشخاص حافظ تھے۔ باقی کسی کو قرآن یاد نہ تھا اور حافظے کی بات پر اعتماد ہی کیا کیا جا سکتا ہے۔؟ حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔ لاتعداد حفاظ کرام بھی موجود تھے۔ ان کا قرآنِ مجید کے ساتھ لگاؤ بھی بے مثال تھا۔

مستشرقین کا یہ تاثر ہرگز درست نہیں کہ محض چند حفاظِ قرآن موجود تھے اور ان میں سے بھی کسی کو قرآن یاد ہوگا کسی نے بھلا دیا ہوگا۔ حالانکہ عہد نبوی میں حفاظ قرآن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ ایک دو کی بات نہ تھی بلکہ صحابہ کی کثیر تعداد حافظ تھی۔ (۴۸) اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حقائق سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

۱۔ اُحد کے شہداء کی تدفین کے وقت اس شخص کو قبلہ کی طرف پہلے دفن کیا جاتا جس کو زیادہ قرآن یاد ہوتا تھا۔ احد کے شہداء کی تدفین سے متعلّق روایت میں أيهم أكثر قرآنا کے الفاظ موجود ہیں کہ حضور ﷺ، صحابہؓ سے پوچھتے تھے کہ ان میں سے قرآن کس کو زیادہ یاد تھا، ظاہر کرتے ہیں کہ سب کو علم تھا کہ کس کو کس قدر قرآن یاد ہے؟ اور سب کو قرآن یاد تھا ورنہ حضورؐ یہ فرماتے کہ ان میں سے کس کو قرآن یاد ہے اور کس کو نہیں؟ (۴۹)

۲۔ بئر معونہ کے واقعہ کی یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت کے لیے قرآنِ مجید کے ستر حفاظ بھیجے گئے۔ کیا یہ بات اس بات کی دلیل نہیں کہ اس پوری سوسائٹی میں حفاظ کی تعداد کس

Marfat.com

قدر ہوگی اور مختلف علاقوں میں جو حفاظ بھیجے جاتے تھے ان کی کل تعداد کس قدر ہوگی۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ حفظ قرآن محض ایک دو صحابہؓ کے حفظ کا مسئلہ نہ تھا بلکہ پوری قوم کی قوم حافظ تھی۔ اتنی کثیر تعداد میں حفاظ کی موجودگی میں کسی گڑبڑ کا امکان نہیں ہوسکتا تھا۔

کاتبین وحی کی تعداد

کتابتِ قرآنِ مجید کے لیے صرف حضرت زید ابن ثابتؓ ہی متعین نہ تھے بلکہ اور بھی بہت سے صحابہ کرامؓ اس کام پر مامور تھے۔ حافظ ابن قیمؒ نے انیس کاتبوں کے نام بیان کیے ہیں ابن کثیر اور ابن عبد البرؒ نے ان کی تعداد ۲۳ بتائی ہے، جبکہ ڈاکٹر مصطفیٰ الاعظمی نے ان حضرات کی تعداد ۴۵ بیان کی ہے۔ (۵۰)

ان تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نزول وحی کے ساتھ ہی ہر اعتبار سے حفاظت وحی کا قابل اعتماد نظام موجود تھا اور پادری برکت اللہ کے خیالات محض بے اصل دعاوی ہیں۔ اس قدر مسلمہ حقائق کی موجودگی میں یہ کہنا کہ اصل قرآن کے الفاظ حاصل کرسکنا ایک ناممکن بات ہے، محض دل کی بھڑاس نکالنے والی بات ہی ہے۔

پادری برکت اللہ نے دوسری بات یہ بیان کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کا اصل متن ضائع کردیا تھا۔ لیکن اس سلسلہ میں تفصیلات کے بیان سے قبل قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرانا بھی ضروری ہے کہ معاندینِ اسلام کے اعتراضات اور نقطہ نگاہ میں تضاد پایا جاتا ہے۔ پادری برکت اللہ بھی اسی کا شکار ہے، وہ اس طرح کہ ایک طرف وہ کہتا ہے کہ قرآن کے الفاظ محفوظ کرنے کا کوئی خاطر خواہ طریقہ پہلے دن سے ہی اختیار نہیں کیا گیا اور آج کے دور میں اصل قرآن کے الفاظ حاصل کرسکنا ناممکنات میں سے ہے۔ اور ساتھ ہی کہتا ہے کہ قرآن کو اگر حضرت عثمانؓ جلانے کا حکم نہ دیتے تو ہوسکتا ہے کہ اصل قرآن ہمیں مل جاتا گویا عہد عثمان تک اصل قرآن موجود تھا۔ گزشتہ سطور میں پوری تفصیل سے واضح کردیا گیا ہے کہ قرآن کے کسی ایک لفظ کے ضائع ہونے کا امکان نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ کے تیار کروائے ہوئے مصحف کے بارے میں اہل مغرب نے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کی اس کاروائی کا کوئی فائدہ مرتب نہ ہوا اور قرآن مجید کے متن میں غلطیاں موجود رہیں۔ اہل مغرب نے محض قیاس آرائیوں کی بنیاد پر غلط بیانیاں کی ہیں۔ ورنہ حقائق ان کے موقف کی تائید نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب ایک قول سے بھی استدلال

Marfat.com

کیا جاتا ہے، چنانچہ محقق ابن الجزری لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُو عَمْرٍو الدَّانِيُّ :وَلَا يَجُوزُ عِنْدَنَا أَنْ يَرَى عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -شَيْئًا فِي الْمُصْحَفِ يُخَالِفُ رَسْمَ الْكِتَابَةِ مِمَّا لَا وَجْهَ لَهُ فِيهَا فَيُقِرُّهُ عَلَى حَالِهِ وَيَقُولُ :إِنَّ فِي الْمُصْحَفِ لَحْنًا سَتُقِيمُهُ الْعَرَبُ بِأَلْسِنَتِهَا ، وَلَوْ جَازَ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ لِلْكِتَابَةِ مَعْنًى وَلَا فَائِدَةٌ ، بَلْ كَانَتْ تَكُونُ وَبَالًا لِاشْتِغَالِ الْقُلُوبِ بِهَا ... وَالْأَثَرُ فَقَدْ رَوَاهُ الْحَافِظُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي دَاوُدَ بِأَلْفَاظٍ مُضْطَرِبَةٍ مُخْتَلِفَةٍ وَكُلُّهَا مُنْقَطِعَةٌ لَا يَصِحُّ شَيْءٌ مِنْهَا ، وَكَيْفَ يَصِحُّ أَنْ يَكُونَ عُثْمَانُ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -يَقُولُ ذَلِكَ فِي مُصْحَفٍ جُعِلَ لِلنَّاسِ إِمَامًا يُقْتَدَى بِهِ ، ثُمَّ يَتْرُكُهُ لِتُقِيمَهُ الْعَرَبُ بِأَلْسِنَتِهَا وَيَكُونُ ذَلِكَ بِإِجْمَاعٍ مِنَ الصَّحَابَةِ. (۵۱)

ابوعمرو الدانی (م۴۴۴ھ) نے کہا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ مصحف میں کوئی چیز دیکھیں جو رسم الکتابت کے خلاف ہو اور پھر بھی اس کو باقی رکھیں۔اور پھر ایسی بات کہہ دیں کہ اس میں غلطیاں ہیں عرب خود ہی ٹھیک کر لیں گے، اگر ایسی بات ہوتی تو پھر کتابت کرانے کا کوئی مقصد و فائدہ ہی نہیں رہ جاتا، بلکہ یہ تو وبال بن جاتا۔اس میں جو روایت ہے وہ صحیح نہیں ہے۔اور یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اس مصحف کے بارے میں ایسی بات کہیں جو لوگوں کے لیے معیار بنایا جا رہا ہے تا کہ اس کی اتباع کی جائے، اور پھر ان اغلاط کے باوجود صحابہؓ کا اجماع بھی ہو جائے۔

اس سلسلے میں علامہ محمود آلوسی نے وضاحت کی ہے۔آپ لکھتے ہیں: فالحق أن ذلک لایصحّ عن عثمان ،الخبر ضعیف مضطرب منقطع . (۵۲)

یعنی یہ روایت حضرت عثمان سے بالکل ثابت نہیں ہے، یہ خبر ضعیف، مضطرب اور منقطع ہے۔وہ مزید لکھتے ہیں: مصحف عثمانؓ پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔رسم عثمانی وحی سے بھی ثابت ہے۔حدیث نبوی کی رو سے غلطی پر اجماع ہو ہی نہیں سکتا۔اس روایت میں مذکور ہے حضرت عثمانؓ نے "جمع قرآن کمیٹی" کے ارکان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

أحسنتم و أجملتم. (۵۳) یعنی تم نے اچھا اور عمدہ کام کیا ہے۔اگر اس کام میں کوئی غلطی

Marfat.com

ہوتی تو آپ اس غلطی کی تحسین کیوں کر فرما سکتے تھے۔

اہل مغرب کے اسی متعصّبانہ اور معاندانہ غور وفکر کا نتیجہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی اس کاروائی کے بارے میں کوئی ایک فیصلہ نہیں کر سکے۔ اور صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ محض قیاس آرائیوں اور ظن وتخمین سے کام لے رہے ہیں۔ ان کے فیصلوں میں زمین وآسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے۔

مصاحف عثمانیہ

حضرت عثمانؓ نے جمع قرآن کا جو کارنامہ سرانجام دیا اس کی بنا پر امت نے آپ کو جامع القرآن کا دائمی خطاب دیا۔ اس سے امت مسلمہ کو ایسا مصحف ملا جس میں تمام کے تمام سات حروف (سبعہ احرف) ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئے۔ لیکن بعض لوگوں نے قرآن مجید کے متن کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لیے آپؓ کے اس کارنامے کو غلط رنگ دیا۔ کئی روایات، جن میں ''جمع عثمان'' کا ذکر ملتا ہے انہیں غلط طور پر پیش کیا اور مفروضات کی ایک عمارت تعمیر کر ڈالی ہے۔

مصاحف عثمانیہ کی ضرورت اور ان کا جواز

حضرت عثمانؓ کے دور تک اسلام عرب وعجم میں پھیل چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے مختلف حروف میں قرآن مجید پڑھا تھا۔ ان حضرات نے اسی انداز سے قرآن مجید اپنے شاگردوں کو پڑھایا۔ دور دراز کے لوگ اس حقیقت سے آگاہ نہ تھے کہ قرآن مجید کے بعض الفاظ ایک سے زیادہ طریقوں سے پڑھنے کی اجازت تھی۔ اسی بنا پر لوگوں میں جھگڑے کھڑے ہونے لگے۔ ایک شخص اپنی قراءت کو درست اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دیتا۔ ان حالات میں اس بات کا خدشہ تھا کہ لوگ قرآن مجید کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ دوسری طرف حضرت زید بن ثابتؓ کے لکھے ہوئے نسخہ کے سوا پورے عالم اسلام میں کوئی نسخہ نہ تھا جو پوری امت کے لیے حجت بن سکے۔ اس نسخہ کے علاوہ باقی نسخے صحابہ کرامؓ کے ذاتی نسخے تھے۔ ان میں سات حروف کو یکجا کرنے کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ ہر کسی نے اپنی اپنی قراءت کے مطابق اپنا اپنا نسخہ تحریر کر رکھا تھا۔

مستشرقین کا ایک اعتراض یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جب مصحف تیار کروایا تو انہوں نے سات قراءتوں میں سے چھ کو منسوخ کر دیا۔ اور لوگوں کو ایک ہی قراءت (حرف) پر جمع کر دیا۔ اس طرح ان کے بقول حضرت عثمانؓ نے ۱/۷ قرآن باقی رہنے دیا اور ۶/۷ ضائع کر دیا۔ [۵۴] اس اعتراض کا جب ہم

Marfat.com

تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے یا تو مستشرقین کی کم علمی کارفرما ہے یا ان کی دانستہ حقائق سے چشم پوشی۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات اصل مسئلے کی وضاحت کرتے ہیں:

۱۔ مستشرقین یہ سمجھتے ہیں کہ شاید قرآن کا ہر ہر لفظ سات سات طریقوں سے پڑھنے کی اجازت تھی۔ حالانکہ اصل صورتِ حال ایسی نہ تھی۔

۲۔ سبعہ احرف محض الفاظ کی ادائیگی کا فرق تھا۔ ایک لفظ دوسرے لفظ کے مترادف تھا۔ سات میں سے کوئی ایک اختیار کرلیا گیا تو قرآن کا لفظ ادا ہو گیا۔ اس فرق سے معانی کا بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

۳۔ اس نقطہ نگاہ کا اصل جواب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تو لوگوں کو متواتر اور ثابت شدہ قراءتوں پر جمع کیا تھا۔ یہ حقیقت ہی کے برعکس ہے کہ انہوں نے سات قراءتیں یا سبعہ احرف کو ختم کر کے ایک ''حرف'' پر لوگوں کو جمع کیا تھا۔

ایسا رسم الخط اختیار کیا گیا تھا کہ اس میں وہ ساری قراءتیں اور حروف سما سکیں۔ آپ نے یہ اہتمام اس لئے کیا تھا، بلکہ صحیح تر لفظوں میں آپ کے مصحف کا مقصد یہ تھا کہ شاذ قراءتوں کے پھیلنے کا سدِ باب کیا جائے اور جائز و ثابت شدہ قراءتوں میں قرآن کو محدود کیا جائے۔ (۵۵)

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

وأما قول من قال أبطل الأحرف الستة فقد كذب من قال ذلك ولو فعل عثمان ذلك أو أراده لخرج عن الإسلام ولما مطل ساعة بل الأحرف السبعة كلها موجودة عندنا قائمة كما كانت مثبوتة في القراء ات المشهورة الماثورة. (۵۶)

رہا یہ قول کہ حضرت عثمانؓ نے ''چھ حروف'' کو منسوخ کر دیا تو جس نے یہ بات کہی ہے اس نے بالکل غلط کہا ہے۔ اگر آپؓ ایسا کرتے یا ایسا کرنے کا ارادہ کرتے تو ایک ساعت کے توقف کے بغیر اسلام سے خارج ہو جاتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ساتوں کے سات حروف ہمارے پاس بعینہ موجود و مشہور اور قراءتوں میں محفوظ ہیں۔

علامہ بدر الدین الزرکشی، امام ابو الحسن علی اشعری کا قول نقل کرتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ ساتوں حروف ہماری موجودہ قراءات میں موجود ہیں۔ (۵۷) علامہ زرکشی نے

Marfat.com

قاضی ابوبکر کا قول نقل کیا ہے:

الصحیح أن هٰذه الأحرف السبعة ظهرت و استفاظت عن رسول الله ﷺ وضبطها عنه الأئمة وأثبته عثمان و الصحابة فی المصحف. (۵۸)

صحیح بات یہ ہے کہ یہ ساتوں حروف حضور اکرم ﷺ سے شہرت کے ساتھ منقول ہیں ائمہ نے انہیں محفوظ رکھا ہے اور حضرت عثمانؓ اور صحابہ کرامؓ نے انہیں مصحف میں باقی رکھا۔

اس سلسلے میں علامہ زاہد الکوثری لکھتے ہیں:

ورأى القائلين بأن عثمانؓ جمع الناس علی حرف واحد ومنع من الستة الباقية لمصلحة، وإليه نحاابن جرير وتهيبه أناس فتابعوه، لكن هذا رأى خطير قام ابن حزم بأشد النكير عليه فی الفصل وفی الإحكام وله الحق فی ذلك. (۵۹)

جن لوگوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سات حروف میں سے چھ کو منسوخ کر کے ایک حرف پر لوگوں کو جمع کر دیا تھا تو ان لوگوں نے یہ ابن جریر طبریؒ کے مقام سے متاثر ہو کر یہ رائے قائم کر لی ہے کہ اس وقت قرآن مجید میں سبعہ احرف میں سے صرف ایک ہی حرف موجود ہے۔ ابن جریر کی رائے نہایت سنگین اور خطرناک ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے تیار کردہ مصاحف کے علاوہ دیگر مصاحف کو جلا دیا تھا، تو اس سے قرآن کے متن میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

باقی مصاحف کو جلا دینے کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ لیکن اسے ایک امر واقع بھی مان لیا جائے تو یہ کاروائی نہایت ناگزیر تھی۔ کیونکہ قراءت کے اختلاف کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے اور ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے تھے اگر سرکاری اور متفقہ نسخے کے علاوہ باقی نسخے باقی رکھے جاتے تو حضرت عثمان کی ساری محنت ضائع ہو جاتی اور لوگ اسی طرح اختلافات کا شکار رہتے۔ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس نسخے کو متفقہ نسخے کے طور پر متعارف کروایا جاتا جو باقی نسخوں کی موجودگی میں ممکن نہ تھا۔ پھر یہ کہ اس کاروائی سے قرآن مجید کے ایک شوشے پر بھی کوئی اثر نہیں پڑا اس لیے کہ قرآن مجید لوگوں کے سینوں میں موجود تھا۔ اس صورت میں کسی چیز کے ضائع ہونے کا امکان نہیں ہوسکتا تھا۔

Marfat.com

باقی مصاحف کو جلا دینے کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے نسخہ کو چیلنج نہ کیا جا سکے۔ اگر آپ کا مقصد یہی ہوتا کہ آپ کے نسخہ کو چیلنج سے بچایا جائے تو آپ کبھی بھی حضرت حفصہؓ کا نسخہ انہیں واپس نہ کرتے اور یہ سرکاری تحویل میں آ جاتا۔ حضرت حفصہؓ اگرچہ ام المؤمنین ہیں لیکن ان کی کوئی سرکاری حیثیت نہ تھی۔ اس بات کا جواز موجود تھا کہ آپ امت کے اجتماعی مفاد کا حوالہ دے کر اس نسخہ کو اپنے ہی پاس رکھ لیتے۔ یہ نسخہ ۲۴ ہجری سے لے کر ۶۴ یا ۶۵ ہجری تک موجود رہا۔

اس نسخے کی موجودگی میں حضرت حفصہؓ اور دیگر حفاظِ کرام کسی بھی طرح کا تصرف برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس پورے عرصے میں ہمیں کہیں سے بھی ایک آواز بلند ہوتی ہوئی سنائی نہیں دیتی کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید کے نسخے جلا دیے۔

یہ بات عملاً بھی ناممکن تھی کہ حضرت عثمانؓ کی پولیس آناً فاناً پوری مملکت میں حرکت میں آ گئی ہو اور اس نے تمام لوگوں سے جبراً قرآن مجید برآمد کروا کے جلا دیے ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ نہ ایسا ہوا اور نہ ایسا ممکن تھا۔

باقی مصاحف کے جلا دیے جانے کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے علامہ زرکشی لکھتے ہیں:

وأما تعلق الروافض بأن عثمان أحرق المصاحف فإنه جهل منهم وعمى فإن هذا من فضائله وعلمه فإنه أصلح وكان ذلك واجبا عليه ولو تركه لعصى لما فيه من التضييع وحاشاه من ذلك وقولهم إنه سبق إلى ذلك ممنوع لما بيناه أنه كتب فى زمن النبى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فى الرقاع والأكتاف وأنه فى زمن الصديق جمعه فى حرف واحد. قال وأما قولهم إنه أحرق المصاحف فإنه غير ثابت ولو ثبت لوجب حمله على أنه أحرق مصاحف قد أودعت ما لا يحل قراء ته. وفى الجملة إنه إمام عدل غير معاند ولا طاعن فى التنزيل ولم يحرق إلا ما يجب إحراقه ولهذا لم ينكر عليه أحد ذلك بل رضوه وعدوه من مناقبه حتى قال على لو وليت ما ولى عثمان لعملت بالمصاحف ما عمل.(۶۰)

جہاں تک روافض کی اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف کو جلا دیا تھا تو یہ ان کی

Marfat.com

جہالت اور اندھا پن (حقائق سے آنکھیں بند کر لینا) ہے یہ تو ان کے فضائل اور علم میں شمار ہوتا ہے۔ بے شک انہوں نے یہ اچھا کارنامہ انجام دیا کہ بگاڑ کی اصلاح کر دی اور یہ کام (بحیثیت خلیفہ) ان پر لازم تھا۔ اگر وہ یہ کام نہ کرتے تو یہ غلط کام ہوتا۔ کیونکہ (اس صورت حال میں) قرآن مجید کے ضائع ہو جانے کا خدشہ تھا اور وہ اس سے بچنا چاہتے تھے۔ اور ان کا یہ قول کہ حضرت عثمانؓ نے قرآنی مصاحف جلا ڈالے تھے، ثابت نہیں ہے اور اگر یہ ثابت ہو بھی جائے تب بھی ہم اس فعل کو اسی پر محمول کریں گے کہ انہوں نے ان ہی مصاحف کو جلایا جن میں ایسی قراءتیں موجود تھیں جن کا پڑھنا جائز نہ تھا۔ مختصر یہ کہ حضرت عثمانؓ امام عادل تھے، حق یا قرآن کے مخالف نہ تھے اور تنزیل کے بھی مخالف نہ تھے۔ انہوں نے اسی چیز کو جلایا جس کا جلانا ان پر واجب تھا۔ اسی لیے کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ اس سلسلے میں سب متفق ہوئے اور جمع قرآن کو سب نے ان کے مناقب میں شمار کیا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے فرمایا اگر مجھے عثمان کی طرح والی بنایا جاتا تو مصاحف میں وہی کچھ کرتا جو عثمانؓ نے کیا۔

حضرت عثمان نے اس کام کو شروع کرنے سے پہلے اکابر صحابہؓ کو جمع فرمایا اور ان سے مشورہ کیا۔ آپؓ نے فرمایا:

مجھے یہ خبر ملی ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے کو اس قسم کی باتیں کہتے ہیں کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے اور یہ بات کفر کی حد تک پہنچ سکتی ہے لہذا اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے ان سے پوچھا، آپ نے کیا سوچا ہے؟ آپ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیں تاکہ کوئی اختلاف و انتشار پیش نہ آئے۔ صحابہ کرامؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور حضرت عثمانؓ کی تائید کی۔ (٦١)

حضرت عثمانؓ والے نسخہ پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہوا تھا۔ چنانچہ علامہ مقری اپنی کتاب نفح الطیب میں لکھتے ہیں:

هذا ما أجمع عليه جماعة من أصحاب رسول الله ﷺ منهم زيد بن ثابت وعبد الله بن الزبير وسعيد بن العاص. (٦٢)

یہ وہ مصحف ہے جس پر اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت نے اجماع فرمایا تھا۔ ان صحابہ کرامؓ میں زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور سعید بن العاصؓ ہیں۔

Marfat.com

سطور سابقہ میں جو حقائق پیش کیے گئے ہیں ان سے یہ باتیں واضح ہو رہی ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو کاروائی ہوئی وہ بلا جواز نہ تھی۔ اس کی ضرورت دینی اعتبار سے بھی تھی اور عقل اور منطق بھی اس کی متقاضی تھی۔ یہ کام آپ نے صرف اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ صحابہؓ کا مشورہ بھی اس میں شامل تھا۔

حضرت علی کو حضرت عثمان کے کام سے کوئی اختلاف نہیں تھا، جیسا کہ فتح الباری میں ہے:

قَالَ عَلِیّ :لَا تَقُولُوا فِی عُثْمَانَ إِلَّا خَیرًا فَوَاللّٰهِ مَا فَعَلَ الَّذِی فَعَلَ فِی الْمَصَاحِفِ إِلَّا عَنْ مَلَأٍ مِنَّا "قَالَ مَا تَقُولُونَ فِی هَذِهِ الْقِرَاءَةِ ؟ فَقَدْ بَلَغَنِی أَنَّ بَعْضَهُمْ یَقُولُ إِنَّ قِرَاءَتِی خَیْرٌ مِنْ قِرَاءَتِکَ وَهَذَا یَکَادُ أَنْ یَکُونَ کُفْرًا ، قُلْنَا : فَمَا تَرَی ؟ قَالَ : أَرَی أَنْ نَجْمَعَ النَّاسَ عَلَی مُصْحَفٍ وَاحِدٍ فَلَا تَکُونَ فُرْقَةٌ وَلَا اِخْتِلَافٌ .قُلْنَا : فَنِعْمَ مَا رَأَیْتَ . (۶۳)

حضرت علیؓ نے فرمایا حضرت عثمانؓ کے بارے میں بھلائی کے علاوہ کوئی بات نہ کہو کیونکہ مصاحف کے بارے میں انہوں نے جو کیا وہ ہماری موجودگی میں کیا۔ انہوں نے ہم سب سے مشورہ کیا کہ ان قراءتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیونکہ مجھے اطلاعات مل رہی ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے۔ حالانکہ یہ ایسی بات ہے جو کفر کے قریب تک پہنچتی ہے۔ اس پر ہم نے ان سے کہا کہ پھر آپ کی رائے کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تا کہ کوئی افتراق و اختلاف باقی نہ رہے۔ ہم سب نے کہا آپ نے بڑی اچھی رائے قائم کی۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ جنھوں نے قرآن دو مرتبہ لکھا، دونوں کے عہد میں حضرت علیؓ موجود تھے۔ لیکن کبھی بھی قرآن کے بارے میں حضرت علیؓ نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنھم میں سے کسی کا دور بھی جبر و تشدد کا دور نہ تھا کہ حضرت علیؓ مجبوراً چپ ہو گئے ہوں۔ نہ ہی اس بات کا امکان ہو سکتا تھا کہ قرآن سے آیات و مضامین حذف کیے جا رہے ہوں اور لوگ خاموشی سے بیٹھے ہوں۔

اگر حضرت علیؓ تینوں خلفاء کے دورِ حکومت میں کچھ نہ کر سکے تو بعد میں جب وہ خود خلیفہ بنے تو

Marfat.com

اس وقت بھی تو وہ سب کچھ کر سکتے تھے۔ اس وقت تو انہیں کوئی روکنے والا نہ تھا۔ بلکہ وہ ایسا کر دیتے کہ (بقول مستشرقین) اصل قرآن، امت کو لوٹا دیتے تو وہ امت کے ہیرو بن جاتے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ امت نے ''جامع القرآن'' کا خطاب تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کو دیا ہے۔ حضرت علیؓ امت سے کہہ سکتے تھے کہ لوگو! یہ ہے قرآن کا وہ حصہ جو پہلے تینوں خلفاء نے غائب کر دیا تھا اور اس کا صرف مجھے ہی علم تھا۔ ہم تو اس کے بالکل برعکس دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پورے عہد حکومت میں اس کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ بلکہ ہمیں تو اس کے بالکل برعکس بیانات ملتے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حضرت علیؓ جرأت مند انسان تھے۔ کیا کوئی شخص یہ بات گوارا کر سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں کوئی تاثر قائم کرے کہ انہوں نے تحریفِ قرآن کی کاروائی آنکھوں سے دیکھ لی اور کسی کو روکا تک نہیں اور یا تو بزدلی یا مصلحت کا مظاہرہ کیا۔ قرآنِ مجید تو ان کے بارے میں کہتا ہے:

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔ (۶۴)

وہ جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت پر خوفزدہ نہیں ہوتے۔

رمضان کی راتوں میں جب ابی ابن کعبؓ لوگوں کو امامت کرواتے اور قرآن مجید سناتے تھے، اس وقت حضرت علیؓ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ اگر قرآن میں کوئی ردّ و بدل ہوا ہوتا تو آپؓ اسی وقت اعتراض کر سکتے تھے۔

یہ بات بڑی مضحکہ خیز ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن میں ردّ و بدل کر دیا تھا۔ اگر بالفرض یہ مان لیں کہ حضرت عثمانؓ نے جبر کے ذریعے قرآن کے قدیم نسخے معدوم کر دیئے تو یہ بات دیکھنا ضروری ہے کہ آیا حضرت عثمانؓ کا دخل اس قدر بڑھا ہوا تھا اور ان کی طاقت اس قدر وسیع ہو گئی تھی کہ اتنی بڑی قوم کے قبضہ اور حافظہ سے ہر ایک سورت اور ہر آیت کو انہوں نے مٹا دیا۔

اگر ہم بطور تنزل اتنا بھی مان لیں کہ ان میں سے کسی مسلمان کو حضرت عثمانؓ کے نسخہ قرآن کا کوئی نقص معلوم ہوا تھا، تو وہ اتنا ضرور کرتا کہ (اور یہ کرنے میں اس کیلئے کوئی دقت بھی نہ تھی) جو صحیح نسخہ اس کے پاس یا کسی اور کے پاس معلوم ہوتا، اس کو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں چھپا کر ہی محفوظ کر لیتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو حضرت عثمانؓ کی وفات کے ساتھ ہی اس ''صحیح نسخے'' کی نقلیں فوراً پھیل جاتیں۔ خصوصاً عہدِ علیؓ میں تو اس کو کوئی رکاوٹ نہ ہوتی۔

Marfat.com

مصحفِ عثمانیؓ کی بنیاد وہ نسخہ تھا جو اُس وقت حضرت حفصہؓ کی نگرانی میں تھا۔ عقل کہتی ہے اگر حضرت عثمانؓ نے قرآن میں تغیر و تبدل کر دیا تھا تو پھر حضرت حفصہؓ کو ان کا مصحف کبھی واپس نہ کیا جاتا۔ کیونکہ اس کی موجودگی میں تو حضرت عثمانؓ کی ساری کاروائی رائیگاں جاسکتی تھی۔

حضرت حفصہؓ نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ اے عثمان! آپ نے تو ایک نیا قرآن تیار کر لیا ہے کہ حالانکہ میرا مصحف تو کچھ اور تھا۔

''حضرت عثمانؓ نے باقی تمام مصاحف نذر آتش کر دیئے'' اور اس کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے تیار کروائے ہوئے نسخے کو کوئی چیلنج نہ کر سکے۔ لیکن اتنی بات تو تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے کہ حضرت حفصہؓ والا نسخہ مروان بن حکم کے دور تک موجود تھا۔ حضرت عثمانؓ کے قرآن کے نسخ کی تیاری (۲۴ تا ۳۵ھ اور مروان کی کاروائی ۶۴ھ تا ۶۵ھ) کے درمیان کئی برس کا عرصہ گزرا۔ اگر حضرت عثمانؓ نے قرآن میں تغیر تبدل کروا دیا تھا تو حضرت حفصہؓ کا نسخہ، قرآن کی اصل کی صورت میں موجود تھا۔ اس سے فوراً اصل کی کاپیاں تیار کروائی جاسکتی تھیں۔

یہ بات بھی نا قابل تسلیم ہے کہ حضرت عثمانؓ کا دور جبر و تشدد کا دور تھا ایسا خیال کرنا تاریخی غلطی ہوگی۔ جس خلیفہ نے صرف اس لئے بلوائیوں کے ہاتھوں شہادت قبول کر لی کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ان کی حفاظت کیلئے ان کے دروازے پر کھڑا ہو۔ اور ان کی حفاظت کرتے ہوئے کسی مسلمان کی جان ضائع ہو، وہ ہستی ''محض ذاتی مقاصد کے تحت تیار کردہ قرآن'' کو لوگوں میں مروّج کرنے کیلئے لوگوں پر تشدد کر سکتا تھا؟

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد حضرت حفصہؓ والے نسخے سے اصل قرآن حاصل نہ کیا جاسکا کیونکہ حضرت عثمانؓ کے اثرات بڑے گہرے تھے۔ تو یہ بات بھی خلافِ واقعہ ہے۔ کیونکہ جو خلیفہ بلوائیوں کے ہاتھوں، کسی میدان میں نہیں بلکہ اپنے گھر میں شہید ہو رہا ہے اور اس کی شہادت کا بدلہ بھی نہیں لیا جا رہا، جبر کے زیر اثر اس کے دور رس سیاسی اثرات کے بارے میں کیا تصور کیا جاسکتا ہے؟

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں میں خون ریز لڑائیاں ہو رہی تھیں، اس وقت بھی ان سب کا قرآن ایک ہی تھا۔ اگر اس میں حضرت عثمانؓ نے تغیر و تبدل کروایا تھا تو ان سب فرقوں

Marfat.com

کا ایک ہی قرآن پر متفق ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کی حضرت عثمانؓ نے قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے دیگر مصاحف ہی تلف کیے ہوں گے حافظوں سے تو قرآن محو نہیں کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے ''مصحف'' کے بارے میں علامہ ابن حزم لکھتے ہیں:

حضرت علیؓ جو شیعہ کے نزدیک بہت عظیم مقام رکھتے ہیں وہ پونے چھ برس تک برسر اقتدار رہے۔ ان کا حکم چلتا تھا۔ ان پر کیا دباؤ تھا کہ انہوں نے اصل قرآن جاری نہیں فرمایا۔ امام حسنؓ کو بھی خلافت ملی۔ وہ بھی امام معصوم سمجھے گئے ہیں اس سب باتوں کے باوجود کسی کو یہ کس طرح جرأت ہوسکتی ہے کہ ایسی بات کہے۔ (۶۵)

علامہ فرماتے ہیں:

قرآن میں کوئی حرف زائد یا کم یا تبدیل ہونا، ہم کیسے تسلیم کرسکتے ہیں جب کہ قرآن میں تغیر کی وجہ سے ان حضرات پر جہاد، اہل شام سے لڑائی سے زیادہ ضروری اور اہم تھا۔ (۶۶)

کیا حضرت عثمانؓ نے اہل بیت اور حضرت علیؓ سے متعلق آیات قرآنِ مجید میں سے نکال دی تھیں، مستشرقین کے اس موقف کا جواب ہم انہی کے ساتھی ولیم میور کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ ولیم میور لکھتے ہیں:

یہ اعتراض عقل کے سراسر منافی ہے۔ خصوصاً بنوامیہ اور دوست دارانِ علیؓ کے درمیان مخاصمت ومناقشات پر نظر کرتے ہوئے کہ اتنے شدید اختلافات کے باوجود دوستداران علیؓ اسی قرآن پر متفق رہے جسے بعد میں انہی لوگوں نے صحیفہ عثمانیؓ سے نامزد کردیا۔ نہ صرف یہ بلکہ آج تک تمام شیعہ سنی فرقے قرآن کی صیانت وعصمت پر متفق ہیں۔ (۶۷)

پھر حضرت ابوبکرؓ وعثمانؓ دونوں عہدوں میں اسی قرآن پر اکتفا کیا گیا اور حضرت علیؓ بھی موجود تھے لیکن آپ نے کوئی معارضہ نہیں فرمایا۔ میور لکھتے ہیں آخر حضرت عثمانؓ کے لئے تحریف میں کون سے مفاد وابستہ تھے۔ خصوصاً جب کہ ایسے اقدام کی صورت میں انہیں مسلمانوں کی برہمی کا اندیشہ بھی ہوسکتا تھا۔ (۶۸)

ولیم میور لکھتے ہیں:

۱۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب قرآن پر نظر ثانی ہوئی اور پھر اسے شائع کیا گیا تو ان مسلمانوں کی بھی کثیر تعداد موجود تھی جو حضورﷺ کی زندگی میں حضورﷺ سے اسی طرح قرآن کو سنتے

Marfat.com

رہے جس طرح عثمانؓ نے دوبارہ حضرت زیدؓ وغیرہم کو دکھا کر شائع کیا۔ اوران صحابہؓ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔(۶۹)

۲۔ اگر حضرت علیؓ کی عصمت پر قرآن کی آیات نازل ہوئی ہوتیں جن پر خود حضرت علیؓ بر بنائے مصلحت خاموش ہو گئے تو لازم تھا کہ حضرت علیؓ کے انصار واصحاب ہی حضرت عثمانؓ کی اس زیادتی پر فریاد کرتے۔(۷۰)

آخر میں ولیم میور لکھتے ہیں: پس ہمارے ان معارضات سے ثابت ہے کہ موجودہ قرآن سے کوئی ایسی آیت نظر انداز نہیں کی گئی جو حضرت علیؓ کی عصمت پر دال ہو۔

اس سلسلے میں ولیم میور کا تیسرا معارضہ یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کی بیعت ہوئی جو حضرت علیؓ کے غلبہ کی بیّن دلیل ہے۔ کیا عقل باور کر سکتی ہے کہ اصحابِ علیؓ ناقص قرآن پر اکتفا کر لیتے اور ناقص بھی ایسا جس سے ان امام (حضرت علیؓ) کی فضیلت کی آیات قلم زد کر دی گئی ہوں۔ آخر محبان علیؓ ایسے قرآن پر کیوں متفق ہو گئے جو ان کے مخالف اور ان کے پیشواؤں کے مقاصد بیان کرنے میں ناقص رہا۔ وہ لوگ تو اسے دینی دستاویز کے طور پر پڑھتے رہے اور اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔(۷۱) حضرت علیؓ نے اسی قرآن کو پھیلانے کا حکم دیا۔ خود اپنے بھی قلم سے اس کے نسخے لکھے اور انہیں دور دراز علاقوں میں پھیلایا۔

ان تمام تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے اپنے مصحف میں کوئی ردوبدل نہیں کیا۔

بخاری، باب اذا طلقتم النساء میں ہے کہ حضرت ابن زبیر سے مروی وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت والذین یتوفون منکم ویذرون أزواجاً یتربصن بأ نفسهن أربعة أشهر وعشراً(۷۲) کو دوسری آیت نمبر ۲۴۰ نے منسوخ کر دیا اس لیے آپ اس آیت کو نہ لکھیں تو حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ "اے میرے بھتیجے میں قرآن کی کسی چیز کو اس کی جگہ سے نہیں بدلوں گا۔"(۷۳)

مسلمانوں کا تو بحیثیت قوم مزاج ہی ایسا ہے کہ تحقیق اس کے رگ وریشے میں رچی بسی ہے۔ انہوں نے تدوین حدیث کے سلسلے میں جو تحقیقی روایت چھوڑی ہے اس کی نظیر کسی قوم کے پاس نہ موجود

Marfat.com

تھی اور نہ ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں خود اہل مغرب کے اعترافات بھی موجود ہیں اور اپنوں نے تو اس کی تعریف کی ہی ہے۔ اس پس منظر میں کوئی دیانتدار محقق یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید میں تبدیلیاں کر دیں اور لوگ خاموش تماشائی بنے رہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے خطبات بہاولپور میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ جرمنی کے چند پادریوں نے سوچا کہ آرامی زبان میں انجیل تو اب مفقود ہے اس لیے یونانی زبان میں موجود انجیل جس کے تراجم ہماری زبان میں ہوئے ہیں، اس کے یونانی مخطوطات کو جمع کیا جائے اور پھر ان کا باہم تقابل کیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے یونانی زبان کے مخطوطات جمع کیے اور ان کے ایک ایک لفظ کا مقابلہ کیا۔ ان لوگوں کی تیار کردہ رپورٹ اس طرح تھی: ''انجیل کے متن کی دولاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں''۔ اس کے بعد یہ جملہ بھی موجود تھا: ''ان میں سے ۱/۷ اہم ہیں''۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ یہ ۱۹۳۳ء کی بات ہے۔ یہ کام سرانجام دینے والے پادریوں کے ایک ڈائریکٹر نے ڈاکٹر حمید اللہ سے ملاقات کے دوران انہیں بتایا کہ ان کے پاس بیالیس ہزار قرآن مجید کے نسخوں کے فوٹو موجود ہیں وہ ان نسخوں کا باہمی تقابل کر رہے تھے کہ جس طرح انجیل کے نسخوں میں سے اختلافات سامنے آئے ہیں قرآن میں سے بھی اختلافات ثابت کر سکیں۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران امریکہ کی بمباری کے نتیجے میں وہ عمارت تو تباہ ہوگئی جہاں یہ کام سرانجام دیا جا رہا تھا اور ابھی یہ کام مکمل نہیں ہو پایا تھا۔ لیکن جنگ سے تھوڑا وقت پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی اس میں یہ بیان کیا گیا کہ ابھی کام مکمل تو نہیں ہوا لیکن قرآن کے ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ہیں لیکن متن میں کوئی بنیادی اختلاف نظر نہیں آیا۔

اس اختلاف کو ڈاکٹر حمید اللہ یوں واضح کرتے ہیں کہ کتابت کی ایک غلطی اگر ایک نسخے میں ہے تو دوسرے میں تو نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک نسخہ میں بسم اللہ الرحیم ہے تو ایک ہی نسخہ میں ہوگی دیگر تمام نسخوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھا ہوگا۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک ہی غلطی کئی نسخوں میں موجود ہو۔(۷۴)

ڈاکٹر حمید اللہ نے بیان کیا ہے کہ اگرچہ عیسائی حضرات کی طرف سے چار مشہور اناجیل کا ذکر ہے لیکن ستر سے زیادہ اناجیل پائی جاتی ہیں، ان میں سے چار معتبر اور باقی غیر معتبر ہیں۔ یہ اناجیل بھی درحقیقت حضرت عیسیٰؑ کی سوانح عمریاں ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں اگرچہ عیسائی حضرات والٹیر (Voltair) کے اس بیان کو درست تسلیم نہیں کرتے کہ ایک میز پر تمام اناجیل کو رکھا گیا پھر اسے ہلایا گیا

Marfat.com

اور چار اناجیل ان میں سے نیچے گر گئیں اور انہی چار کو معتبر مان لیا گیا اور باقی غیر معتبر ٹھہریں۔ لیکن یہ بات سب ہی مسیحی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی لکھوائی ہوئی کوئی بھی انجیل دنیا میں موجود نہیں۔ جو اناجیل ملتی ہیں وہ حضرت عیسی علیہ السلام کی سوانح عمریاں ہیں جو دوسروں نے لکھی ہیں۔ (۷۵)

۞۞۞

حواشی وحوالہ جات

۱۔ الحجر:۹ ۲۔ حم السجدۃ:۴۲

۳۔ برکت اللہ، پادری: صحت کتب مقدسہ، لاہور: پنجاب ریلی جس بک سوسائٹی، ۱۹۶۹ء، ۲۹۰

۴۔ برکت اللہ: صحتِ کتبِ مقدسہ، ۲۹۷، ۲۹۸

۵۔ حوالہ مذکور، ۲۹۸، ۲۹۹ ۶۔ حوالہ مذکور، ۳۰۶۔۳۱۱، بالاختصار

۷۔ القیامۃ، ۱۷۔۱۸ ۸۔ العنکبوت:۴۹

۹۔ الطّور:۱۔۳ ۱۰۔ الواقعۃ:۷۷۔۷۹

۱۱۔ البینۃ/ ۲، ۳؛ البروج، ۲۱، ۲۲؛ عبس، ۱۳۔۱۶

۱۲۔ الفرقان/ ۲۵ ۱۳۔ الفرقان/ ۳۲

۱۴۔ ابن منظور: لسان العرب، ۱۱/ ۲۶۵، مادہ: رتل

۱۵۔ الزمخشری، جار اللہ أبو القاسم: اساس البلاغۃ، ۱/ ۱۵۹، مادہ: رتل

۱۶۔ الدارقطنی، السنن، باب فی نہی المحدث عن مس القرآن، ۱/ ۱۲۳؛ الہیثمی، نور الدین، مجمع الزوائد، ۶۱/۹

۱۷۔ طبرانی، المعجم الوسیط، مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۹۸۶، ۲/ ۵۴۴، حدیث نمبر ۱۹۳۴؛ الہیثمی، نور الدین، مجمع الزوائد، باب عرض الکتاب بعد املاء ہ، ۱/ ۱۵۶، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۹۶۷ء

Marfat.com

۱۸۔ الترمذی، السنن، ابواب تفسیر القران، باب ومن سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر ۳۰۸۶، صفحہ ۱۹۶۳؛ ابنِ حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۸/۹

۱۹۔ بخاری، الجامع، کتاب فضائل القران، باب کاتب النبی ﷺ، حدیث نمبر ۴۹۹۰، ۴۹۸۹ اور الاتقان میں موجود ہیں؛ سیوطی، الاتقان، ۱/۱۵۴

۲۰۔ النحل ۱۶: ۹۰؛ مسند أحمد: حدیث نمبر (۱۷۹۱۸) ۱۸۰۸۱؛ الاتقان، نوع ۱۸

۲۱۔ بخاری، الجامع، کتاب فضائل القرآن، باب کاتب النبی ﷺ، حدیث نمبر ۴۹۹۰

۲۲۔ ابن الجزری: النشر فی القراء ات العشر، ۱/۶؛ السیوطی: الاتقان، ۱/۷۳، ۷۴؛ طاہر الکردی، تاریخ القرآن، ۶۰

۲۳۔ السخاوی، علم الدین، جمال القراء، طبع دار المامون، بیروت ۱۹۹۷، ۲/۲، ۵

۲۴۔ بخاری، الجامع، کتاب فضائل القرآن، باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی، حدیث نمبر ۴۹۹۸، ۴۹۹۷

۲۵۔ السیوطی: الاتقان، النوع الثامن عشر

۲۶۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب معاذ ابن جبل، حدیث نمبر ۳۷۹۴، ۲۰۴۲؛ یہی بات زرقانی نے مناہل العرفان میں بیان کی ہے، دیکھیے: ۱/۲۴۲؛ بخاری، الجامع، کتاب مناقب الانصار، باب مناقب زید ابن ثابت، حدیث نمبر ۳۸۱۰، ۳۷۹۴

۲۷۔ الطحاوی: شرح مشکل الآثار، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهِ " :خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ "فَذَكَرَ أَرْبَعَةً مِمَّنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ دُونَ مَنْ سِوَاهُمْ مِمَّنْ قَدْ جَمَعَهُ، ۱۴ / ۲۲۰؛ ابن حجر :فتح الباری ، باب القرآء من أصحاب النبی ﷺ

۲۸۔ الطبری، محمد بن جریر: جامع البیان فی تأویل القرآن، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ، القول فی اللغۃ التی نزل بها القرآن، ۱/۶۳؛ السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن عشر فی جمعه وترتیبه

Marfat.com

۲۹۔ الطبری: حوالہ مذکور

۳۰۔ ابن حجر: تقریب التہذیب، دار المعرفۃ، بیروت، ۲۷۲/۱

۳۱۔ ایضاً، ۵۴۳/۱

۳۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب من قال لم یَترُکِ النبی ﷺ، حدیث نمبر ۵۰۱۹، ۴۳۵

۳۳۔ ایضاً

۳۴ Jeffery, A, *Material for the history of the text of Quran*, 1 (preface)

۳۵۔ المائدۃ: ۶۷

۳۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن، حدیث نمبر ۴۹۹۳

۳۷۔ مسلم: الجامع الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ، باب الدلیل لمن قال الصلوۃ الوسطی ھی صلوۃ العصر، حدیث نمبر ۱۴۲۷، ۷۷۵

۳۸۔ الطبرانی: المعجم الکبیر: حدیث نمبر: ۶۰۱؛ السیوطی: الاتقان، النوع و الخامس الثلاثون، ۶۹۴/۲

۳۹۔ البیہقی: شعب الایمان، فصل فی قراءۃ القرآن من المصحف، حدیث نمبر ۲۰۲۵، ۵۰۶/۳

۴۰۔ الرازی، ابو الفضل: فضائل القرآن وتلاوتہ، باب فی أن من نظر فی المصحف متعہ اللہ ببصرہ، ۱۸

۴۱۔ ان کے قرآن جمع کرنے کا تذکرہ تہذیب التہذیب ۲۴۳/۷ میں موجود ہے۔

۴۲۔ ان کے جمع قرآن کا ذکر الاستیعاب ۵۶۵/۲ میں کیا گیا ہے۔

۴۳۔ ان کا ذکر بھی الاستیعاب ۴۸۵/۲ پر موجود ہے۔

۴۴۔ بخاری: الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب القرآء من اصحاب رسول اللہ ﷺ، حدیث نمبر ۵۰۰۳ و ۵۰۰۴

۴۵۔ ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، ۱۱۲/۲

۴۶۔ العینی: عمدۃ القاری شرح البخاری، باب القرآء من اصحاب النبی ﷺ،

Marfat.com

کتاب فضائل القرآن
۴۷۔ ابن ندیم: الفہرست، الجماع للقرآن علی عہد رسول اللہ ﷺ، ۳۰
۴۸۔ السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، النوع العشرون فی معرفة حفاظه
۴۹۔ ترمذی: الجامع ، کتاب الجهاد، باب ماجاء فی د فن الشهداء، حدیث نمبر۱۷۱۳، ۱۸۲۷
۵۰۔ ابن کثیر، البدایه و النهایه، ۵/ ۳۳۹ تا ۳۵۵؛ ابن عبدالبر، استیعاب فی معرفة الاصحاب، ۱/ ۵-۱؛ مصطفیٰ الاعظمی، کتاب النبیؐ، طبعہ بیروت، ۱۹۷۴ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی بہت سے کاتب صحابہ کا ذکر کیا ہے فتح الباری، ۹/ ۱۸؛ ابن قیم، زادالمعاد، مطبعہ میمنیہ، مصر، ۱/ ۳۰
۵۱۔ ابن الجزری: النشر فی القراء ات العشر، المطبعة التجارية الكبرى، ۱/ ۴۵۸
۵۲۔ الآلوسی: روح المعانی ،بیروت: دار إحیاء التراث العربی، ۱/ ۳۰
۵۳۔ ناصر، کے ایل، پادری، قرآن شریف کے متن کا تاریخی مطالعہ ،گوجرانوالہ، (س۔ن)، ۲۵
۵۴۔ الزرقانی: مناہل العرفان، ۱/ ۲۵۴، ۲۵۳ ۵۵۔ ایضاً
۵۶۔ ابن حزم: الفصل فی الملل والأهواء والنحل، ۱/ ۱۷۶
۵۷۔ الزرکشی: البرهان فی علوم القرآن ،دار إحیاء الکتب العربیة، بیروت، ۱/ ۲۴۰، النوع الثالث عشر فی بیان جمعه
۵۸۔ ایضا، النوع الحادی عشر، ۱/ ۲۲۳
۵۹۔ الکوثری، محمد زاہد: مقالات الکوثری، ۱/ ۳۹
۶۰۔ الزرکشی: البرهان فی علوم القرآن ،النوع الثالث عشر فی بیان جمعه، ۱/ ۲۴۰
۶۱۔ ابن حجر: فتح الباری، باب جمع القرآن، حدیث نمبر ۴۶۰۴، ۹/ ۱۵
۶۲۔ المقری، نفخ الطیب، ۱/ ۳۹۸
۶۳۔ ابن حجر: فتح الباری، باب جمع القرآن، حدیث نمبر ۴۶۰۴، ۹/ ۱۵

Marfat.com

۶۴۔ المائدۃ:۵۴

۶۵۔ ابن حزم:الفصل فی الملل والأھواء والنحل، ۲/۷۸

۶۶۔ ایضاً

۶۷۔ Muir, William, *Life of Mahomet*, Smith, London, 1860, XIV

۶۸۔ *IBID* ۶۹۔ *IBID* ۷۰۔*IBID* ۷۱۔*IBID*

۷۲۔ البقرۃ:۲۴۰

۷۳۔البخاری،الجامع الصحیح، کتاب التفسیر،باب واِذا طلقتم النساء ،حدیث نمبر ۴۵۳۰

۷۴۔ حمیداللہ،ڈاکٹر:خطبات بہاولپور، ۲۰

۷۵۔ حمیداللہ،ڈاکٹر، خطبات بہاوں پور، ۱۵-۱۶،اسلامیہ یونی ورسٹی،بہاول پور، ۱۴۰۱ھ

Marfat.com

زبورِ حضرت داؤد علیہ السلام میں مذکور 'ابدی ممدوح الاُمم'

جناب عبدالستار غوری*

بائبل کے عہدنامہ قدیم میں توراۃ کے بعد مزامیر داؤدی کا بہت اہم مقام ہے۔ بالخصوص مسیحی عبادتی رسوم میں میں حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل شدہ حمدوں میں باب ۴۵ میں ایک حمد درج ہے۔ دیگر پیشین گوئیوں کی طرح اس حمد میں بھی تمثیلی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بزبانِ داؤد علیہ السلام ایک ایسی ہستی کی اطلاع دی ہے جو اپنی برکت کے باعث تا ابد ممدوح انسانیت اور صداقت، راستی، عفت وعصمت اور حشمت وقدرت کا شاہکار ہوگا۔

حضرت داؤد علیہ السلام اپنی 'زبور' کے باب ۴۵ میں فرماتے ہیں:

(۱) میرے دل میں ایک نفیس مضمون جوش مار رہا ہے۔ میں وہی مضمون سناؤں گا جو میں نے بادشاہ کے حق میں قلمبند کیے ہیں۔ میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے: (۲) تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے۔ اس لیے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا۔ (۳) اے زبردست، تو اپنی تلوار کو، جو تیری حشمت وشوکت ہے، اپنی کمر سے حمائل کر۔ (۴) اور سچائی اور حلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان وشوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو۔ اور تیرا داہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا۔ (۵) تیرے تیر تیز ہیں: وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگے ہیں۔ اُمتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں۔ (۶) اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ (۷) تو نے صداقت سے محبت رکھی اور بدکاری سے نفرت۔ اسی لیے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح

---

* معروف ماہر مطالعہ ادیان اور کئی اہم کتب کے مولف، لاہور

Marfat.com

کیا ہے۔(۸) تیرے ہر لباس سے مُر اور عُود اور تج کی خوشبو آتی ہے۔(...)۔(۹) تیری معزز خواتین میں شاہزادیاں ہیں۔(...)۔(۱۰) اے بیٹی سن۔ غور کر اور کان لگا۔ اپنی قوم اور اپنے باپ کے گھر کو بھول جا۔(۱۱) اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا کیونکہ وہ تیرا خداوند ہے۔ تو اُسے سجدہ کر۔(۱۲)(...)۔قوم کے دولت مند تیری رضا جوئی کریں گے۔(...)۔ (۱۶) تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے جانشین ہوں گے۔ جن کو تو تمام روے زمین پر سردار مقرر کرے گا۔(۱۷) میں تیرے نام کی یاد کو نسل در نسل قائم رکھوں گا۔ اِس لیے امتیں ابدالآباد تیری شکر گزاری['کنگ جیمز ورژن' کے مطابق 'حمد' (Praise)] کریں گی۔[۱]

'زبور' کے اس گیت کو بائبل کے اکثر مفسرین نے کسی بادشاہ کی شادی کا گیت قرار دیا ہے۔ وہ بادشاہ کون ہے؟ اس کی کوئی وضاحت نہیں کی جاتی۔ پھر اس بات کا بھی کوئی تسلی بخش جواب موجود نہیں کہ یہ گیت کس کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے؟ یہ تاویل متعدد ایسے سوالات کو جنم دیتی ہے جن کا جواب ممکن نہیں، لیکن بعض مفسرین و مترجمین نے اس حقیقت کا اقرار کیا ہے کہ یہ ایک پیشین گوئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے اس کا مصداق حضرت مسیح کو قرار دیا ہے۔

پہلی آیت اس نظم کی حیثیت اور مقصد اس طرح واضح کر دیتی ہے کہ کسی شک و شبہ کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ KJV میں اس کا انگریزی ترجمہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے:

My heart is inditing a good matter: I speak of the things which I have made touching [regarding] the king: my tongue is the pen of a ready writer.[۲]

NKJV اور RSV نے indicting جیسے متروک اور قدیم لفظ کے بجائے 'overflowing with' جیسے الفاظ کے ذریعے سے مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ NJB, NIV اور NWT وغیرہ نے 'stirred by' کے الفاظ استعمال کیے ہیں، لیکن لفظ کے یہاں درست اور موزوں معنی 'الہام' کے ہیں۔ 'کولنز جم ڈکشنری آف دی بائبل' نے مندرجہ ذیل معنی درج کیے ہیں:

To write; but more properly, to dictate, to a writer, or even to inspire a writer.[۳]

لکھنا، کسی کاتب کو املا کرانا، بلکہ زیادہ مناسب معنی ہیں: کسی کاتب کو الہام کرنا۔

'ہیسٹنگز ڈکشنری' کے نظر ثانی شدہ جدید ایڈیشن نے اس لفظ کی مندرجہ ذیل وضاحت کی ہے:

Marfat.com

This English word is now somewhat old fashined. When it is used it means 'to write'. But formerly, and as found in AV, it means to inspire or dictate to the writer. (...). In the Duoai Version (though this word is not used) there is a note: I have received by divine inspiration in my heart (...).[۴]

یہ انگریزی لفظ اب کسی حد تک پرانے فیشن کا ہو گیا ہے۔ جب یہ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں 'لکھنا'۔ لیکن پہلے بھی اور جس طرح یہ مستند ترجمے میں ملتا ہے وہاں بھی، اس کے معنی بنتے ہیں: 'الہام' کرنا یا کاتب کو لکھوانا۔ (...)۔ ڈیوے ورشن میں (اگرچہ یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا) ایک نوٹ درج ہے: 'مجھے اپنے دل میں خدائی الہام سے یہ موصول ہوا ہے۔'

اس طرح پہلے جملے کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ میرے دل پر ایک اچھی بات کا الہام کیا گیا ہے جو اس بات پر زور دے رہا ہے کہ اسے ظاہر کیا جائے (اس لیے میں نے اسے قلم بند کر لیا ہے)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ مضمون الہامی ہے اور اس بات کا تقاضا کر رہا ہے کہ اسے آگے دوسروں تک پہنچایا جائے۔

آیت کے اگلے جملے میں حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں: 'میں وہی مضمون سناؤں گا جو میں نے بادشاہ کے حق میں قلم بند کیے ہیں'۔ 'نیو انگلش بائبل' میں اس کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ آئے ہیں:

In a king's honour I utter the song I have made.[۵]

میں نے بادشاہ کے اعزاز میں جو نغمہ ترتیب دیا ہے، میں اُسے پیش کرتا ہوں۔

'موفٹ' نے یہ ترجمہ اختیار کیا ہے:

A noble theme inspires my soul:[۶]

ایک معزز مضمون میری روح میں الہام کی طرح سرایت کر رہا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ جو خوبصورت مضمون ان پر الہام کیا گیا تھا اور جسے انھوں نے احتیاط اور حفاظت کے لیے قلم بند کر لیا تھا، اب وہ اسے ایک نظم کی شکل میں لکھ کر اور تلاوت کر کے لوگوں تک پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اور یہ مضمون ایک بادشاہ کے بارے میں ہے۔

آیت کے تیسرے جملے میں حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ کوئی اناڑی شاعر یا ناپختہ مصنف نہیں، بلکہ فن تصنیف و تالیف کے ماہر ہیں اور جملہ اصنافِ شعر و ادب سے پوری طرح آشنا ہیں:

'میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے۔' یعنی مجھے تحریر و تقریر، دونوں میں یکساں کمال حاصل ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ مسیحی مفسرین نے حسبِ عادت اس گیت کو بھی حضرت مسیح

Marfat.com

علیہ السلام کے حق میں ایک پیشین گوئی قرار دیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جن مفسرین نے اس کے پیشین گوئی ہونے سے انکار بھی کیا ہے، وہ بھی ہر اپھر اکر اسے حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں پیشین گوئی قرار دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ 'این آئی وی (NIV) سٹڈی بائبل' شروع میں تو اسے کسی بادشاہ کی شادی کے موقع پر اس کی مدح و تعریف قرار دیتی ہے، لیکن آگے چل کر لکھتی ہے:

(for the application of vv.6-7 to Christ see Heb. 1:8-9).(۷)

(آیات ۶-۷ کے حضرت مسیح علیہ السلام پر اطلاق کے لیے ملاحظہ کیجیے عبرانیون ۱:۸تا۹)۔

'اے نیو کمنٹری آن ہولی سکرپچر' میں وضاحت کی گئی ہے:

(...): but in the Anglican, Sarum, and Roman uses the marriage of the King is the unity betwixt Christ and his Church, and the Psalm is, therefore, sung on Christmas Day, when that unity potentially began. (....). But as applied to Christ it causes no difficulty.(۸)

لیکن اینگلیکن، سارُوم اور رومن استعمال میں بادشاہ کی شادی سے مسیحؑ اور اس کے چرچ کے درمیان اتحاد و یگانگت مراد ہے۔ اس لیے یہ گیت کرسمس کے دن گایا جاتا ہے، جب یہ اتحاد و یگانگت عملاً شروع ہوئی۔ (....)۔ لیکن اگر اس کا اطلاق حضرت مسیحؑ پر کیا جائے تو اس میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

'دی آکسفرڈ بائبل کمنٹری' میں بھی یہی نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے:

From early times the psalm was regarded as messianic prophecy. The Targum paraphrased v. 2 as 'the beauty, O King Messiah, exceeds that of the children of men', and the writer to the Hebrews quotes vv. 6-7 to show the superiority of Jesus over the angels (Heb 1:8-9). In Christian liturgical tradition, it is sung on Christmas Day. (۹)

ابتدائی زمانے ہی سے اس حمدیہ گیت کو مسیحؑ کی پیشین گوئی قرار دیا جاتا تھا۔ 'ترجوم' نے آیت ۲ کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے: 'اے شاہ مسیحا، تیرا حسن اولادِ آدم سے زیادہ ہے'، اور عبرانیون کا مصنف عیسیٰؑ کی فرشتوں پر فضیلت ظاہر کرنے کے لیے آیات ۶ تا ۷ کا حوالہ دیتا ہے (عبرانیون ۱:۸-۹)۔ مسیحیوں کی عباداتی روایات میں اسے کرسمس کے دن گایا جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحی مفسرین کے نزدیک یہ ایک پیشین گوئی ہے اور وہ اس کا اطلاق حضرت مسیح علیہ السلام پر کرتے ہیں، لیکن کیا یہ اطلاق درست ہے، اس کا تعین کرنے کے لیے قدرتِ

Marfat.com

الٰہی نے اسی 'اے نیو کمنٹری' کے مفسر سے یہ الفاظ لکھوا دیے ہیں:

But for that reason it is really applicable only to Him who fulfilled it to the highest.(۱۰)

لیکن اس وجہ سے حقیقت میں اس [پیشین گوئی] کا اطلاق صرف اسی ذات پر کیا جا سکتا ہے جو اسے اعلیٰ ترین سطح پر پورا کر دکھائے۔

آیندہ سطور میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ 'زبور' کا یہ گیت پکار پکار کر کس ذاتِ بابرکات کی پیشین گوئی کر رہا ہے۔

دوسری آیت سے اصل پیشین گوئی شروع ہو جاتی ہے اور اس کا پہلا جملہ ہی حقیقتِ حال واضح کر دیتا ہے۔ ارشاد ہے: 'تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے۔' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تو خود بائبل کے مفسرین اعتراف کرتے ہیں کہ:

'Nay, he had no form, nor comeliness, (Isa 43: 2) (۱۱)

یعنی 'نہ ان کی شکل وصورت اچھی تھی اور نہ ان میں کوئی دل کشی اور جاذبیت تھی'۔

اس کے بعد جب ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اطلاق کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو بہو صادق آتا ہے۔ 'صحیح بخاری' میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھے'۔(۱۲)

'سنن ترمذی شریف' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

'میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا، یوں لگتا تھا جیسے سورج آپ کے چہرے میں رواں دواں ہو'۔(۱۳)

حضرت اُمِ معبد رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کی عکاسی ان الفاظ میں کرتی ہیں:

میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جس کی رنگت چمک دار تھی، چہرہ روشن تھا، بناوٹ دل کش تھی، (..)، لمبی گردن، آنکھوں کی سفیدی انتہائی سفید اور سیاہی سخت سیاہ، خاموشی میں پُر وقار، بولے تو لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے اور ان کے دل موہ لے، دُور سے دیکھو تو حسین اور روشن، قریب ہو تو شیریں اور دل آویز، (...)، دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ، جو سب سے زیادہ جاذبِ نظر، لدی پھندی اور تازہ وشاداب۔(۱۴)

اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ 'تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے' کے الفاظ کس پر صادق

Marfat.com

آتے ہیں۔

آیت ۲ کا اگلا جملہ ہے: 'تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے'۔ 'کنگ جیمز ورشن' لکھتا ہے: 'Grace is poured into thy lips' یعنی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) 'آپ کے ہونٹوں کے اندر لطافت اور عظمت ڈال دی گئی ہے'، جیسا کہ 'گڈ نیوز بائبل' نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے بات ذرا کھول دی ہے: 'You are an eloquent speaker' یعنی 'آپ شیریں بیان اور فصیح اللسان مقرر ہیں'۔ (۱۵)

'تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے' کے خوبصورت الفاظ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حرف بہ حرف سچے ثابت ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دنیا کی کوئی شخصیت اس کی کما حقہ مصداق قرار نہیں دی جا سکتی۔

دوسری آیت کا آخری جملہ ہے: 'اسی لیے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا'۔ پیشین گوئی کا یہ حصہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دنیا کی کسی ہستی پر صادق نہیں آتا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعینہٖ مصداق ہیں۔ پچھلے قریباً ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے کونے کونے میں 'اشہد ان محمداً رسول اللہ' کی صدائیں دن میں پانچ مرتبہ گونجتی ہیں اور انھیں سننے والا ہر مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجتا ہے۔ پھر ہر نماز کے آخر میں ہر نمازی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اور بابرکت ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ کیا دنیا کی کوئی اور ہستی بھی ہے جس کے متعلق ان الفاظ کے اطلاق کا کسی بھی درجے میں دعویٰ کیا جا سکے کہ 'خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا'۔

تیسری آیت میں بیان کیا گیا ہے: 'اے زبردست، تو اپنی تلوار کو جو تیری شوکت و حشمت ہے، اپنی کمر سے حمائل کر'۔ تلوار قوت، اقتدار اور سپہ سالاری کی علامت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ 'ممدوح الامم' تلوار سے مسلح ہو کر میدان جنگ میں بھی اترے گا۔ 'زبردست' کے لیے 'گڈ نیوز بائبل' نے 'mighty king' کے لفظ استعمال کیے ہیں۔ NWT اور NIV نے 'mighty one' اور KJV نے 'most mighty' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ رکانہ والا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت و قوت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (۱۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان امور سے کبھی دور کا بھی واسطہ نہیں رہا، جبکہ یہ آیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر من و عن پوری اترتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جزیرہ نمائے عرب کے بادشاہ بھی تھے اور تلوار کمر سے حمائل کر کے غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، فتح مکہ، غزوۂ خیبر اور غزوۂ تبوک وغیرہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکروں کی سپہ سالاری کا فریضہ بھی سرانجام

Marfat.com

دیتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شوکت وحشمت کو پوری دنیا نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔

چوتھی آیت کا پہلا حصّہ ہے: 'اور سچّائی اور حلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان وشوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو'۔ KJV میں اس کا ترجمہ ہے:

And in thy majesty ride prosperously because of truth and meekness and righteousness.

اس طرح 'اقبال مندی' کے لیے انگریزی میں 'پراسپیریٹی' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سٹرونگ نے اس کے معنی 'to come (mightily), prosperously, to advance' بیان کیے ہیں۔ [۱۷]

'نیو اوکسفرڈ اینوٹیٹڈ بائبل' نے اس کا انگریزی ترجمہ اس طرح کیا ہے:

'In your majesty ride on victoriously for the cause of truth and to defend the right.'

'نیو جیروسلم بائبل' نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:

In your majesty and splender advance, 'ride on the cause of truth, gentleness and uprightness. [۱۸]

NIV اور RSV نے 'اقبال مندی سے' کے لیے 'victoriously' کا لفظ استعمال کیا ہے اور 'گڈ نیوز بائبل' نے 'Victorious' کا۔ NOAB اور RSV نے اس کا ترجمہ کیا ہے: 'In your majesty ride forth (on) victoriously'۔ اس طرح آیت کا یہ حصّہ فتح مکہ کی من وعن عکاسی کرتا ہے۔ واضح رہے کہ فتحِ مکہ کے اسباب بھی 'سچّائی اور حلم اور [حق و] صداقت' ہی تھے، جیسا کہ آگے وضاحت کی گئی ہے۔

سچّائی، حلم اور صداقت کے الفاظ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت ہیں۔ 'صادق' اور 'امین' کے صفاتی نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم علم کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ فتح مکہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنوخزاعہ کی دادرسی اور کفارِ قریش کو ان کی عہد شکنی، ظلم و بربریت اور خانہ کعبہ کی حرمت کی پامالی کی سزا دینے کی غرض سے نکلے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوار ہو کر نکلنا پرامن فتح اور حق و انصاف اور صداقت کی جیت اور مظلوموں کی دادرسی کا ذریعہ بنا۔ [۱۹]

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات بقول 'نیو اوکسفرڈ اینوٹیٹڈ بائبل' 'for the cause of truth and to defend the right' (سچّائی کے مقصد کے تحت اور حق کے دفاع اور حمایت کے لیے) ہی کے آئینہ دار تھے۔ دنیا میں کوئی اور اس کا مصداق نہیں۔

چوتھی آیت کا دوسرا جملہ ہے: 'اور تیرا داہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا'۔ 'مہیب' کے لیے

Marfat.com

انگریزی میں 'Terrible' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ 'سٹرونگ' نے اس کے معنی لکھے ہیں:

To fear; to revere; frighten; be afraid; terrible.[۲۰]

ڈرنا، احترام کرنا، ڈرانا، خوف زدہ ہونا، خوف ناک یا مہیب۔

NIV نے اس کا قریباً یہی ترجمہ کیا ہے: 'Let your right hand display awsome deeds.' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ 'صحیح مسلم' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: 'فضلت علی الأنبیاء بست' یعنی مجھے چھ باتوں میں انبیا پر فضیلت دی گئی ہے: (i) اعطیت بجوامع الکلم (ii) نصرت بالرعب (iii) احلت لی الغنائم (iv) جعلت لی الأرض مسجدا و طهورا (v) ارسلت الی الخلق کافة (vi) ختم بی النبیون[۲۱] اس حدیث میں جو 'نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ' فرمایا گیا ہے، یہ وہی بات ہے جو اوپر 'مہیب کام' کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش اور دیگر اہل عرب کے مجمعوں میں ان کے خداؤں (بتوں) پر بے دریغ تنقید کرتے تھے، لیکن کبھی کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بھی بیکا نہ کر سکا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت طاری کر دی تھی۔ بطور نمونہ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

جب مسلمانوں کی اکثریت مکے سے مدینہ ہجرت کر گئی اور صرف دو چار مسلمان مکے میں باقی رہ گئے تو کفارِ قریش نے موقع غنیمت جانا کہ اب محمد [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم] کو ختم کرنے کا نادر موقع ہے۔ دارالندوہ [پارلیمنٹ ہاؤس] میں مجلسِ مشاورت ہوئی اور طے پایا کہ ہر قبیلے سے ایک مضبوط اور تیز دست جوان منتخب کیا جائے، جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہو۔ سب مل کر ایک ساتھ حملہ کریں اور محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کا کام تمام کر دیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا اور بنوعبدمناف کے لیے ناممکن ہو جائے گا کہ کسی کے خلاف کارروائی کر سکیں۔ جب حالات اس نہج تک آ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آنحضور [صلی اللہ علیہ وسلم] کو مدینے کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت اس دن ملی جس کے بعد آنے والی رات قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے مقرر کی تھی۔ رات کی تاریکی نے جب قدم جما لیے تو وہ لوگ بھی آ پہنچے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ یہ تعداد میں بارہ تھے۔ ان لوگوں میں ابوجہل، حکم بن ابی العاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث، امیہ بن خلف، حارث بن قیس، زمعہ بن الاسود، طعیم بن عدی، ابولہب،

Marfat.com

اُبی بن خلف، نُبیہ بن حجاج اور مُنَبّہ بن حجاج شامل تھے۔ یہ لوگ باہر بیٹھے رہے اور اس انتظار میں رہے کہ صبح سویرے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے اٹھیں گے، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں گے۔ قدرت اُن کی اِن تدابیر پر مسکرا رہی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے کسی حصے میں اطمینان سے باہر تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل گئے۔ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات مبارکہ 'فاغشینا ھم فھم لا یبصرون' تک آپ کی زبان پر جاری تھیں۔ (۲۲)

غزوۂ بدر کے سلسلے میں بیضاوی لکھتے ہیں:

> پھر جبریل حاضر خدمت ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ایک مٹھی خاک کی لے کر ان کافروں کے مار دیجیے، پھر جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باریک کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر ان کے چہروں پر دے ماری، اور فرمایا 'شاھت الوجوہ'۔ اس کے بعد کوئی کافر ایسا نہ تھا جو اس وقت آنکھوں سے معذور نہ ہو گیا ہو اور نتیجتاً کفار کو شکست فاش ہوئی؛ اور مسلمانوں نے ان کو قید اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ (۲۳)

قرآن کریم میں اس کے متعلق ارشاد ہے: 'وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی' یعنی 'اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، تو نے نہیں پھینکا، بلکہ اللہ نے پھینکا' (الانفال ۸: ۱۷)۔ غزوۂ حنین کے بارے میں بھی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کنکریاں پھینکی تھیں۔ (۲۴)

بدر ثانی میں کفار قریش کا لشکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُعب سے اس طرح ہیبت زدہ ہوا کہ راستے ہی سے واپس لوٹ گیا۔ غزوۂ اُحد میں کفارِ قریش فتح مکمل کیے بغیر ہی دُم دبا کر بھاگ گئے اور جب مسلمان تعاقب میں آئے تو ان کا سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ثقیف و ہوازن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جرأت و بہادری کی مثال دنیا کی حربی تاریخ میں کہیں موجود نہیں۔ بالآخر مخالفین کو عبرت ناک شکست اٹھانا پڑی۔ بیعتِ رضوان سے کفارِ مکہ اتنے مرعوب ہوئے کہ بالآخر صلح قبول کرنا پڑی اور مسلمانوں کو اپنا برابر کا حریف تسلیم کر لیا۔ غزوۂ احزاب میں عرب کے تقریباً تمام بڑے قبائل مدینے کی بستی پر ٹوٹ پڑے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں ایسا مہیب کام کیا کہ رات کی تاریکی ہی میں سارے دشمن تتر بتر ہو گئے اور صبح ہوتے ہوتے میدان بالکل خالی پڑا تھا۔ فتح مکہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کفارِ مکہ پر ایسا رعب چھایا کہ کسی کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی اور شہر بغیر

Marfat.com

کسی جنگ اور خون ریزی ہی کے فتح ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول 'من راٰہ بداھۃً ھابہٗ' (۲۵) (جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یکا یک دیکھتا، وہ دہشت زدہ ہو جاتا) بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے۔ مضمون کی گنجایش کے مطابق تفصیل ممکن نہیں، تاہم 'تیرا داہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا' کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کر دی گئی ہے۔

پانچویں آیت کا پہلا جملہ ہے: 'تیرے تیر تیز ہیں۔ وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگے ہیں۔' حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی نسل تیر اندازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی (پیدایش ۲۱:۲۰)۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا: 'اے بنی اسمٰعیلؑ! تیر اندازی کیا کرو کیونکہ تمھارے باپ بھی تیر انداز تھے (البخاری عن سلمہ بن اکوع بحوالہ 'بائبل سے قرآن تک' ۳:۱۴۲۴)۔ اس سلسلے میں مزید قابل غور بات یہ ہے کہ تیر تیز ہونے سے حربی قوت اور فتوحات بھی مراد ہیں۔ چنانچہ وقت کی دو سُپر پاورز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں بری طرح ناکام ہوئیں۔ شہنشاہِ ایران نے اپنی ایک باج گزار ریاست، یعنی یمن کو حکم دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پابہ زنجیر گرفتار کر کے پیش کیا جائے، لیکن اس کا یہ حکم حسرت ہی بن کر رہ گیا اور اس کی فوری موت، اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور بالآخر سلطنتِ ایران کے خاتمے پر منتج ہوا۔ قیصر روم کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کا تیر ایسا پیوست ہوا کہ وہ نقدِ دل اسی وقت ہار بیٹھا، مگر مصلحتاً ایمان سے محروم رہا اور اس کے بعد تبوک میں مقابلے کے لیے نکلنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اسی طرح دیگر امرا و سلاطین کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیبِ گرامی کا نشانہ خطا نہ گیا۔ بدر، اُحد، خندق، فتحِ مکہ، غزوۂ ہوازن، غزوۂ خیبر وغیرہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے ایسی منہ کی کھائی کہ اپنے زخم چاٹتے ہی رہ گئے۔ اس کے برعکس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی طرح اس کے مصداق نہیں بن سکتے۔

اسی آیت ۵ کا دوسرا جملہ ہے: 'امتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں۔' اس کی وضاحت کی یہاں نہ ضرورت ہے نہ گنجایش۔ تاریخ کا ہر منصف مزاج طالب علم اس کی گواہی دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ فتح مکہ کے بعد جس طرح جوق در جوق قبائل عرب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کی، وہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے اور پھر اس کے بعد یہ دائرہ پھیلتا ہی گیا اور آج تک مسلسل پھیلتا جا رہا ہے۔

چھٹی آیت کا پہلا حصّہ ہے: 'اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے'۔

Marfat.com

(Thy throne, O God, is for ever and ever: The sceptre of thy kingdom is a right sceptre. 7. Thou lovest righteousness, and hatest wickedness, therefore God thy God, hath anointed thee with the oil of gladness above thy fellows: KJV)

یہاں لفظ 'خدا' سے اللہ تعالیٰ ہرگز مراد نہیں ہوسکتا، جیسا کہ اگلی آیت (۷) کے دوسرے جملے کی ابتدا ہی سے ظاہر ہے: 'اسی لیے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہم سروں سے زیادہ مسح کیا ہے۔' میں خود خدا کا خدا تو کوئی نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے اس جملے میں 'تیرے' اور 'تجھ کو' کی مخاطب کی ضمیریں آیت ۶ کے لفظ 'اے خدا' سے متعلّق ہیں۔ اس طرح اضافی باتیں حذف کر کے اصل جملہ یہ بنتا ہے: 'اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے: اسی لیے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہم سروں سے زیادہ مسح کیا ہے۔' یعنی خدا نے خدا کو مسح کیا ہے۔ ظاہر ہے یہ ایک لایعنی بات ہے۔ لہٰذا پہلے 'خدا' سے مراد لازماً کوئی انسان یا بادشاہ یا پیغمبر ہی ہوسکتا ہے۔ اس طرح ان دونوں آیات کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جس بادشاہ کے حق میں یہ مضمون لکھ رہے ہیں، اس کا تخت ابدالآباد ہے، اس کا عصائے سلطنت، یعنی شاہی اختیار و اقتدار حق و صداقت پر مبنی ہے۔ وہ نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت کرتا ہے، اس لیے خدا نے اسے اس کے ہم سروں کے مقابلے میں مسرت کے تیل کے ساتھ زیادہ مسح کیا ہے۔

یہ آیات ایک ایسے رسول سے متعلّق ہیں جو عصائے سلطنت اور اختیار و اقتدار کا مالک ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کا اطلاق ہرگز ممکن نہیں۔ چنانچہ ان کا مصداق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں۔ اس جملے کے بارے میں بائبل کے مفسرین کی حیرانی و پریشانی قابل ملاحظہ ہے۔(۲۶)

آیت کا دوسرا حصہ، یعنی 'تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے' بھی کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کا ہر طالب علم اس کا شاہد ہے۔ آیت ۷ اور ۸ کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے الفاظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور اس کے واقعات کی منہ بولتی تصویر ہیں۔(۲۷)

آیت ۹ میں ارشاد ہے: 'تیری معزز خواتین میں شاہزادیاں ہیں۔' حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تو اس کے اطلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آپ کی عورتیں تو سرے سے موجود ہی نہیں تھیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا پوری طرح اطلاق ہوتا ہے۔ آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عرب کے نہایت معزز قبیلے سے تعلّق رکھتی تھیں اور عرب کی مال دار ترین خاتون تھیں۔ حضرت عائشہ

Marfat.com

رضی اللہ عنہا عرب کے حکمران، خلیفۃ الرسول، امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ اس طرح ان کے شاہ زادی ہونے میں کون شک کر سکتا ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دوسرے خلیفہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ اس طرح وہ بھی یقیناً شاہ زادی تھیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا رئیسِ بنی مصطلق حارث بن ضرار کی صاحبزادی، یعنی بنو مصطلق کی شاہ زادی تھیں۔ ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کی برکت سے ان کے خاندان کے سات سو افراد کو غلامی سے نجات نصیب ہوئی تھی۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا قریش کے رئیس ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح پڑھایا اور انھیں شاہ زادیوں ہی کی طرح رخصت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھجوایا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پیغام نکاح لانے والی ابرہہ نامی شاہی کنیز کو دو کنگن اور انگوٹھیاں انعام میں دیں، اس کے علاوہ پچاس دینار بھی دیے۔ حضرت صفیہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے شاہ زادی تھیں۔ ان کے والد حُیی بن اَخطب بنو نضیر کی یہودی ریاست کے سربراہ اور ان کی والدہ یہود بنو قریظہ کے ایک سردار کی بیٹی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ شہر بانو یزدگرد شہنشاہ ایران کی بیٹی تھیں۔ اس طرح اس بات کا 'کہ تیری معزز خواتین میں شاہ زادیاں ہیں' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف بہ حرف اطلاق ہوتا ہے۔

دسویں اور گیارھویں آیات 'اے بیٹی سن، غور کر اور کان لگا۔ اپنی قوم اور اپنے باپ کو بھول جا۔ اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا کیونکہ وہ تیرا خداوند ہے۔ تو اسے سجدہ کر۔' کا اطلاق بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف بہ حرف ہوتا ہے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا تعلّق حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ہی سے تھا، اس لیے وہ انھیں 'اے بیٹی' کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں۔ اور ان کا یہ ارشاد گرامی کہ 'بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا' بھی حقیقت کی عکاسی ہے۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں: 'حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دل جوئی فرماتے تھے'(۲۸) ان کا والد حُیی بن اخطب، رئیسِ بنی نضیر، غزوۂ خیبر میں قتل ہوا تھا، اور یہ اپنی قوم یعنی یہود کو چھوڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور رفاقت میں آ گئی تھیں۔ یہی حال حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا بھی تھا۔ ان آیات کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اطلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بارھویں آیت میں ہے: 'قوم کے دولت مند تیری رضا جوئی کریں گے۔' حبشہ کے بادشاہ

Marfat.com

نجاشی، بحرین کے حکمران منذر، سلطان عمان مطیع ہو کر اسلام میں داخل ہوئے۔ قیصر روم ہرقل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیے ارسال کیے۔ قبطیوں کے بادشاہ مقوقس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تین باندیاں، تین حبشی غلام، ایک خوبصورت خچر، ایک دراز گوش گھوڑا اور بیش قیمت کپڑے بطور ہدیہ ارسال کیے۔ اس کے علاوہ بکثرت اہل ثروت لگاتار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفے اور ہدیے بھجواتے رہتے تھے۔

آیت ۱۶ 'تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے جانشین ہوں گے۔ جن کو تو تمام روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا۔' کا تعلق بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ فرزندانِ اسلام لگاتار مختلف ممالک وامصار میں اقتدار وحکمرانی کے وارث بنتے چلے آئے ہیں۔

آیت ۱۷ کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ پچھلے قریباً ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا بھر کی مساجد میں روزانہ پانچ مرتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بآواز بلند گونجتا ہے۔ کروڑوں لوگ روزانہ آپ پر اربوں کھربوں درود وسلام بھیجتے ہیں۔ روضۂ رسول پر جہاں دنیا بھر کی مختلف قوموں کے لاکھوں لوگ روزانہ حاضری دیتے ہیں، یہ منظر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک روح پرور اور ایمان افروز نظارہ پیش کرتا ہے۔ دنیا میں کسی اور ذات کے سلسلے میں یہ بات صادق نہیں آتی۔

اس طرح اگر تعصب اور تنگ نظری سے بالاتر ہو کر دیکھا جائے تو حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

۞ ۞ ۞

حوالے وحواشی

۱۔ 'کتاب مقدس'، زبورِ داؤد علیہ السلام، ۴۵:۱۔۱۷۔

۲۔ *The Bible,* Ps. 45: 1 KJV.

۳۔ *Collins Gem Dic. of the Bible,* Revd. James L. Dow (Collins, London & Glasgow, 1974), s.v. 'indite', 245.

۴۔ *Dic. of the Bible,* ed. James Hastings, revd. Frederick C. Grant, H. H.

Marfat.com

Rowley (NY: Charles Scribner's Sons, 1963), 417.

۵۔ *The Bible,* Ps. 45: 1 NEB, 422.

۶۔ *A New Trans. of the Bible,* tr. James Moffatt, Ps. 45: 1(London: Hodder & Stoughton, 1941), 633.

۷۔ *NIV Study Bible* (London: Hodder and Stoughton, 1993). 813.

۸۔ *A New Com. on Holy Scripture,* ed., Charles Gore, et al (London: S. P. C. K., 1951), 357.

۹۔ *The Oxf. Bible Com.,* ed. John Barton, John Muddiman (NY: Oxf. Univ. Press, Inc., 2007), 380.

۱۰۔ *A New Com. on Holy Scripture,* 1951, 357.

۱۱۔ Matthew Henry, *An Exposition of O & NT,* 4/851.

۱۲۔ البخاری، 'الجامع الصحیح'، کتاب المناقب، باب صفة النبی، رقم الحدیث: ۳۵۵۱، ۲۸۹، موسوعة الحدیث الشریف الکتب الستة، دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض، المملکة العربیة السعودیة، ۱۴۲۹ھ۔

۱۳۔ الترمذی، 'السنن' باب المناقب، باب قول ابی ہریرہ: مارأیت احسن من رسول اللہ، رقم الحدیث، ۳۶۴۸، ۲۰۲۸، موسوعة الحدیث الشریف الکتب الستة۔

۱۴۔ الحاکم، 'المستدرک علی الصحیحین' (الموسوعہ الذہبیہ، المرحلة الاولیٰ، الاصدار الثانی، ۲۰۰۱ء) حدیث ۴۲۷۴۔

۱۵۔ اس موضوع پر مصنف کی کتاب 'Muhammad Foretold in the Bible by Name کے آٹھویں باب کے آخری چار صفحات میں مختصر اور گیارھویں باب میں تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

۱۶۔ James Strong's *Dic. of the Heb. Bible* (NY: The Methodist Book Concern, 1984), entry, 6743,44, 99.

۱۷۔ ملاحظہ کیجیے مصنف کی کتاب 'Muhammad Foretold in the Bible by Name کے باب نہم کا تیسرا اور چوتھا صفحہ۔

۱۸۔ پاکٹ ایڈیشن، ۱۹۹۰ء، ۶۲۵

۱۹۔ قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۶ھ میں جو معاہدہ قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بمقام حدیبیہ کیا تھا اس کی ایک دفعہ میں یہ لکھا تھا: 'دس سال تک جنگ نہ ہوگی۔ اس شرط میں جو قومیں نبی (اکرم) کی جانب ملنا

Marfat.com

چاہیں، وہ ادھر مل جائیں، اور جو قومیں قریش کی طرف ملنا چاہیں وہ ادھر مل جائیں'۔اس کے موافق بنوخزاعہ نبی (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اور بنو بکر قریش کی طرف مل گئے تھے۔ معاہدے کو ابھی دو برس بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ بنو بکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کیا۔قریش نے بھی بنو بکر کو اسلحہ سے امداد دی۔عکرمہ بن ابو جہل، سہیل بن عمرو (معاہدے پر اسی نے دستخط کیے تھے)، صفوان بن امیہ (مشہور سردارانِ قریش) خود بھی نقاب پوش ہو کر معہ اپنے حوالی وموالی کے بنوخزاعہ پر حملہ آور ہوئے (تاریخ طبری)۔ان بیچاروں نے امان بھی مانگی۔ بھاگ کر خانہ کعبہ میں پناہ بھی لی۔مگران کو ہر جگہ بے دریغ تہِ تیغ کیا گیا۔یہ مظلوم جب الٰھک الٰھک (اپنے خدا کے واسطے، اپنے خدا کے واسطے) کہہ کر رحم کی درخواست کرتے تھے تو یہ ظالم ان کے جواب میں کہتے تھے 'لا الٰہ الیوم' (آج خدا کوئی چیز نہیں) (سیرۃ ابن ہشام ۲:۲۰۹)۔مظلوموں کے بچے کھچے چالیس آدمی، جنھوں نے بھاگ کر اپنی جان بچالی تھی، نبی (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پہنچے اور اپنی مظلومی اور بربادی کی داستان سنائی۔(رحمۃ للعالمین، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار ۱۹۵۳ء، ۱/ ۱۴۸، ۱۴۹)

اس طرح قریش نے ایک تو معاہدے کی خلاف ورزی کی، دوسرے فریب کاری سے خفیہ طور پر قاتلوں کی عملی مدد کی اور قتل و غارت گری میں ان کے ساتھ حصّہ لیا، تیسرے خانہ کعبہ کی حرمت کو پامال کیا اور چوتھی بات یہ کہ بے گناہ انسانوں کو ناحق قتل کیا۔

بنوخزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد لے کر آئے کہ معاہدے کے تحت ان کی مدد کی جائے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس پیغام بھیجا کہ ان تین باتوں میں سے کوئی ایک قبول کرلیں: پہلی یہ کہ مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے، دوسری یہ کہ یا پھر قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں، وگرنہ تیسری یہ کہ حدیبیہ کا معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کردیں۔قریش کی نمائندگی کرتے ہوئے قرطہ بن عمر نے کہا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے۔اس طرح قریش نے صلح نامہ حدیبیہ کو کالعدم کردیا۔

۲۰۔ Strong's Dic., 3372, 52

۲۱۔ مسلم،'الجامع الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، رقم الحدیث: ۱۱۶۵، ۷۵۹، موسوعۃ الحدیث الصحیحۃ الکتب الستۃ الریاض، ۱۴۲۹ھ

Marfat.com

۲۲۔ ملاحظہ کیجیے: محمد احسان الحق سلیمانی، 'رسول مبین' (لاہور: مقبول اکیڈمی، چوک انارکلی، ۱۹۹۳ء)، ۴۸۴ تا ۴۸۶۔

۲۳۔ 'تفسیر بیضاوی' ۳/۲۲، المطبعۃ العامرہ، استنبول، ۱۳۱۷ھ بحوالہ رحمت اللہ کیرانوی، 'بائبل سے قرآن تک'، مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴، ۱۹۸۶ء، ۳/۱۲۹۷۔

۲۴۔ 'بائبل سے قرآن تک' ۳/۱۲۹۸، حاشیہ:۱

۲۵۔ قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ، 'رحمۃ للعالمین'، ۳/۱۳۸۔

۲۶۔ 'نیو اوکسفرڈ اینو ٹیٹڈ بائبل' ۸۱۴ پر اس آیت سے متعلق حاشیے میں لکھا ہے:

The most debated verse in the Psalms, often amended, which seems to attribute divinity to the king.

یہ زبور کی سب سے زیادہ متنازعہ آیت ہے، جو بادشاہ کے ساتھ خدائی صفات منسوب کر رہی ہے۔[اسی لیے] اکثر [اسے تبدیل کر کے] اس میں اصلاح کر دی جاتی ہے۔

'اے نیو کمنٹری آن ہولی سکرپچر'، ۱۹۵۱ء صفحہ ۳۵۷ پر رقم طراز ہے:

As addressed to an earthly king the words of the first clause, both translation and text, have been much disputed. The Psalmist cannot have addressed it to God Himself, since he speaks of God, thy God, directly afterwards. It must be studied in commentaries. But as applied to Christ it causes no difficulty.

پہلے جملے کے الفاظ، ترجمہ اور متن دونوں، اس حیثیت سے کہ وہ ایک دنیاوی بادشاہ کو مخاطب کر کے کہے گئے ہیں، بہت متنازعہ ہے۔ یہ مزمور لکھنے والے [حضرت داؤد علیہ السلام] یہ الفاظ بذاتِ خود خدا کو مخاطب کر کے نہیں کہہ سکتے تھے، کیونکہ وہ اس کے براہِ راست بعد 'خدا، تیرا خدا' کے الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔ [اس پر تفصیلی بحث دیکھنے کے لیے] اس کا تفاسیر میں مطالعہ کرنا چاہیے۔ لیکن اگر اس کا اطلاق مسیح پر کیا جائے تو یہ کسی مشکل کا باعث نہیں بنتا۔

۲۷۔ آیت ۸ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے متعلق جو بات بیان کی گئی ہے، اس کی تفصیل قارئین مصنف کی کتاب *Muhammad Foretold in the Bible by Name* کے باب ہشتم میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

۲۸۔ شبلی نعمانی، 'سیرت النبی' (نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان، ۱۹۸۵ء)، ۲/۴۳۱۔

Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کی پیشین گوئی

جناب احسان الرحمٰن غوری*

بنی نوع انسان کی ہدایت کا اہتمام پروردگار عالم نے ہر دور اور ہر امت کے لیے کر دیا ہے۔ لکل قوم ھاد کہ کر اللہ تعالیٰ نے تصریح کر دی کہ تاریخ انسانی کی کوئی بھی امت یا قوم اس برکت سے خالی نہیں رہی۔ اس ہدایت کے سوتے جب ایک ہی منبع سے پھوٹ رہے ہیں تو مذاہب میں اتنا افتراق کیوں ہے۔ اس سوال کا غیر مبہم جواب تمام الہامی کتب میں سے صرف قرآن نے دیا ہے۔ جو قوم اللہ کی وحدانیت کے تصور سے دور ہے، اس میں تعصب اور تشتت وافتراق کا داعیہ اپنی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ قرآنی تعلیم نے مسلمانوں کو اعلیٰ ظرف عطا کیا ہے۔ اسلامی مزاج کے مطابق کسی بھی مذہب کو اُس کی ابتدائی حالت میں انسان کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ بلکہ اسے پروردگارِ عالم کی طرف سے سمجھ کر اپنے آپ کو اس کا مطیع قرار دیتا ہے۔ گویا نسل انسانی میں اختلاف کی پہلی بنیاد کا تدارک کر دینا ہے۔

ہم سب ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں۔ تمام بنی نوع انسان کو ایک ہی سر چشمہ ہدایت سے راہنمائی ملی ہے۔ لیکن انسانوں نے اس مصفا اور پاکیزہ پانی کو جو وحی الٰہی کی شکل میں خدا کی طرف سے سب کے لیے یکساں نازل ہوا تھا، مختلف آمیزشوں سے گدلا کر دیا۔ چنانچہ اسی صداقت کی طرف قرآن کریم اِن الفاظ میں ارشاد فرماتا ہے:

تَـالـلّـهِ لَـقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

Marfat.com

الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ٥ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ٥ (النحل ١٦ : ٦٣-٦٤)

تمام الہامی مذاہب میں مسیحیت اور یہودیت کو اہم مقام حاصل ہے۔ان مذاہب کی مقدس کتاب بائبل میں خدائی پیغام میں تحریفات اور الحاقات کی متعدد مثالیں، ان مذاہب کے اہل علم ہی نے بیان کردی ہیں۔تاہم بائبل کے چند مقامات ایسے بھی ہیں جو ہنوز الہامی ہدایت سے معمور ہیں۔ مقالہ ہٰذا میں عہدنامہ قدیم کی کتاب پیدائش میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے سے ایک اہم پیشین گوئی پر تحقیقی گفتگو پیش کی جاتی ہے۔مسیحی اور یہودی اہل علم ہی کی آراء کی روشنی میں اس پیشین گوئی کے مصداق کی طرف اشارہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا شیلو

'کتابِ مقدس' (پروٹسٹنٹ اردو بائبل) کے عہد نامہ قدیم کی پہلی کتاب، یعنی پیدائش کے باب ۴۹ میں حضرت یعقوب علیہ السلام (اسرائیل) کے متعلّق ذکر ہے کہ انھوں نے اپنے آخری وقت میں اپنے بیٹوں کو اپنی الوداعی برکت اور دعا دینے کے لیے بلایا۔یہ ان کا قریباً آخری وقت تھا، جیسا کہ اس سے پہلے والے باب ۴۸ کی آخری آیت (۲۱:۴۸) میں ارشاد ہے: 'اور اسرائیل نے یوسف علیہ السلام سے کہا میں تو مرتا ہوں، لیکن خدا تمھارے ساتھ ہوگا اور تم کو پھر تمھارے باپ دادا کے ملک میں لے جائے گا'۔اس طرح یہ آپ کی وصیّت کی حیثیت رکھتی ہے اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی آخری وصیّت میں ایک طرف بنی اسرائیل کے اوصاف بیان کرکے انھیں دعائیں دینے کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی ہے (استثنا باب ۳۳)، اسی طرح ان سے سینکڑوں سال پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو دعا دینے اور وصیّت کرنے کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیشین گوئی بیان فرمائی تھی۔چنانچہ 'نیو اوکسفرڈ اینوٹیٹڈ بائبل' میں اس کے ضمن میں لکھا ہے:

Though the poem is depicted as a deathbed blessing by the text following it (...), this poem seems to have been originally designed as a prediction of the destiny, good and bad, of the tribes of Israel. (1)

اگرچہ بعد میں آنے والا متن اس نظم کو بسترِ مرگ کی دعاے برکت کی حیثیت سے پیش کرتا

Marfat.com

ہے،(...)،تاہم لگتا یہ ہے کہ ابتداءً یہ نظم اسرائیل کے قبائل کی اچھی یا بری تقدیر کی پیشین گوئی کے طور پر مرتب کی گئی تھی۔

پیشین گوئی کا متن اردو 'کتابِ مقدس' سے درج ذیل ہے:

یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا۔ جب تک شیلوہ نہ آئے اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔ (۲)

کلامِ مقدس (کیتھولک اُردو بائبل) میں اس آیت کے لیے یہ الفاظ درج ہیں:

یہوداہ سے حکمرانی کا عصا جدا نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اس کے پاؤں میں سے بلم جاتا رہے گا۔ جب تک کہ نہ آئے شیلوہ۔ اور قومیں اس کی تابعدار ہوں گی۔ (۳)

اس پیشین گوئی کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا واضح اطلاق ہوتا ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ ذیل میں اس کے چند ایک انگریزی تراجم درج ہیں۔ سب سے پہلے یہ آیت 'مستند ترجمے' (یا 'کنگ جیمز ورشن' [KJV]) سے نقل کی جاتی ہے:

The sceptre shall not depart trom Judah nor a lawgiver from between his feet, until Shiloh come and unto him shall the gathering of the people be.(۴)

اور یہوداہ سے عصائے اقتدار الگ نہ ہوگا، اور نہ اس کے پاؤں کے درمیان سے ایک شریعت دینے والا، جب تک کہ شیلوہ نہیں آتا، اور لوگ اس کے پاس جمع ہوں گے۔

بائبل کے 'ریوائزڈ برکلے ورشن' (RBV) میں یہ آیت مندرجہ ذیل الفاظ میں درج ہے:

The sceptre shall not depart from Judah nor the leader's staff from between his feet, until Shiloh comes and him the people shall obey.(۵)

عصائے اقتدار یہوداہ سے جدا نہ ہوگا، نہ اس کے پاؤں کے درمیان سے قائد کا عصا، جب تک کہ شیلوہ نہ آجائے۔ اور لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔

'نیو ورلڈ ٹرانسلیشن آف دی ہولی سکرپچرز' (NWT) نے اس کا ترجمہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

The scepter will not turn aside from Judah, neither the commander's staff from between his feet, until Shiloh comes; and to him the obedience of peoples will belong.(۶)

عصائے اقتدار یہوداہ سے الگ نہ ہوگا۔ نہ اس کے قدموں کے درمیان سے کمانڈر کی چھڑی،

Marfat.com

جب تک کہ شیلوہ نہ آجائے، اور قوموں کی اطاعت اس کی ہوگی۔

'نیو امیریکن سٹینڈرڈ بائبل' (NASB) نے اپنے انگریزی ترجمے میں اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

The scepter shall not depart from Judah nor the rulers staff from between his feet until Shiloh comes and to him shall be the obedience of the people.(۷)

عصائے اقتدار یہوداہ سے الگ نہ ہوگا، نہ اس کے پیروں کے درمیان سے حکمران کی چھڑی، جب تک کہ شیلوہ نہ آئے، اور قوموں کی اطاعت اس کے لیے ہوگی۔

'دی لِونگ بائبل' میں یہ الفاظ اس طرح درج ہیں:

The scepter shall not depart from Judah until Shiloh comes, whom all people shall obey.(۸)

عصائے اقتدار یہوداہ سے جدا نہ ہوگا، جب تک کہ شیلوہ نہ آجائے، جس کی سب لوگ اطاعت کریں گے۔

'ہولی بائبل ایزی ٹو ریڈ ورشن' (ERV) نے ترجمے میں تو لفظ 'شیلوہ' استعمال نہیں کیا، لیکن حاشیے میں اس لفظ کا اقرار کیا ہے:

Men from Judah's family will be kings. The sign that his family rules will not leave his family before the real king comes (in footnote; 'or until Shiloh comes' etc). Then many people will obey and serve him. (۹)

یہوداہ کے خاندان کے آدمی بادشاہ بنیں گے۔ وہ علامت [جس سے ظاہر ہو] کہ اس کا خاندان حکمران ہے اس کے خاندان کو نہیں چھوڑے گی، جب تک کہ اصل بادشاہ نہ آجائے۔ (ذیلی حاشیے میں: یا جب تک کہ شیلوہ نہ آجائے، وغیرہ) تب بہت سے لوگ اس کی اطاعت اور خدمت کریں گے۔

'پشیتا بائبل' میں متعلقہ آیت کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

The sceptre shall not depart from Judah, nor a lawgiver from between his feet, until the coming of the One to whom the sceptre belongs (in footnote Messiah), to whom the gentiles look forward. (۱۰)

Marfat.com

عصائے اقتدار یہوداہ سے الگ نہ ہوگا، نہ اُس کے قدموں کے درمیان سے ایک قانون دان، جب تک وہ نہیں آ جاتا جو عصائے اقتدار کا مالک (حاشیہ میں 'مسیحا') ہے، جس کی غیر یہودی اقوام منتظر ہیں۔

'دی قماش' میں یہ عبارت مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھی گئی ہے:

The scepter shall not depart from Judah nor a scholar from among his descendants, untill Shiloh shall arrive and his will be an assemblage of nations. (۱۱)

عصائے اقتدار یہوداہ سے الگ نہ ہوگا، نہ اُس کی نسلوں کے درمیان سے ایک صاحبِ علم، جب تک کہ شیلوہ نہ پہنچ جائے اور قوموں کا اجتماع اُس کے لیے ہوگا۔

'دی نیو جیروسلیم بائبل' میں ترجمہ تو مختلف ہے، لیکن حاشیے میں لفظ 'شیلوہ' کا اقرار کیا گیا ہے:

The scepter shall not pass from Judah, nor the ruler's staff from between his feet, until tribute be brought him and the people render him obedience. [Footnote 'g': Text and meaning much disputed; tribute be brought him conj., emendation of vowel sound in MT '(until) Shiloh come'.]. (۱۲)

عصائے اقتدار یہوداہ کے ہاتھ سے نہیں نکلے گا، نہ حکمران کی چھڑی، جب تک کہ اس کی خدمت میں خراج نہ لایا جائے اور لوگ اس کی اطاعت قبول نہ کرلیں۔ [حاشیہ 'جی': متن اور معانی میں بہت اختلاف ہے: خراج اس کی خدمت میں لایا جائے: مسوراتی متن میں حرکات کی اصلاح: جب تک کہ شیلوہ نہ آ جائے]۔

بائبل کے تراجم میں تحریف کا عمل آج تک بھی کس جرأت سے سرانجام دیا جارہا ہے۔ اس کی صرف ایک مثال ہی یہاں پیش کی جاتی ہے۔ 'کنٹمپریری انگلش ورشن' (CEV) میں درج ہے:

You will have power and rule until nations obey you and come bringing gifts. (۱۳)

تمھارے پاس اقتدار رہے گا، اور تم حکومت کروگے جب تک کہ قومیں تمھاری اطاعت قبول نہ کرلیں، اور تمھارے حضور تحفے اور نذرانے لے کر حاضر نہ ہوں۔

اِس جدید انگریزی ترجمے میں 'شیلوہ' اور 'قانون وشریعت دینے والے' کا قصہ ہی تمام کردیا گیا

Marfat.com

اور جملے کو بالکل لایعنی بنا دیا گیا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب قومیں تمھاری اطاعت قبول کرلیں گی اور تمھارے حضور تحفے اور نذرانے لے کر حاضر ہوں گی، تو تمھاری حکومت اور تمھارا اقتدار مضبوط ہوگا یا ختم ہوگا؟ لیکن آیت کے اطلاق کو اِس کے مصداق سے دُور کرنے کی کوشش میں فاضل مترجم کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ وہ جملے کو لایعنی بنا رہا ہے۔ سچ ہی ہے کہ 'دروغ گو ے را حافظہ نہ باشد'۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کے لیے آخری وصیّت ہونے کی حیثیت سے اس باب کی بڑی اہمیّت ہے۔ 'توراہ: اے ماڈرن کمنٹری' میں درج ہے:

The words of a dying man are as binding as a deed which is written and delivered (Talmud 16).(۱۴)

آدمی کے مرتے وقت کے الفاظ کی پابندی اتنی ضروری ہے جتنی کہ ایک معاہدے کی، جسے لکھ کر حوالے کر دیا گیا ہو۔

اس لحاظ سے آیت کے الفاظ گہرے مطالعے کے متقاضی ہیں۔ اس پیشین گوئی کے الفاظ کافی واضح ہیں اور ان کا مدلول تلاش کرنے میں کوئی دِقت نہیں ہونی چاہیے، لیکن یہودی اور مسیحی علما اور مفسرین نے اس میں طرح طرح کی الجھنیں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ پروٹسٹنٹ 'کتابِ مقدس' کے مطابق عبارت یہ ہے (کیتھولک اردو 'کلامِ مقدس' میں بھی الفاظ کے معمولی سے فرق کے ساتھ یہی مفہوم بنتا ہے):

یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا۔ جب تک شیلوہ نہ آئے، اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔

بائبل کے اردو ترجمے کی استنادی حیثیت بہت زیادہ قابلِ اعتماد نہیں۔ بائبل کے تراجم میں اس کا وہ انگریزی ترجمہ جسے 'کنگ جیمز ورشن' (KJV) کہا جاتا ہے، زیادہ مستند مانا جاتا ہے، بلکہ اس کا تو نام ہی اوتھورائزڈ ورشن (AV) یعنی 'مستند ترجمہ' ہے، جو اوپر نقل بھی کیا گیا ہے، اس لیے اسی کو بنیادی اہمیّت دی گئی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کے سامنے ان کی خوبیاں اور خامیاں بیان کرتے ہوئے اپنے بیٹے یہوداہ کے اوصاف کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی حکومت کی پیشین گوئی کرتے ہوئے اس حکومت کے خاتمے کی پیشین گوئی بھی کر دیتے ہیں۔

Marfat.com

آیت کا پہلا جملہ ہے: 'یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی'۔ اس کی ابتدا ہی میں جو لفظ 'سلطنت' لکھا گیا ہے، اس کے لیے 'کنگ جیمز ورشن' میں (اور بیش تر دوسرے انگریزی تراجم میں بھی) Sceptre کا لفظ درج ہے۔ انگریزی زبان میں یہ اس عصا کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اقتدار اور حکمرانی کی علامت ہے، اس لیے اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے اسے سلطنت بھی کہہ دیتے ہیں۔ 'کنگ جیمز ورشن' میں اس کے لیے الفاظ ہیں: 'The sceptre shall not depart from Judah' اس لیے گفتگو کی بنیاد اسی ترجمے پر رکھنا چاہیے۔

انگریزی ترجمے میں پہلا لفظ 'Sceptre' ہے جس کے معنی تو 'عصائے اقتدار' ہی ہیں، جو سلطنت اور حکومت و اقتدار کی علامت کے طور پر بادشاہ یا حکمران اپنے ہاتھ میں یا بغل کے نیچے رکھتے ہیں، لیکن اپنے حقیقی مدلول و مفہوم کے پیش نظر اس کے لیے سلطنت کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔ مذکورہ جملے میں حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یہوداہ کو بشارت دے رہے ہیں کہ اس کی نسل میں طویل عرصے تک (جس کی حدود کا بیان آگے کیا گیا ہے) عصائے اقتدار، یعنی سلطنت برقرار رہے گی۔ چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قریباً گیارھویں صدی قبل مسیح کے اختتام پر یہوداہ کی نسل کی حکومت، جس کے پہلے حکمران حضرت داؤد علیہ السلام تھے، شروع ہوئی۔ قریباً ایک صدی تک یہ دولتِ مشترکہ کے طور پر قائم رہی۔ اس کے بعد اگرچہ یہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، لیکن سلطنت یہودیہ کو ہیکل سلیمانی کی وجہ سے مرکزی اہمیت حاصل رہی۔ ۵۸۶ ق م میں بابلی سلطنت کے حکمران نبوکدنضر کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوگیا، اور یہود کا دورِ اسیریٔ بابل شروع ہوا۔ اس دوران میں آلِ یہوداہ کو کسی حد تک داخلی خود مختاری حاصل تھی۔ بابل والوں نے نہ تو انھیں غلام بنایا اور نہ انھیں اپنی شریعت پر قائم رہنے سے منع کیا، بلکہ دینی و علمی اعتبار سے یہ دور یہود کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوا۔

۵۳۹ ق م میں بابل کی سلطنت زوال کا شکار ہوگئی، اور فارسیوں کا دور شروع ہوا۔ یہ دور یہود کے لیے بہت سازگار ثابت ہوا، اور اس کے پہلے حکمران سائرس نے انھیں واپس یروشلم جانے اور وہاں اپنا ہیکل تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔ اس دور میں یہودیہ کی حکومت کو ایک طرح کی مکمل داخلی خود مختاری حاصل رہی اور عصائے حکمرانی ان سے موقوف نہیں ہوا۔ بعد کے شامی، مصری، یونانی اور رومی ادوارِ حکومت میں بھی کسی نہ کسی رنگ میں یہ اقتدار میں شریک رہے، اور ان کا عصائے حکمرانی کلی طور پر

Marfat.com

موقوف نہ ہوا۔ ۷۰ عیسوی میں اگرچہ رومی جرنیل ٹائیٹس نے جو بعد میں جلد ہی رومی حکمران بن گیا، یروشلم اور ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجادی، لیکن کبھی منتشر ہوکر اور کبھی مقامی طور پر یہودی مقاومت برقرار رہی، یہاں تک کہ یروشلم کی تباہی سے قریباً ایک صدی بعد تک یہود اپنی آخری جنگ لڑتے نظر آتے ہیں۔

یہود پر مختلف اوقات میں جو تباہیاں نازل ہوتی رہیں، اس کے نتیجے میں ان کی خودمختاری اور جبری جلاوطنی بھی جاری رہی۔ ۷۲۲ ق م میں نینوا کے اشوریوں نے ان کی شمالی سلطنت 'اسرائیل' کا خاتمہ کردیا اور ان کے قتل عام کے بعد انھیں سامریہ سے نکال باہر کیا۔ ستائیس ہزار سے زیادہ اسرائیلیوں کو وہ اپنے ساتھ لے گئے اور اپنے زیر اقتدار مختلف علاقوں میں انھیں تھوڑے تھوڑے کرکے منتشر کردیا تاکہ ان کی شناخت او رمرکزیت ختم ہوجائے۔ سامریہ کے بے شمار اسرائیلی خود مختلف علاقوں میں فرار ہوگئے۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان کی کچھ تعداد عرب کی طرف بھی منتقل ہوگئی ہو، لیکن اس کا کوئی قابلِ اعتماد ثبوت موجود نہیں ہے۔ ۵۸۶ ق م میں جنوبی سلطنت یہودیہ کا بھی بابلی حکمران نبوکدنضر کے ہاتھوں خاتمہ ہوگیا۔

یروشلم اور یہودیہ کے دیگر علاقوں سے ہزاروں یہودیوں کو تو نبوکدنضر بابل اسیر بنا کر لے گیا، لیکن بے شمار یہودی یہاں سے اپنے طور پر بھی مختلف علاقوں میں منتشر ہوگئے۔ یقینی بات ہے کہ ان کی ایک بڑی تعداد جنوب میں اپنے قریب کے پڑوسی ملک عرب میں بھی جاکر آباد ہوئی ہوگی۔ اسی طرح ۷۰ء میں ٹائیٹس (Titus) کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی کے بعد بھی ایک بڑی تعداد میں یہودی عرب میں جاکر آباد ہوئے۔ عرب کی معلوم تاریخ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یثرب اور خیبر کے علاقوں میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے اور وہاں ان کی منظم او رمضبوط حکومتیں قائم تھیں۔ اس طرح ابھی یہوداہ کی نسل سے عصائے اقتدار کلی طور پر موقوف نہیں ہوا تھا۔ ذیل میں اس کی وضاحت کے لیے 'تاریخِ یہود' سے ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے:

Wearied with contemplating the miserable plight of the Jews in their ancient home and in the countries of Europe and fatigued by the constant sight of fanatical oppression. The eyes of the observer rest with gladness upon their situation in the Arabian Peninsula. Here the sons of Judah were free to raise their heads, and did not need to look about them with fear and humiliation, lest the ecclesiastical wrath be

Marfat.com

discharged upon them, or the secular power overwhelm them. Here they were not shut out from the paths of honor, nor excluded from the privileges of the state, but, untrammeled, were allowed to develop their powers in the midst of free, simple, and talented people, to show their manly courage, to compete for the gifts of fame, and with practised hand to measure source with their antagonists. Instead of bearing the yoke, the Jews were not infrequently the leaders of the Arabian tribes. Their intellectual superiority constituted them a power, and they concluded offensive and defensive alliances, and carried on feuds [stress added]. Besides the sword and the lance, however, they handled the ploughshare and the lyre, and in the end became the teachers of the Arabian nations. The history of the Jews of the Arabia in the century which precedes Mahomet's appreance, and during the period of his activity, forms a glorious page in the annals of the Jews.

(....). The later Arabian Jews said, however, that they had heard from their forefathers that many Jewish fugitives had escaped to northern Arabia on the destruction of the First Temple by Nebuchadnezzer. But there can be no doubt that the persecution of the Jews by the Romans was the means of establishing a Jewish population in the Arabian peninsula. The death-defying Zealots who, after the destruction of the Second Temple, fled in part to Egypt and to Cyrene, in order to continue there the desperate struggle against the thraldom of Rome, also passed in straggling bands into Arabia, where they were not compelled to hide their love of freedom or to abandon their warlike bearing [stress added].

(....) As the Jews were often molested by Bedouins, they built castles on the elevated places in the city and the surrounding country, whereby they guarded their independence [stress added]. Although originally the sole rulers of this district, they were afterwards obliged to share their powers and the possession with the Arabs, for about the year 300, two related families, the Benu-Aus and the Chazraj (together forming the tribe of Kaila), settled in the same neighbouringhood and sometimes stood in friendly, sometimes in hostile relations to the Jews. To the north of Yathrib was situtated the district of Chaibar, which

Marfat.com

was entirely inhabited by Jews; who constituted a seperate commonwealth [stress added]. The Jews of Chaibar are supposed to have been descendants of the Rechabites, who, in accordance with the command of their progenitor, Jonadab, the son of Rechab, led a nomadic and Nazarite life; after the destruction of the First Temple, they are siad to have wanderd as far as the district of Chaibar, attracted by its abundance of palms and grain. The Jews of Chaibar constructed a line of castles or fortresses, like the castles of the Christian knights. The strongest of them was Qamus, built upon a hill difficult to access. These castles protected them from the predatory incursions of the warlike Bedouins, and enabled them to offer an asylum to many a persecuted fugutive. Wadil-Kora (the valley of the villages), a furtile plain, a day's journey form Chaibar, was also inhabited exclusively by Jews [stress added]. In Mecca, where stood the Sanctuary of the Arabs, there probably lived but few Jews.

(....). Arabia owned only half the island of Yotabe (Jijban), in the Red Sea (60 miles to the south of the capital, Aila); a small Jewish free state had existed there since time immemorial [stress added].

(....). Although they had nothing to complain of in this hospitable country, which they were able to regard and love as their fatherland, they yearned nevertheless to return to the holy land of their fathers, and daily awaited the coming of the Messiah. Like all the Jews of the globe, therefore, they turned their face in prayer [as Qiblah] towards Jerusalem. (۱۵)

یہودیوں کے اپنے قدیم وطن اور یورپ میں دُکھ بھرے مصایب کے متعلق سوچ سوچ کر اور مذہبی جنونیوں کے مظالم کے لگاتار نظارے سے تھک ہار کر دیکھنے والے کی نظریں جزیرہ نمائے عرب میں اُن کی صورت حال پر خوشی کے ساتھ آرام و اطمینان محسوس کرتی ہیں۔ یہوداہ کے بیٹے یہاں سر اُٹھا کر آزادی اور اپنی مرضی سے جہاں چاہے گھوم پھر سکتے تھے، اور انھیں خوف اور ذلت کے ساتھ اس اندیشے کے تحت اردگرد نظر رکھنے کی ضرورت نہ تھی کہ کہیں ان پر کلیسیا کا غضب نہ ٹوٹ پڑے یا کوئی بے دین قوت ان پر قابو نہ پالے۔ یہاں ان پر عزت و آبرو کے دروازے بند نہ تھے، نہ ان پر ریاست و سیاست کے اختیارات و اعزازات کے حصول کے

Marfat.com

سلسلے میں کوئی قدغن تھا، بلکہ انھیں بے روک ٹوک اس بات کی اجازت تھی کہ شہرت کے انعامات کی مقابلہ آرائی میں اپنی ہمت مردانہ کا مظاہرہ کر سکیں اور اپنے ماہرانہ ہاتھوں کے ساتھ وسائل کے حصول کے لیے اپنے حریفوں سے پنجہ آزمائی کر سکیں۔ غلامی کا جُوا اُٹھانے کے بجائے یہودی اکثر اوقات عرب قبائل کی سرداری کیا کرتے تھے۔ ان کی ذہنی برتری ان کی قوت کا موجب تھی۔ وہ جارحانہ اور مدافعتی معاہدے بھی کرتے تھے، اور قبائلی جنگوں میں بھی حصّہ لیتے تھے۔ تلواروں اور نیزوں کے استعمال میں مہارت کے مظاہرے کے علاوہ وہ ہل چلانے اور بربط بجانے میں بھی اپنے جوہر دکھاتے تھے۔ وہ آخر میں عرب قوم کے اُستاد بن گئے۔ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے ظہور سے پہلے کی صدی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگرمیوں کے دوران والے زمانے میں یہودیوں کی تاریخ قومِ یہود کی زندگی کا ایک سنہری باب ہے۔

(....)۔ تاہم بعد کے یہودِ عرب کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے آباواجداد سے سُنا ہے کہ نبوکد نصر کے ہاتھوں پہلے ہیکل [ہیکل سلیمانی] کی تباہی پر بہت سے یہود پناہ گزین بچ کر شمالی عرب میں آ گئے تھے، لیکن اس میں کوئی شک ممکن نہیں کہ رومیوں کے ہاتھوں یہود کی تعذیب جزیرہ نمائے عرب میں یہودیوں کی آبادی قائم ہونے کا باعث تھی۔ موت و حیات سے بے نیاز پُر جوش یہودی گروہ [Zealots]، جو دوسرے ہیکل کی تباہی کے بعد وہاں رومی غلامی کے خلاف جان کی بازی لگا کر بے دھڑک جدوجہد جاری رکھنے کے لیے جزوی طور پر مصر اور سائیرین کی طرف بھاگ گیا تھا، اس کے کچھ بچھڑے ہوئے دستے عرب میں بھی پہنچ گئے جہاں وہ اس بات پر مجبور نہ تھے کہ آزادی کے ساتھ اپنی محبت کو چھپائیں یا اپنا جنگ جویانہ طرزِ عمل ترک کریں۔

(....)۔ کیونکہ عرب کے خانہ بدوش بدو یہودیوں کو اکثر ستاتے رہتے تھے، اس لیے وہ شہر اور اس سے ملحقہ دیہات میں اُونچی جگہوں پر قلعے اور گڑھیاں تعمیر کر لیتے تھے۔ ان کے ذریعے سے وہ اپنی آزادی کی حفاظت کرتے تھے۔ اگرچہ شروع میں وہ اس پورے علاقے کے بلاشرکتِ غیرے حکمران تھے، تاہم وہ اپنی طاقت اور زمین پر اپنے قبضے میں عربوں کو شریک کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ۳۰۰ء کے قریب دو باہم رشتے دار خاندان بنو اوس اور خزرج (جو باہم مل کر قبیلۂ قیلہ بنتے تھے)، اس خطے کے قرب و جوار میں آباد ہو

Marfat.com

گئے ، اور یہود کے ساتھ بعض اوقات دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور بعض اوقات معاندانہ۔
یثرب کے شمال میں خیبر کا ضلع واقع تھا، جس میں کلیتاً یہودی آباد تھے۔ انھوں نے وہاں ایک الگ متحدہ ریاست بنالی تھی۔ خیبر کے یہود کے متعلّق خیال یہ کیا جاتا ہے کہ وہ رحابیوں کی نسل سے تھے، جو اپنے مورث اعلیٰ، جُندَب بن رحاب، کے حکم کے مطابق ایک خانہ بدوشانہ اور نصرانیوں جیسی زندگی گزارتے تھے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ پہلے ہیکل [ہیکل سلیمانی] کی تباہی کے بعد وہ دربدر گھومتے ہوئے خیبر جیسے دُور دراز علاقے میں پہنچ گئے اور اس کی کھجوروں اور اناج کی کثرت کی کشش میں وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ خیبر کے یہودیوں نے مسیحی فوجی امرا کی قلعہ بندیوں کی مانند قلعوں اور گڑھیوں کی ایک قطار تعمیر کرلی۔ ان میں سب سے مضبوط قموس کا قلعہ تھا، جو ایک ایسی پہاڑی پر بنایا گیا تھا جس تک رسائی بہت مشکل تھی۔ یہ قلعے انھیں جنگجو بدوؤں کی غارت گرانہ یلغار سے محفوظ رکھتے اور انھیں متعدد ستائے ہوئے پناہ گزینوں کو تحفظ فراہم کرنے کے قابل بناتے۔ وادی القریٰ (بستیوں کی وادی) میں، جو خیبر سے ایک دن کے سفر کے فاصلے پر زرخیز میدان پر مشتمل تھی، بھی صرف یہودی ہی آباد تھے۔ مکہ میں جہاں عربوں کا حرم واقع تھا، غالباً بہت ہی کم یہودی رہایش پذیر تھے۔

(....)۔ بحیرۂ قلزم میں (دارالحکومت عائلہ سے ۶۰ میل جنوب میں) واقع جزیرۂ یُتابع (جُبان) کا صرف نصف حصہ عربوں کے قبضے میں تھا۔ زمانۂ قدیم سے وہاں (بھی) ایک چھوٹی سی آزاد یہودی ریاست قائم تھی۔

(....)۔ اگرچہ اس مہمان نواز ملک میں ان کے پاس شکایت کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں تھی، اور اسے وہ اپنے آبائی وطن کی طرح احترام و محبت دے سکتے تھے، پھر بھی وہ اپنے آباواجداد کی مقدس سرزمین میں واپس جانے کی شدید خواہش رکھتے تھے، اور روزانہ مسیحا کی آمد کا انتظار کرتے تھے، اس لیے دُنیا کے تمام یہودیوں کی طرح وہ بھی اپنی نماز میں [قبلے کے طور پر] اپنا منہ یروشلم کی طرف کرتے تھے۔

آیت کا اس کے ساتھ والا اگلا جملہ ہے: 'اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا'۔
'کنگ جیمز ورشن' میں 'س کے لیے 'nor a lawgiver from between his feet' کے

Marfat.com

الفاظ درج ہیں۔ عبرانی بائبل میں یہاں اصل لفظ 'حقق' ہے، جس کے معنی حکومت کا عصا بھی ہیں اور شریعت یا شریعت دینے والا بھی۔ (١٦)

سیدھی سی بات ہے کہ پہلے جملے میں بھی کہا گیا ہے کہ یہوداہ کا اقتدار ختم نہیں ہوگا، اور اس دوسرے جملے میں بھی یہی بات دہرائی گئی ہے۔ اگر اردو ترجمے والے دونوں جملوں کو ملا کر بولا جائے تو عبارت یہ بنتی ہے کہ 'یہوداہ (مراد یہاں صرف یہوداہ نہیں، بلکہ اس کی نسل بھی مراد ہے) سے عصائے سلطنت نہ چھوٹے گا، اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا'۔ اس طرح ایک ہی مفہوم کے دو جملوں کا اجتماع ایک لایعنی سی بات بن جاتی ہے، لیکن 'کنگ جیمز ورژن' کے انگریزی ترجمے میں ان دونوں جملوں کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ 'عصائے حکمرانی یہوداہ سے الگ نہ ہوگا، اور نہ اس کے پاؤں کے درمیان سے شریعت دینے والا'۔ یہاں عبارت کے دوسرے جملے 'عصائے حکومت' کے تکرار کے بجائے، جس سے عبارت میں ایک لایعنی تنافر پیدا ہوتا تھا، 'شریعت دینے والا' درج ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عبرانی بائبل میں دوسرے جملے میں جو لفظ 'حقق' درج ہے، اس کے معنی ہیں: 'Lawgiver'۔ (١٧)

اس طرح یہ ترجمہ موقع و محل کے لحاظ سے بھی موزوں ہے اور لفظ کے معنی کے لحاظ سے بھی درست ہے۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے اور اسے ذہن میں رکھنا ضروری ہے، کیونکہ آگے چل کر اس سے عبارت کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

اگلا جملہ ہے: 'جب تک شیلوہ نہ آئے'۔ 'کنگ جیمز ورژن' کی انگریزی عبارت کا بھی بعینہٖ یہی مفہوم بنتا ہے۔ شیلوہ اگرچہ کسی مقام کا نام بھی ہے، لیکن سیاق و سباق کی رو سے اس جملے میں اس کا یہ مفہوم نہیں لیا جا سکتا۔ یہاں یہ صریح طور پر کسی شخص کے نام ہی کے طور پر بولا گیا ہے۔ اکثر مسیحی مفسرین نے اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد لیے ہیں۔ بعض یہودی تفاسیر میں بھی یہاں 'مسیحا' مراد لیا گیا ہے۔

مثلاً گنتھر پلاٹ لکھتا ہے:

> The Hebrew is obscure. (....). One Jewish tradition, taking Jacob's blessing to be a prophecy for the end of the time (see verse 1) interpreted Shiloh to mean the Messiah (...).(١٨)

عبرانی غیر واضح اور مبہم ہے۔ (....) ایک یہودی روایت، یعقوب علیہ السلام کی دعائے

Marfat.com

برکت کو وقت اختتام (قیامت) کے لیے ایک پیشین گوئی قرار دیتے ہوئے (ملاحظہ کیجیے آیت ا) لفظ 'شیلوہ' کی تشریح یہ کرتی ہے کہ اس کے معنی 'مسیحا' ہیں۔(...)

ایک اور مفسر ڈاکٹر اے کوہن لکھتا ہے:

N. rejects E.'s interpretation of sceptre as 'greatness', and maintains that the word always denotes 'kingship'. Until Shiloh come (sic a A.V.), viz, King Messiah, to whom belongeth sovereignty.(۱۹)

'این' عصائے سلطنت کی بطور 'بڑائی' والی 'ای' کی تاویل رد کر دیتا ہے۔ وہ اس بات کا قائل ہے کہ یہ لفظ ہمیشہ بادشاہی پر دلالت کرتا ہے۔ جب تک کہ شیلوہ نہیں آتا (کنگ جیمز کے مستند ورشن میں اسی طرح لکھا ہے) یعنی بادشاہ مسیحا، جس سے اقتدار کا تعلّق ہے۔

لیکن لفظ کے سیاق وسباق اور پوری عبارت کے مفہوم کے لحاظ سے نہ تو یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد لیے جاسکتے ہیں اور نہ مستقبل میں آنے والا کوئی مسیحا۔ بعض مترجمین نے 'جب تک شیلوہ نہ آئے' کے عجیب وغریب معنی کیے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک اس لفظ کا، بلکہ پوری آیت کا مفہوم متعین کرنا بہت مشکل ہے، مثلاً جے اے ہرٹز لکھتا ہے:

The explanation of this verse, (...), is very difficult.(۲۰)

اس آیت کی تشریح (...) بہت مشکل ہے۔

لیکن اگر دیانت داری، غیر جانب داری، محنت اور تحقیق سے کام لیا جائے تو لفظ 'شیلوہ' اور پوری آیت کا مفہوم اور اس کا مدلول متعین کرنا مشکل نہیں۔ اس مضمون میں پوری دیانت داری سے اس کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آیت کا آخری جملہ ہے: 'اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی'۔ قریباً تمام انگریزی تراجم نے بھی یہی مفہوم دیا ہے، یعنی لوگ اس کے پاس جمع ہوں گے اور اس کی اطاعت اختیار کریں گے۔

آیت کے الفاظ اور اس کے جملوں کی وضاحت اور ان کا مفہوم متعین ہو جانے کے بعد لفظ 'شیلوہ' اور پوری آیت کا مدلول تلاش کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آنی چاہیے۔

پہلا جملہ ہے: 'یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی' یا 'یہوداہ سے حکمرانی کا عصا جدا نہ ہوگا'۔ قریباً تمام انگریزی تراجم نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ یہوداہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام مرنے سے پہلے اپنی آخری وصیت اور

Marfat.com

الوداعی دعاے برکت میں یہوداہ اوران کی نسل کی بہادری کی تعریف کرتے ہیں اور پیشین گوئی کرتے ہیں کہ عصاے حکمرانی یہوداہ کی نسل میں آئے گا اور وہ انھی کی نسل میں رہے گا حتّٰی کہ......

تاریخ کے مطالعے سے تحقیق کے ساتھ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد سے حضرت داؤد علیہ السلام تک تو یہوداہ کی نسل کو اپنے قبیلے کی سرداری کا عصاے حکمرانی مسلسل اور بے روک ٹوک حاصل رہا ہے۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں اور ان کے بعد ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں تمام قبائلِ اسرائیل اور پوری ارضِ مقدس یہوداہ کے عصاے حکمرانی کے ماتحت تھی۔ جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ عصاے حکمرانی یہوداہ کی نسل میں کسی نہ کسی صورت میں مدینے اور خیبر میں یہود کے اقتدار کے مکمل طور پر خاتمے تک برقرار رہا اور فتح خیبر کے بعد یہ عصاے حکمرانی ان سے ایسا جدا ہوا کہ وہ ڈیڑھ ہزار سال تک اس کی جدائی میں تڑپتے اور خون کے آنسو روتے رہے اور در در کی ٹھوکریں کھاتے اور مظالم سہتے رہے۔ اس طرح 'شیلوہ' کا مدلول تلاش کرنے میں کسی صاحبِ بصیرت، غیر جانب دار اور انصاف پسند قاری کو کسی طرح کی دِقّت محسوس نہیں ہونی چاہیے۔ کوئی پسند کرے یا نہ کرے، حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے اور شیلوہ کا مدلول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ پوری تاریخ انسانی کا کوئی اور شخص نہیں ہو سکتا۔

'کنگ جیمز ورشن' میں آیت کا اگلا جملہ ہے: 'Nor a lawgiver from between his feet'

یعنی نہ یہوداہ کی نسل کے پیروں کے درمیان سے شریعت دینے والا موقوف ہوگا۔ دستور یہ تھا کہ جب بادشاہ اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا تو اپنا عصاے حکمرانی اپنے آگے اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان رکھ لیتا تھا۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شریعت دینے والے کی شریعت بھی اس وقت تک بلاشرکت غیرے قائم رہے گی۔ شریعت دینے والے کی وضاحت اوپر کی جا چکی ہے اور سیاق وسباق کے اعتبار سے اس کا یہی ترجمہ درست اور موزوں بنتا ہے۔ اب یہ بات ہر صاحبِ علم شخص جانتا ہے کہ دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہزاروں سال سے اس وقت تک بلاشرکت غیرے جاری وساری رہی، جب تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر نئی شریعت نافذ نہ کر دی۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی 'شریعت دینے والے' کی حیثیت موقوف ہوگئی اور شریعتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلاۃ و السلام نے اس کی جگہ لے لی۔ یہ واقعہ بھی عصاے حکمرانی کے یہوداہ کی نسل سے جدا ہونے کے ساتھ

Marfat.com

منسلک ہے۔ اس کے بعد ایک صاحبِ بصیرت اور باانصاف شخص کے لیے یہ سمجھنے میں کوئی دِقت نہیں ہوسکتی کہ یہ 'شیلوہ' جس کی خبر اس کی آمد سے سوا دو ہزار سال پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام دے رہے ہیں، کون ہے؟

جہاں تک آیت کے آخری جملے کا تعلّق ہے تو وہ اپنی وضاحت آپ ہے، اور دنیا کی تاریخ اس کی گواہی دے رہی ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیے کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

دنیا میں رحمت دوجہاں اور کون ہے؟
جس کی نہیں نظیر، وہ تنہا تم ہی تو ہو

تاریخِ انسانی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کون ہے، جس کے گرد پوری دنیا کی قومیں اکٹھی ہوئی ہیں اور جس کی اطاعت دل و جان سے قبول کی گئی ہے۔ حج کے موقع پر پوری دنیا سے آئے ہوئے دیس دیس کے لاکھوں انسان جس طرح پروانہ وار اس کے ایک اشارۂ ابرو کے تحت خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہوتے ہیں اور جس کا نظارہ پورے سال کے دوران میں حجِ اصغر، یعنی عمرے کی صورت میں کسی وقت بھی کیا جاسکتا ہے اس کی نظیر دُنیا کے تختے پر کہیں اور موجود نہیں۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

اب ذرا مذکورہ آیت کا ایک مرتبہ پھر بغور مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ اس کا ایک ایک لفظ کس طرح وضاحت اور تعیّن کے ساتھ سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی گواہی دے رہا ہے۔

اِس پیشین گوئی کے سلسلے میں ایک اور بات بھی پیشِ نظر رہے۔ باب ۴۹، جس میں یہ پیشین گوئی بیان ہوئی، کی پہلی آیت نہایت معنی خیز ہے:

اور یعقوب [علیہ السلام] نے اپنے بیٹوں کو یہ کہہ کر بلوایا کہ تم سب جمع ہو جاؤ۔ تا کہ میں تم کو بتاؤں کہ 'آخری دِنوں میں' تم پر کیا کیا گزرے گی۔ (۲۱)

اِس سے ایک تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ 'کتاب پیدائش' کا یہ باب حضرت یعقوب علیہ السلام کی آخری وصیّت پر مشتمل ہے، اور زندگی کی آخری وصیّت و برکت کی اہمیّت مضمون کے آغاز ہی میں واضح کی جا چکی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس میں جس بات کا بیان ہو رہا ہے، وہ 'آخری دِنوں' سے متعلّق ہے۔ مندرجہ بالا مضمون میں واضح کیا گیا ہے کہ یہود کے عصائے سلطنت کی آخری ہچکی یہ ہے کہ شیلوہ

Marfat.com

نے آکر ان کا یہ عصائے سلطنت پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ اس طرح یہ یہودیوں کے اقتدار کے خاتمے کا بھی مظہر ہے اور ان کے درمیان سے 'قانون دینے والے' کے سورج کے غروب ہونے کا بھی عکاس ہے۔ مدینے کے یہودی قبائل کی گڑھیاں، وادی القریٰ اور خیبر کے یہودی قلعے اس قوم کے عصائے سلطنت کی آخری علامت تھے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اس کا بھی خاتمہ کر دیا اور شریعتِ تورات کے بجائے ایک نئی شریعت بھی نافذ کر دی۔ اس طرح یہ پیشین گوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں حرف بہ حرف پوری ہو گئی۔

۞ ۞ ۞

حوالے و حواشی

۱۔ *The New Oxford Annotated Bible,* 3rd Edn., ed. Michael D. Coogan (Oxf. Uni. Press, 2001), footnote page 78.

۲۔ 'کتابِ مقدس'، نظرثانی شدہ ترجمہ ۲۰۰۲ء، پیدائش ۴۹:۱۰۔

۳۔ 'کلامِ مقدس'، یعنی کیتھولک اُردو بائبل (روما: سوسائٹی آف سینٹ پال، ۱۹۵۸)، ۶۲۔

۴۔ 'دی ہولی بائبل'، پیدائش (Genesis) ۹، ۱۰۔ کنگ جیمز ورشن (KJV): اسے مستند ترجمہ (Authorised Version) یا A.V بھی کہتے ہیں۔ یہ ۱۶۱۱ء میں مکمل ہوا تھا۔

۵۔ *Revised Barkeley Version (RBV),* (The Gideons International, Thondervan Publishing House, 1974 Edn.), 41.

۶۔ *New World Translation (NWT) of the Holy Scriptures,* rendered from the original languages by the NW Bible Translation Committee, Revised 1984 (NY: Watch Tower Bible and Tract Society) 74.

۷۔ *New American Standard Bible (NASB),* (Cambridge: Cambridge University Press, 1977), 67.

۸۔ *The Living Bible (The Way),* (Illinois: Tyndale House Publishers, Wheaton, 1976), 46.

۹۔ *Holy Bible, Easy to Read Version:* Translated from the Original Languages (Bangalore: WBTC India, P.O. Box 4878, 2000), 57.

Marfat.com

۱۰۔ *The Bible from Ancient Eastern Manuscripts* (...) from the Peshitta, the Authorized Bible of the Church of the East, tr. George M. Lamsa (Landon & NY: Collins Clear-Type Press, 1957), 63.

۱۱۔ *The Chumash,* ed. Rabbi Nosson Scherman Rabbi Meir. Zlotowitz (NY: Masorah Pubications Ltd, Brooklyn, 2007), 279.

۱۲۔ *The New Jerusalem Bible (NJB)* (Bombay: The Bombay Saint Paul Society. TPS III, Bandra, Bombay, 1985) 77.

۱۳۔ *Contemporery English Version (CEV),*. (NY: Amercian Bible Society, 1995), 60.

۱۴۔ W. Gunther Plaut, *Torah A Modern Com.,* 1981, 306.

۱۵۔ Prof. H. Graetz, *History of the Jews* (Philadelphia: Jewish Publication Society of America, 1902), 3:53-58.

۱۶۔ *A Concise Dic. of the Words in the Heb. Bible,* James Strong (NY: The Methodist Book Concern, 1984), 43, Entry 2710.

۱۷۔ -ibid-.

۱۸۔ W. Gunther Plant *Torah A Modern Com.* (NY: Union of American Hebrew congregations, 1981), 309.

۱۹۔ *The Soncino Chumash,* ed. the Rev. Dr. A. Cohen (Hindhead, Surrey: The Soncino Press, 1947), 307.

۲۰۔ *The Pentateuch and Haftorahs,* ed. Dr. J. H. Hertz (London: Soncino Press, 5739, 1979), 185.

۲۱۔ 'کتابِ مقدس'، پیدائش ۴۹:۱۔

Marfat.com

مذاہبِ عالم کی کتبِ مقدسہ میں صحابہ کرامؓ کا تذکرہ

حافظ عثمان احمد ☆

سلسلۂ نبوت اللہ جل شانہ کا عظیم احسان ہے جس کے نتیجے میں نسل انسانی سے راہِ ہدایت گم نہ ہوئی اور انسانوں کا ایک گروہ ہمیشہ ہدایت پر عمل پیرا رہا۔ سب سے پہلے انسان جناب آدم علیہ السلام سب سے پہلے پیغمبر تھے جو وحی نبوت سے سرفراز کیے گیے۔ ان کو براہِ راست مخاطب کر کے اللہ جل شانہ کی طرف سے ارشاد فرمایا گیا

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (۱)

پس جب میری طرف سے تمھارے پاس ہدایت آئے (تو اس کی پیروی کرنا) جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو اس کو کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔

لہٰذا نسلِ انسانی پر کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ اسے اس کائنات کے خالق اور مالک کی شناخت نہ تھی اور اس نے غاروں اور جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے خوف کے خارجی اور داخلی محرکات کے باعث تدریجاً خدا کا تصور تخلیق کیا۔ کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ کسی خطہ میں آباد انسانوں کو انکی عقلِ خام اور خواہشاتِ نفس کے سپرد کر دیا گیا ہو اور شریعت کے ذریعے ان کی تہذیب نہ کی گئی ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا (۲)

اور تحقیق ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا۔

وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ (۳)

کوئی امت ایسی نہیں کہ جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

☆ لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

Marfat.com

انبیاءِ کرام کا سلسلہ چلتے چلتے زمانی اور مرتبی، ہر دو اعتبار سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر تکمیل و اختتام کو پہنچا۔ تمام انبیاء سے اس بات کا عہد لیا گیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو پائیں تو ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی نصرت و حمایت کا فرض ادا کریں گے۔ قرآن مجید میں اس عہد کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا (۴)

اور جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب تمھارے پاس کتاب و حکمت آئے پھر تمھارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا گیا کہ تم نے اقرار کرلیا اور اس اقرار پر مجھے ضامن ٹھہرایا؟ تو انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔

خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمکی بعثت تاریخِ انسانی کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس کی خبر انبیاء کرام کے مقدس گروہ نے اپنی اپنی امتوں کو دی۔ تمام انبیاء نے نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارتیں سنائیں بلکہ اور آپ کے ساتھیوں کے فضائل و مناقب سے اپنے متبعین کو آگاہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مقدسین کا وہ گروہ ہے جس کے ذریعے اللہ کا کلام قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کا بیان حدیث سب سے پہلے نقل ہوا اور ہم تک بحفاظت پہنچا۔ قرآن حکیم نے اس گروہ کو حزب اللہ، المفلحون، الراشدون اور خیرِ امت کے القابات سے ذکر کیا اور ان کے قلوب کو کفر و عصیان سے مصفّٰی و مزکّٰی کہا (۵) اور ان کے ایمان کو مثالی اور معیاری قرار دیا (۶) ان کے راستے کو سبیل المومنین کہا (۷) اللہ جل شانہ نے اپنے پسندیدہ دین الاسلام، جو دینُ اللہ ہے، کی نسبت سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت میں الیوم اکملت لکم دینکم کہہ کر صحابہ سے کر دی گویا دین اللہ، دین الصحابہ قرار پایا۔ (۸)

تورات و انجیل میں صحابہ کرام کا تذکرہ

قرآن حکیم میں بالکل وضاحت اور صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ذکر تورات و

Marfat.com

انجیل میں کیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ (۹)

اور رسول و نبی امی کی پیروی کرنے والوں کا ذکر وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ (۱۰)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کفار پر شدید اور آپس میں رحم دل ہیں تو ان کو دیکھے گا کہ رکوع و سجود کرتے ہوئے اللہ کا فضل اور رضا تلاش کر رہے ہیں۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے آثار نمایاں ہیں اور ان کی یہ مثالیں تورات و انجیل میں بھی مذکور ہیں۔

جناب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

کتبِ تاریخ و سیرت میں منقول متعدد ایسے واقعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو ان کے عہد کے یہود و نصاریٰ نے اپنی کتب کی روشنی میں اس طرح شناخت کیا کہ انہیں شک و شبہ نہ تھا کہ یہ نبی موعود صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں۔ ذیل میں کتبِ تاریخ و سیر سے چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

یمن میں قبیلہ ازد کے ایک عالم کی پیش گوئی

زمانہ جاہلیّت میں حضرت ابوبکرؓ ایک مرتبہ یمن گئے۔ وہاں ان کی ملاقات قبیلہ ازد کے بوڑھے عالم سے ہوئی جس نے آسمانی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں اس نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر پوچھا: میرا خیال ہے تم حرم کے رہنے والے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا میرا خیال ہے تم قریشی ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا میرا خیال ہے تم خاندان تیمی کے فرد ہو؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا: اب آپ سے ایک اور سوال ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا کہ مجھے اپنا پیٹ کھول کر دکھاؤ۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا یہ میں اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک تم مجھے اس

Marfat.com

کی وجہ نہیں بتلاؤ گے۔ اس نے کہا میں اپنے سچے اور مضبوط علم میں یہ خبر پاتا ہوں کہ حرم کے علاقے میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس کی مدد کرنے والا ایک تو نوجوان آدمی ہوگا اور ایک پختہ عمر کا آدمی ہوگا۔ جہاں تک نوجوان کا تعلّق ہے وہ مشکلات میں کود جانے والا اور پریشانیوں کو روکنے والا ہوگا۔ اور جہاں تک اس پختہ عمر آدمی کا تعلّق ہے وہ سفید رنگ کا اور کمزور جسم کا آدمی ہوگا اس کے پیٹ پر ایک بال دار نشان ہوگا اور اس کی بائیں ران پر ایک علامت ہوگی۔ وہ حرم کا رہنے والا، قریشی اور تیمی ہوگا۔ اس نے کہا کہ اب ضروری ہے کہ تم مجھے اپنا پیٹ دکھاؤ کیونکہ میں تم میں باقی سب علامتیں دیکھ چکا ہوں۔

حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں میں نے اپنا پیٹ اس کے سامنے کھول دیا اس نے میری ناف کے اوپر سیاہ یا سفید رنگ کا بال دار نشان دیکھا اور میری بائیں ران پر اس کو وہ علامت نظر آئی۔ نشانیاں دیکھنے کے بعد کہا پروردگارِ کعبہ کی قسم تم وہی ہو۔ (۱۱)

ہرقل کے پاس حضرت ابوبکرؓ کی تصویر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کے نام دعوتی خطوط ارسال فرمائے۔ ہرقل قیصر روم کے نام خط آپ نے حضرت دحیہؓ بن خلیفہ کلبی کو دے کر بھیجا۔ انہوں نے یہ دعوتی خط پہنچایا۔ ہرقل نے انتہائی ادب و احترام اور مثبت جذبات کا اظہار کیا لیکن امراء درباریوں کے غیض وغضب کے باعث اسے اقتدار کے ختم ہو جانے کے ڈر لاحق ہوا اور اس نے ایمان قبول نہ کیا۔ (۱۲)

حضرت دحیہؓ بن خلیفہ کلبی کا بیان ہے کہ جب قیصر روم نے اپنی قوم کے عمائد کو اسلام سے متنفر پایا تو مجلس برخاست کر دی اور دوسرے روز مجھے ایک عالی شان محل میں بلایا وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کمرے میں چاروں طرف ۳۱۳ تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ قیصر نے مجھے مخاطب کر کے کہا یہ کل تصویریں جو تم دیکھتے ہو نبیوں اور پیغمبروں کی ہیں، کیا تم بتلا سکتے ہو ان میں تمھارے نبی کی کون سی تصویر ہے۔ میں نے بغور دیکھ کر ایک تصویر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ ہے۔ قیصر نے کہا بے شک یہی آخری نبی کی تصویر ہے قیصر نے پھر دریافت کیا کہ اس تصویر کی دائیں جانب کی تصویر کو بھی پہچان سکتے ہو یہ کس کی ہے؟ میں نے بتلایا کہ یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلمکے ایک صحابی ابوبکر صدیقؓ کی تصویر ہے۔ قیصر نے پھر پوچھا اور یہ بائیں طرف تصویر کس کی ہے؟ میں نے کہا یہ ان کے دوسرے صحابی عمر فاروقؓ ہیں۔ قیصر یہ سن کر کہنے لگا تورات کی پیشین گوئی کے مطابق یہی دو شخص ہیں جن کے ہاتھوں سے تمھارے دین کی ترقی اوجِ

Marfat.com

کمال کو پہنچے گی۔(۱۳)

ایک عیسائی خانقاہ میں حضرت ابوبکر کی تصویر

جبیر بن مطعمؓ سے روایت کہ بُصریٰ کی ایک عیسائی خانقاہ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تصویر دیکھی جس میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ آپ کو دکھایا گیا تھا۔(۱۴)

حضرت عمرؓ کی وجہ سے بغیر جنگ بیت المقدس کی فتح

جب حضرت عمرو بن العاصؓ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو وہاں کے کمانڈر ارطبون کے نام ایک خط بھیجا جس میں ارطبون کو شہر حوالے کر دینے کے لیے لکھا گیا تھا خط لے جانے کے لے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا گیا جو رومی زبان جانتا تھا مگر اس کو یہ تاکید کر دی گئی کہ وہ ارطبون پر اپنے رومی زبان جاننے کا اظہار نہ ہونے دے تاکہ خط کے بارے میں بیت المقدس کے لوگ آزادی کے ساتھ آپس میں جو گفتگو کریں اسے سن کر انہیں مطلع کر دے۔ خط پڑھ کر ارطبون نے حاضرین مجلس سے کہا کہ یہ ناممکن ہے کہ عمرو یروشلم پر قبضہ کر سکے، یروشلم کا فاتح وہی ہو سکتا ہے جس کے نام کے تین حرف ہونگے یہ کہہ کر ایک خاص وضع قطع اور حلیہ بیان کیا اور کہا کہ میں نے خوب غور سے دیکھ لیا ہے عمرو کا یہ حلیہ نہیں، اس لیے یہ شخص یروشلم ہرگز فتح نہیں کر سکتا یہ کہہ کر قاصد کو لاپرواہی کے ساتھ واپس کر دیا۔ قاصد نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس آکر جو کچھ سنا تھا بیان کیا، انہوں نے کہا کہ یہ تو حضرت عمر فاروقؓ کی وضع قطع اور ان کا حلیہ ہے۔ اسی وقت دربارِ خلافت میں عریضہ بھیجا گیا جس پر حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس تشریف لائے اور وہاں کے لوگوں نے انہیں پہچان کر بلا تامل شہر حوالے کر دیا۔(۱۵)

کعب احبار کی حضرت عمرؓ کی شہادت کی پیشین گوئی

حضرت کعب احبار حضرت عمرؓ کی شہادت سے تین روز پہلے آئے اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ یقینی بات ہے کہ آپ تین دن بعد شہید ہو جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیا ارادہ ہے؟ کعب احبار نے کہا اے امیر المؤمنین یہ اللہ کی کتاب تورات میں لکھا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے: عمر بن خطاب کا ذکر تورات میں؟ تو کعب احبار نے کہا کہ نہ صرف آپ کا ذکر بلکہ اللہ کی قسم آپ کی صفات اور آپ کا حلیہ بھی بیان ہوا ہے اور آپ کی اجل کا وقت آن پہنچا۔ حضرت عمر نے کہا نہ مجھے درد ہے نہ بیماری۔ اگلے دن پھر

Marfat.com

کعب آئے اور کہا اے امیر المؤمنین ایک دن گزر گیا دو دن رہ گئے۔ پھر اگلے دن آئے اور کہا ایک دن یا رات رہ گئی اور اگلے دن نمازِ فجر میں حضرت عمرؓ شہید ہو گئے۔ (۱۶)

خلفائے اربعہ کا ذکر

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ جناب کعب احبار کے پاس ایک فرد کو بھیجا کہ پوچھے تورات میں میرا ذکر کیسے ہے؟ کعب نے کہا آپ کا ذکر لوہے کا زمانہ کی حیثیت سے ہے۔ آپ نے پوچھا اس سے کیا مراد ہے۔ روک ٹوک کرنے والا حکمران جو اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرے۔ آپ نے پوچھا اس کے بعد کیا ہے؟ کہا آپ کے بعد خلیفہ ہوں گے جنہیں ظالم گروہ شہید کر دے گا۔ آپ نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ کہا اس کے بعد بڑی کڑی آزمائش کا دور ہوگا۔ (۱۷)

ذیل میں توراۃ وانجیل کی آیات سے صحابہ کرامؓ کے تذکرہ کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔

کتابِ استثنا کی بشارت

کتاب استثنا کے باب ۳۳ میں ہے۔

And he said : The Lord came from Sinai, and from Seir he rose up to us, he hath appeared from mount Pharan and with him thousands of saints. In his right hand a fiery Law. (۱۸)

خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا۔ وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور ہزاروں قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اسکے داہنے ہاتھ پر آتشی شریعت تھی۔

کوہِ فاران سے جلوہ گر ہونے والی ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار قدوسی اس پیکرِ نور کے ساتھ شہر مکہ میں داخل ہوئے۔

حنوک علیہ السلام کی بشارت

حضرت حنوکؑ، حضرت آدمؑ سے ساتویں پشت میں ہیں۔ عیسائی مؤرخین کے مطابق ان کے عروج آسمانی کے تین ہزار سترہ برس بعد حضرت مسیح پیدا ہوئے۔ حضرت حنوکؑ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

Behold, the lord cometh with thousands of his saints. To execute judgment upon all, and to reprove all the ungodly for all the works of

Marfat.com

their godliness , whereby they have done ungodly, and of all the hard things which ungodly sinners have spoken against God. (۱۹)

خداوند اپنی مقدس جماعتوں کے ساتھ آیا تاکہ سب آدمیوں کا انصاف کرے اور سب بے دینوں کو ان کی بے دینی کے ان سب کاموں کے سبب سے جو انہوں نے بے دینی سے کئے ،اور ان سب سخت باتوں کے سبب سے جو بے دین گنہگاروں نے اس کی مخالفت میں کہی ہیں، قصوروار ٹھہرائے۔

یہاں خداوند سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مقدس جماعتوں کا مصداق صحابہ کرام ہیں۔

بدھ مت کی مذہبی کتب میں صحابہ کرام کا ذکر

گوتم بدھ کی پیشین گوئیوں کو اس کے پیروکاروں نے جمع کیا۔ پیشین گوئیوں کی کتاب کا نام *Saddharam Pundrik I* ہے،اس میں بدھ کہتا ہے:

Be well preparaed and well minded; join your hands, he who is affectionate and merciful to world (Rahmatul lil aalameen) is going to speak, is going to pour the endless rain of Law and refersh those that are waiting for enlightenment. And if some should feel doubt, uncertainly or misgiving in any respect, then the wise one will remove it for his childern, the Buddhisattva here striving after enlightenment.And that moment the folloing thought arose in the mind of Buddhisattva Maitreya ..... We never yet saw so great a host, so great a multitude of Buddhisattvas, we never yet heard of such multitude that after issuing from the gaps of the earth stood in the presence of the lord to honour, respect, venerate and worship him and greet him with joyful shouts, Whence they come here in the form of great bodies? All are great seers, wise anf strong in memory, whose outward appearance is lovely to sea, whence have they come? (۲۰)

راست ذہن کے ساتھ اچھی طرح تیار ہو جاؤ اور آپس میں متحد رہو اس کا ہاتھ پکڑ لو جو تمام دنیا کے لیے رحمت والا (رحمۃ للعالمین) ہے۔ جو کلام کرنے والا ہے۔ جو قانون کی نہ ختم ہونے والی بارش اس طرح برسائے گا کہ وہ لوگ جو روشنی کا انتظار کر رہے ہیں، ان کو تازہ دم کر دے گا۔ اگر کچھ لوگ اس کی بات میں شک کریں گے، کسی بھی لحاظ سے اس کی بات کو غیر یقینی تصور کریں گے

Marfat.com

تو پھر ایسا ہوگا کہ کوئی عقل مند فرد انکے شک اور غیر یقینی صورت حال کو ان کے بچوں کے لیے ختم کر دے گا اور بدھا یہاں روشنی کے لیے کوشش کر رہا ہے۔ اسی لمحے بدھا میتر یا کے ذہن میں خیال ابھرا............ ہم نے کبھی اتنا بڑا مہمان نواز نہیں دیکھا، مقدسوں کا اتنا بڑا گروہ نہیں دیکھا، ہم نے کبھی ایسے گروہ کے بارے نہیں سنا کہ جو زمین میں ایک وقفے کے بعد برآمد ہوا اور اپنے خدا کے حضور عزت، احترام اور ستائش کے ساتھ کھڑے ہوئے اور اس کی عبادت کی اور خوشی کے کلمات سے اس کی رضا حاصل کی۔ عظیم ہستیوں کی شکل میں وہ کہاں سے یہاں آتے ہیں۔ وہ تمام لوگ عظیم، دور اندیش، عقل منداور پختہ حافظے کے مالک ہیں جن کی ظاہری شباہت قابلِ تحسین ہے۔ ایسے لوگ کہاں سے آتے ہیں۔

اس پیشین گوئی میں صحابہ کرام کی قرآن کی بیان کردہ شان تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ اور رضی اللہ عنهم و رضوا عنه دوسرے رنگ میں بیان ہوئی ہے۔

زرتشتیت کی مذہبی کتب میں صحابہ کرامؓ کا ذکر

زرتشتیت یا پارسی مذہب کی مقدس کتب دو زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ ژندی اور پہلوی میں۔ اس مذہب کی کچھ مقدس کتب قدیم تصویری رسم الخط (Cuneiform) میں بھی ہیں۔ پہلوی زبان کا رسم الخط موجودہ فارسی رسم الخط سے مماثلت رکھتا ہے۔ جبکہ ژندی اور رسم الخط قدیم تصویری رسم الخط اس سے مختلف ہیں۔ یہ مقدس کتب دو حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک کو ''دساتیر'' اور دوسرے کو ''ژنداوستا'' کہا جاتا ہے۔ ان دونوں حصوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے بارے پیشین گوئیاں موجود ہیں جن کی حتمی تصدیق مستند تاریخ سے ہوتی ہے۔

ژنداوستا میں صحابہ کرام کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع اور حفاظت کے لیے ایک دیوار بننا اس طرح مذکور ہے۔

we homage the good, strong, beneficient Fra-vashes of the faithful, who fight at the right hand of reigning Lord..... They come flying unto him, it seems, as if they were well-winged birds. They come in as a weapon and as shield, to keep him behind and to keep him in fornt,

Marfat.com

from the enemy unseen, from the female Verenya fiend, from the evil-doer bent on mischeif and from that fiend who all is death, Angru Mainyu (Farvardin Yasht, 63) (۲۱)

ہم ایمان رکھنے والوں میں سے بڑے پیشوا کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جو نیک، مضبوط اور مہربان ہے۔ وہ فرماں روا آقا کے دائیں جانب لڑتے ہیں۔ وہ انتہائی پھرتی سے اڑتے ہوئے اس تک پہنچتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ مضبوط پروں والے پرندے ہیں۔ وہ کبھی ہتھیار بن کر، کبھی ڈھال بن کر آتے ہیں تا کہ آگے اور پیچھے سے، نظر نہ آنے والے دشمن سے، چڑیل یا شرانگیز عورت سے، ایسے برے شخص سے جو برائی پر تلا ہوا اور ایسے فتنہ پرداز سے جو اس کی موت کا خواہاں ہو سے محفوظ کر سکیں۔

سیرت و تاریخ کی کتب ایسے متعدد مناظر پیش کرتی ہیں کہ صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے جانثاری و فداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جانیں نچھاور کیں اور آپ اور دشمنوں کے درمیان حفاظتی دیوار بنے رہے۔ ذیل میں صرف دو واقعات بیان کیے جاتے ہیں جو اوپر کی گئی پیشین گوئی کی تائید ہیں۔

پہلا واقعہ

حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف فرما رہے تھے اس وقت آپ کا ہاتھ ابوبکرؓ کے ہاتھ میں تھا۔ حجر اسود کے پاس تین مشرک عقبہ بن ابی معیط، ابوجہل بن ہشام اور امیہ بن خلف بیٹھے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اونچی آواز سے طنز و تشنیع سے لبریز باتیں کیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر کبیدگی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں فوراً آپ کے پاس پہنچا اور آپ کو اپنے اور ابوبکرؓ کے درمیان میں لے لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں میرے ہاتھ میں ڈال دیں اور ہم تینوں طواف کرنے لگے۔ پھر جب آپ جب ان تینوں کے پاس سے گزرے تو ابوجہل نے کہا تم اگر ہمیں ان معبودوں کی عبادت کرنے سے روکتے رہے جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں تو ہم تم سے کبھی صلح نہیں کر سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا بھی یہی حال ہے اور آگے تشریف لے گئے۔ چوتھے طواف پر جب آپ قریب سے گزرے تو اٹھ کر آپ پر حملہ کر دیا۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدافعت کرتے ہوئے امیہ بن خلف کو پیچھے دھکیل دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو اور دونوں حفاظتی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ (۲۲)

دوسرا واقعہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ احد کے دن جب صحابہ بکھر گئے تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا پا کر مشرق کی جانب سے ایک پرندے کی طرح فضا میں پرواز کرتا ہوا تیزی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے تیزی سے بھاگا اور کہا الٰہی خیر ہو۔ کیا دیکھتا ہوں وہ شخص مجھ سے پہلے پہنچ چکا ہے اور وہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہیں، اور طلحہ بن عبیداللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے اپنے سینے پر تیر لے رہے ہیں۔ (۲۳)

ژند اوستا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات ایک اور جگہ اس طرح بیان کی گئی ہیں:

And there shall his friends come forward, the friends of Astvt-erata, who are fiend smitting, well thinking, well speaking, well doing, following the good law and whose tongues have never uttered a word a falsehood: Zamyad Yasht, 95 (۲۳)

پھر اس کے دوست آگے بڑھیں گے، تمام اقوام کو جمع کرنے والی ذات (قرآن کے بقول کافة للناس بشیرا و نذیرا) کے دوست، جو شیطان صفتوں پر بہت سخت ہوں گے۔ بہت سمجھ بوجھ والے ہوں گے، حسنِ گفتار و حسنِ کردار کے حامل ہوں گے، اچھے قانون کی فرمانبرداری کرنے والے ہوں گے اور ان کی زبانوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہوگا۔

دساتیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

چم چمیم کا جام کمند هزتوار جیارم ورتا هتیال هود . یو هزار تسا مام هو هیر تاک و نیر تاک و امیراک و سمیراک سرویم ارتد .و هوندهر در کتام یتو دام .بیرن فه شائی نیمار و سیمار کسوار آبادلی جوار هده نیوستا. وهوزد هوش شنشور. .وتدرا هند شایسیما رام مدیر دانتورام هام و ینغود و ... اک و شایام شمناد. وهابیم هار هشیام ورتا پاند

Marfat.com

جب فارسی لوگ اس طرح کے کام کریں گے تو اہلِ عرب میں ایک آدمی پیدا ہوگا جس کے پیروکاروں کے ہاتھوں فارس کے تاج وتخت اور حکومت و مذہب کا خاتمہ ہوگا۔اور متکبرین مغلوب ہوں گے۔تب وہ بتوں کے گھر اور آتش کدہ کے بجائے ابراہیم کی عبادت گاہ کو بغیر بتوں کے قبلہ کی صورت میں دیکھیں گے۔اور اس (عربی آدمی) کے پیروکار دنیا کے لیے رحمت ہوں گے۔ان کا آتشکدوں پر قبضہ ہو جائیگا۔

مدائن، تس، بلخ اور بہت سے معروف اور مقدس مقامات پر ان کا غلبہ ہوگا۔ (۲۵)

ہندومت کی مذہبی کتب میں صحابہ کرام کا ذکر

ہندومت کا مقدس دینی ادب تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔وید، اُپنشد اور پُران۔سب سے قدیم دینی ادب وید ہیں جو مزید چار حصوں میں منقسم ہیں۔رِگ وید، یجُر وید، سام وید اور اتھر وا وید۔ (۲۶)

سب سے اہم پران ''بھاوشیا پران'' کے پراتی سارگ ۳، کھانڈ ۳، ادھے ۳، اشلوک ۵ تا ۸ میں مہارشی ویاسا پیشین گوئی کرتے ہیں:

ایک غیر ہندی زبان بولنے والا روحانی رہنما اپنے ساتھیوں (صحابہ) کے ساتھ ظاہر ہوگا اس کا نام محمد ہوگا۔ (۲۷)

اتھر وا وید کی کتاب نمبر ۲۰، باب نمبر ۱۲۷، آیت نمبر ۳ میں ہے علامتی طور پر بیان کیا گیا کہ عرب مامہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) رِشی کو ''سو سونے کے موتی، دس ہار، تین سو عربی گھوڑے، دس ہزار مقدس گائیں عطا کی جائیں گی''۔ (۲۸)

اس کی شرح میں مولانا عبدالحق ہندو کتب و شارحین، تاریخ اور دیگر قرائن کو پیش نظر رکھ کر لکھتے ہیں کہ سو سونے کے موتیوں سے مراد اولین ایمان لانے والے صحابہ کی وہ جماعت مراد ہے جس نے تکالیف و مصائب کے پہاڑ سر کیے اور آخرِ کار حبشہ کی طرف ہجرت کی۔سونے کی تشبیہ اس لیے دی گئی کہ انہیں آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزارا گیا اور وہ کندن بن گئے۔دس ہاروں سے مراد عشرۃ مبشرۃ ہیں۔تین سو عربی گھوڑوں سے مراد تابع فرمان اور طاقتور افراد ہیں جو غزوہ بدر میں شریک صحابہ کرام ہیں۔اور دس ہزار مقدس گاؤں سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس ہزار صحابہ ہیں جو فتحِ مکہ کے وقت آپ کے ہمراہ تھے۔ (۲۹)

Marfat.com

مذاہبِ عالم کی کتب سے پیش کیے گئے صحابہ کرامؓ کے تذکرہ کے یہ چند نمونے اس بات کی علامت اور ثبوت ہیں کہ یہ جماعت پہلی امتوں کے لیے بھی علم وعمل میں بطور نمونہ ومثال پیش کی گئی جیسا کہ امتِ محمدیہ کے لیے یہ جماعت اولین وبہترین نمونہ ہے۔ (۳۰)

۞ ۞ ۞

حوالے وحواشی

۱۔ البقرۃ ۲:۳۸ ۲۔ النحل ۱۶:۳۶

۳۔ فاطر ۳۵:۲۴ ۴۔ آل عمران ۳:۸۱

۵۔ حِزْبُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ، المجادلۃ ۲۲؛ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ، ؛الحجرات۔۷؛ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؛ آل عمران۔۱۱۰۔

۶۔ البقرۃ ۲:۱۳۷؛ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا

۷۔ النساء ۴:۱۱۵؛ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا

۸۔ قرآن حکیم نے دینِ اسلام کی نسبت، اللہ، رسول اور صحابہ سے کی۔
يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا (النصر۔۲) إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي (یونس۔۱۰۴)
الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدہ۔۳)

۹۔ الاعراف ۷:۱۵۷ ۱۰۔ الفتح ۴۸:۲۹

۱۱۔ الحلبی علی بن برہان الدین، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، دارالاشاعت کراچی، جزدوم، ۱/۲۲۱، ۱۹۹۹ء

Marfat.com

۱۲۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی، دلائل النبوۃ، تحقیق دکتور عبد المعطی قلعجی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۴/ ۳۷۷-۳۷۸، طبع اول، ۱۹۸۸ء؛ محمد بن سعد، ابو عبد اللہ البصری، الطبقات الکبری، تحقیق احسان عباس، دار صادر بیروت، ۱/ ۲۵۹، طبع اول، ۱۹۶۸ء

۱۳۔ ابن جوزی، جمال الدین، سیرت عمر، مطبوعہ مصر۔ ص ۳۱، س۔ن

۱۴۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، التاریخ الکبیر، دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدر آباد، ۱/ ۱۷۹۔ س ن

۱۵۔ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم و الرسل و الملوک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲/ ۴۴۸، ۱۴۰۷ھ؛ الجزری، ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، تحقیق عبد اللہ القاضی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲/ ص ۳۴۷، طبع دوم، ۱۴۱۵ھ

۱۶۔ الاندلسی، محمد بن یحیٰی المالکی، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان، تحقیق محمد یوسف زاید، دار الثقافۃ دوحہ القطر، ۳۶، ۱۴۰۵ھ

۱۷۔ الطبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، تحقیق حمیدی بن عبد المجید السّلفی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/ ۸۴، ۱۹۸۳ء

۱۸۔ *Holy Bible* translated from the Latin Vulgate, M.H. Gill & Son, Dublin, 1846, 154

کیرانوی، رحمت اللہ، مولانا، اظہار الحق ترجمہ بائبل سے قرآن تک، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۳/ ۲۵۱۔۲۵۸

تورات کی یہ بشارت خاصی صریح تھی اس لیے اس عبارت میں ترمیم و تحریف کی گئی ہے۔ پہلے ''دس ہزار قدوسیوں'' کے الفاظ تھے جس میں ترمیم کر دی گئی تفسیر حقانی اور سیرۃ النبی (سیّد سلیمان ندویؒ) میں جیسا کی منقول ہے۔ بائبل کے موجودہ نسخوں میں ''ہزاروں'' کی جگہ ''لاکھوں'' کر دیا گیا ہے۔

۱۹۔ *Ibid,* 193

۲۰۔ Vidhyarthi, Maulana Abdul Haque, *Muhammad in Wold Scriptures,* Abbas Manzil Library, Allahabad, .2/64-65,1955

۲۱۔ Vidhyarthi, Maulana Abdul Haque & U. Ali, *Muhamamd in Parsi, Hindoo and Budhist Scriptures,* Abbas Manzil Library, Allahabad, 6-7,1955

Marfat.com

۲۲۔ الحلبی، علی بن برہان الدین، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون (السیرۃ الحلبیہ)، دارالمعرفہ بیروت، ۱/۴۷۱۔۴۷۲، ۱۴۰۰ھ

۲۳۔ ابن قیم الجوزیۃ، محمد بن ابی بکر الزرعی الدمشقی، زاد المعاد فی ھدي خیر العباد، تحقیق شعیب الارنؤوط وعبدالقادر الارنؤوط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۳/۲۰۴، طبع سوم، ۱۹۸۲ء

۲۴۔ *Ibid*, 19 ۲۵۔ *Ibid*, 22-23 ۲۶۔ *Ibid*, 33

۲۷۔ web source: http://bhavishyapuran.blogspot.com/2007/07/bhavishya-puran a-prediction-of.html

۲۸۔ *Hymns of the Atharva Veda*, translated by Maurice Bloomfield, sacred books of the East, 42/109, 1897,
web source:
http://cincinnatitemple.com/downloads/AtharvaVeda.pdf

۲۹۔ *Muhamamd in Parsi, Hindoo and Budhist Scriptures*, 55-61

۳۰۔ اس مقالہ میں جہاں تک ممکن ہوسکا بنیادی مصادر سے حوالہ جات نقل کیے گئے ہیں۔ بدھ مت اور زرتشتیت کی مذہبی کتب پوری تلاش کے باوجود دستیاب نہ ہوسکیں اس لیے ثانوی مصادر سے حوالہ جات دیے گئے ہیں۔

Marfat.com

اسلام: فکرِ اقبال کی روشنی میں

ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام شاہ*

علامہ اقبال کے تمام افکار ونظریات کا مرکز ومحور اسلام ہے۔ اقبال کے نزدیک اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے جو بذریعہ وحی الٰہی قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ اس کا دنیا میں ابلاغ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلۂ جلیلہ سے عمل میں آیا۔ اسلام زندگی کے تمام معاملات پر محیط ہے۔ اس میں سیاسی، اخلاقی، قانونی، اقتصادی، تعلیمی، تجارتی، عسکری، عدالتی اور ہر طرح کے انفرادی اور اجتماعی امور و معاملات شامل ہیں۔ اقبال کے الفاظ میں:

> اسلامی تصور ہمارا وہ ابدی گھر یا وطن ہے جس میں ہم اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو نسبت انگلستان کو انگریزوں سے اور جرمنی کو جرمنوں سے ہے، وہ اسلام کو ہم مسلمانوں سے ہے۔ (۱)

اقبال کے نزدیک اسلام تمام عالم انسانی کے لیے ایک دستور حیات ہے۔ ''اسلام عقائدی مذہب نہیں۔ اس کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ نوع انسانی ایک گھرانا اور ایک خاندان بن جائے۔ (۲) اسلام نے جو فرائض و ارکان یا طریق عبادات مقرر کیے ہیں، ان سب کا مدعا یہ ہے کہ انسانی قلوب کو رنگ، نسل، اور قوم کے امتیازات سے پاک کر دے۔ اقبال کے نزدیک اسلام کے دو اساسی ارکان ہیں، رکن اول توحید اور رکن دوم رسالت ہے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ایک ہے، وہ پاک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں وہ سب کا خالق، مالک اور پروردگار ہے۔ تمام کائنات میں وہی ایک حکمران ہے۔ اس کے سوا کوئی فرد یا گروہ حکومت کا حق نہیں رکھتا۔ اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ (۶:۵۷) یعنی سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔ فَالحُکمُ لِلّٰہِ العَلِیِّ الکَبِیر (۴۰:۱۲) یعنی حکم اللہ

☆ پروفیسر مسندِ اقبال، پنجاب یونی ورسٹی لاہور

Marfat.com

کے لیے ہے جو عظمت والا ہے۔ اس حوالے سے اقبال نے کہا:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے حکمراں ہے اک وہی، باقی بتان آزری

(بانگِ درا، ۲۶۱)

توحید کی تعلیم اور تاثیر سے فرد صفات الہیہ سے متصف ہو کر یکتا بن جاتا ہے۔ اس کی شخصیت میں یکتائی اور انفرادیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ دوسرے انسانوں کے لیے رحمت اور شفقت کا باعث بن جاتا ہے۔ توحید کا نقش دل سے خوف اور حزن کو جو کہ امّ الخبائث ہیں دور کر دیتا ہے۔ اقبال کے نزدیک شرک خوف ہی میں پنہاں ہوتا ہے:

ہر کہ رمز مصطفیٰ فہمیدہ است شرک را در خوف مضمر دیدہ است

(رموز بے خودی، ۹۶)

وحدت انسانی کا تصور بھی عقیدہ توحید سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی سب لوگ ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں۔ ان کی تخلیق کی ایک ہی اصل ہے۔ اسود و احمر اور عرب و عجم میں کوئی فرق نہیں۔ اقبال سیاست میں اسلام کے عقیدہ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسلام بحیثیت ایک نظام سیاست کے اصول توحید کو انسانوں کی جذباتی اور ذہنی زندگی میں ایک زندہ عنصر بنانے کا عملی طریقہ ہے۔ اس کا مطالبہ وفاداری خدا کے لیے ہے نہ کہ تخت و تاج کے لیے اور چونکہ ذات باری تعالی تمام زندگی کی روحانی اساس ہے اس لیے اس کی اطاعت کا درحقیقت یہ مطلب ہے کہ انسان خود اپنی ہی فطرت صحیحہ کی اطاعت کرتا ہے۔ [(۳)]

اللہ تعالی کی حکومت میں کسی کے حکم کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ فرمایا:

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (۱۸:۲۶)

وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

نہ ہی کسی غیر الٰہی طاقت سے کوئی راضی نامہ کیا جا سکتا ہے۔ توحید کا اصول قطعی ہے۔ اقبال کے الفاظ میں:

اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں، بلکہ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلامی ہو نا معقول و مردود ہے۔ [(۴)]

Marfat.com

صرف دین اسلام ہے جو ایک قوم کو اس کے صحیح ثقافتی اور سیاسی معنوں میں سہارا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کھلم کھلا اعلان کرتا ہے کہ اسلام کے علاوہ اور کوئی نظام ہے تو اس کی مذمت کی جائے اور اسے مسترد کر دیا جائے۔ (۵)

اقبال کے نزدیک اسلام کا دوسرا اہم رکن رسالت ہے۔ مسلمانوں کا قومی وجود مکمل طور پر رسالت سے ہے۔ فرماتے ہیں:

ہمارے عقیدے کے مطابق بحیثیت ایک مذہب کے اللہ تعالی نے اسلام کو وحیاً نازل کیا، لیکن معاشرے یا ملت کے طور پر اسلام کا وجود کلیۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کا رہینِ منت ہے۔ (۶)

اس طرح ہمارا وجود ہمارا دین اور ہمارا آئین مکمل طور پر رسالت محمدیہ کا نتیجہ ہے:

از رسالت در جہانِ تکوین ما　　از رسالت دینِ ما آئین ما

(رموز بے خودی، ۱۰۱)

توحید کی نشر و اشاعت رسالت کے ذریعہ ہوئی ہے لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ توحید کی بہترین تفسیر اور مسلمانوں کی زندگی کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ مسلمانوں کی دماغی اور قلبی تربیت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ان کے عقیدے کی رو سے زندگی کا جو نمونہ بہترین ہو، وہ ہر وقت ان کے سامنے رہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لیے اسی وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدنظر رکھیں تا کہ جذبہ تقلید اور جذبۂ عمل قائم رہے۔ (۷)

اسلام میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے استحکام کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سنت سے بہتر کوئی نسخہ نہیں۔ آپ نوع انسانی کے لیے صبر و تحمل، محبت و رحمت، شوکت و شجاعت، عفو و درگذر، احترام و رواداری، عزت نفس اور تزکیۂ نفس کا بہترین نمونہ ہیں۔ اقبال کے نزدیک درحقیقت آپ کی زندگی ہی دین ہے:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(ارمغان حجاز، اردو، ۴۹)

نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کارنامہ تکمیل اخلاق ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ حُسنَ الاَخلاق (الموطأ: ۳۳۵۷) یعنی میں حسن اخلاق کی

Marfat.com

تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر دین اسلام کو مکمل کر دیا۔ لہٰذا آپ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ مکمل طور پر ختم ہو گیا۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آ سکتا ہے اور نہ ہی کسی وحی و الہام کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ اقبال نے کہا:

وہ اجتماعی اور سیاسی تنظیم جسے اسلام کہتے ہیں مکمل اور ابدی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں ہے۔ جو شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ اسلام سے غداری کرتا ہے۔ (۸)

اقبال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاقی محاسن اسرار خودی کے آغاز میں یوں بیان کرتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے دل قوت حاصل کرتا ہے۔ آپ معمولی چٹائی پر سوتے تھے۔ لیکن آپ نے اپنی امت کو تخت کسریٰ پر بٹھایا۔ آپ نے استحصالی قوتوں کی نسلوں کو ختم کیا اور دنیا کو ایک نیا زندگی بخش آئین عطا فرمایا۔ آپ نے دین کی حکمت سے امت پر دنیا کے دروازے کھول دیے۔ مادر گیتی نے آج تک آپ جیسا کسی کو پیدا نہ کیا۔ آپ نے امیر و فقیر کو یکساں حیثیت عطا فرمائی اور اپنے غلام کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ آزادی کا درس آپ ہی نے دیا اور آپ ہی نے سرداروں، جابروں اور کاہنوں سے انسان کو آزاد کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قدیم و جدید حقائق کا بہترین امتزاج اور مظہر ہے۔ اس حوالے سے اقبال رقم طراز ہیں:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی حیثیت دنیائے قدیم اور جدید کے درمیان ایک واسطے کی ہے۔ بہ اعتبار اپنے سرچشمہ وحی کے، آپ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے، لیکن بہ اعتبار اس کی روح کے، دنیائے جدید سے۔ یہ آپ ہی کا وجود ہے کہ زندگی پر علم و حکمت کے وہ تازہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آئندہ رخ کے عین مطابق تھے۔ لہٰذا اسلام کا ظہور استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔ اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان اپنے سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے شعور ذات کی تکمیل ہو گی تو یوں ہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے۔ یہی وجہ ہے

Marfat.com

کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو قبول نہیں کیا یا موروثی بادشاہت کو جائز نہیں رکھا، یا بار بار عقل اور تجربے پر زور دیا، یا عالم فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لیے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے؛ کیونکہ یہ سب تصور خاتمیت ہی کے پہلو ہیں۔ (۹)

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد　　بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفل ایام را　　اُو رسل را ختم، و ما اقوام را

(رموز بے خودی، ۱۰۲)

اقبال اسلام کو آزادی اور مساوات کے دو اہم اصولوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلام ہی وہ سب سے پہلا دین ہے جس نے غلامی کے خلاف اقدام کیا اور آزادی کو انسان کا فطری حق قرار دیا۔ ان کے نزدیک سب سے پہلے نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو فطری آزادی کی تعلیم دی اور غلاموں اور آقاؤں کے حقوق مساوی قرار دے کر اس تمدنی انقلاب کی بنیاد رکھی جس کے نتائج کو اس وقت تمام دنیا محسوس کر رہی ہے۔ (۱۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا:

اے لوگو تمھارا رب ایک ہے تمھارا باپ بھی ایک ہے تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ (سنن الترمذی: ۳۱۹۳)

اسلامی تمدن کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح کارفرما ہے۔ بالفاظ دیگر اسلام ایک اخلاقی ضابطہ حیات ہے جس میں دین اور دنیا ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں:

اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اسی کا پیدا کردہ ہے الگ نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کا ترک کرنا بھی لازم آئے گا۔ (۱۱)

اسلام محض فرد کی ذات تک محدود نہیں بلکہ اس کی زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔ مسیح علیہ السلام کا عالمگیر نظام اخلاق نیست و نابود ہو چکا ہے۔ اس کی جگہ اخلاقیات و سیاسیات کے قومی نظامات نے لے لی ہے۔ اس سے اہل مغرب بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مذہب کا معاملہ ہر فرد کی ذات تک محدود ہے۔ اسے دنیوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اسلام کے نزدیک ذات انسانی بجائے خود ایک وحدت

Marfat.com

ہے۔ وہ مادے اور روح کی کسی نا قابل اتحاد ثنویت کا قائل نہیں ۔ مذہب اسلام کی رو سے خدا اور کائنات، کلیسا اور ریاست اور روح اور مادہ ایک ہی کل کے اجزا ہیں ۔ (۱۲) اقبال نے مزید کہا: ''کیا مذہب ایک نجی معاملہ ہے اور آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے اسلام کا بھی وہی حشر ہو جو مغرب میں مسیحیت کا ہوا ہے۔'' (۱۳)

علامہ اقبال کے نزدیک اس وقت قوم و وطن کے تصور نے مسلمانوں کی نگاہوں کو نسل وخون کے امتیاز میں الجھا دیا ہے اور اس طرح اسلام کے انسانیت پرور مقاصد میں عملاً حارج ہو رہا ہے۔ اقبال کا عقیدہ ہے کہ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو ذہن انسانی کو نسل و وطن کی قیود سے آزاد کر سکتی ہے۔ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست دونوں کی زندگی میں غیر معمولی اہمیّت حاصل ہے اور جسے یقین ہے کہ اسلام کی تقدیر خود اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ (حرف اقبال، ۲۴)

اسلام میں ریاست اور مذہب کی دوگانگی کا کوئی تصور نہیں ۔نظریہ توحید نے اس دوئی کو مکمل طور پر کالعدم قرار دیا ہے، تاکہ انسانی معاشرہ ایک واحد کی صورت اختیار کرے جہاں سب لوگ محترم ہوں۔ اقبال کے الفاظ میں: اسلام کلیسا نہیں ہے۔ یہ ایک ریاست ہے۔ اسے ایک تنظیم سمجھ لیجیے جو معاشرے کے ذریعے تشکیل پاتی ہے۔ پس اسلام ایک راستہ ہے نوع انسانی کے اتحاد کی طرف۔ یہ ایک سوشل نظام ہے جو حریت اور مساوات کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ اس وقت احترام انسانی کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ (۱۴)

اسلام کی توجہ تمام تر ریاست پر ہے اور ریاست ہی کا خیال اس کے باقی تمام تصورات پر حاوی ہے۔ اسلام نے روحانی اور مادی دو الگ الگ نظام قائم ہی نہیں کیے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ریاست اور کلیسا ایک ہی چیز کے دو اجزا ہیں۔ دراصل اسلام ایک واحد اور نا قابل تجزیہ حقیقت ہے۔ (۱۵)

توحید اساس ہے حریت، مساوات اور حفظ نوع انسانی کی ...... لہٰذا اسلامی ریاست کو حکومت الٰہیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تو انھی معنوں میں، ان معنوں میں نہیں کہ ہم اس کی زمام اقتدار کسی ایسے خلیفۃ اللہ فی الارض کے ہاتھ میں دے دیں جو اپنی مفروضہ معصومیت کے عذر میں اپنے جور و استبداد پر ہمیشہ ایک پردہ سا ڈال رکھے۔ (۱۶)

اقبال کے نزدیک اسلام کا ظہور بطور ایک اجتماع مدنی کے ہوا اور قرآن مجید کی بدولت اسے وہ

Marfat.com

صاف اور سادہ قانونی اصول مل گئے جن میں زبردست امکانات، جیسا کہ تجربے نے آگے چل کر ثابت کر دیا، موجود تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ترک وطن پرستوں کا نظریہ ریاست بڑا غلط اور گمراہ کن ہے۔ کیونکہ اس کی رو سے یہ ماننا لازم آتا ہے کہ اسلام کے اندر بھی کوئی ثنویت کام کر رہی ہے۔ حالانکہ اسلام میں اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں[۱۷] اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے وہ اپنے نظام یا نام کے ساتھ کسی پیوند کو قبول نہیں کرتا چنانچہ اسلام کو کسی خاص ملک یا کسی خاص شخص یا خاص زمانے سے منسوب کرنا سراسر غلط ہے۔

اسلام میں حریت، مساوات اور استحکام انسانیت کی ابدی صداقتوں کو چونکہ ایک وحدت میں سمو دیا گیا ہے لہٰذا اس کا کوئی وطن نہیں۔ پھر جیسے نہ تو کوئی انگریزی ریاضیات ہے، نہ فرانسیسی کیمیا، نہ تو کسی ترکی اسلام کا وجود ہے نہ عربی، ایرانی، ہندی اسلام کا، چنانچہ جدید تہذیب کو جس کی بنا وطنی انانیت پر ہے، انسان کے دورِ وحشت و بربریت ہی کی ایک شکل تصور کرنا چاہیے۔[۱۸]

اسلام کے اخلاقی اور اجتماعی مقاصد بعض غیر اسلامی توہمات کے زیر اثر دھندلا گئے ہیں۔ وہ اسلامی کم ہیں اور عجمی، عربی یا ترکی زیادہ ہیں۔ توحید کا صاف ستھرا چہرہ کفر و شرک کے غبار سے آلودہ ہو گیا ہے۔ وطنیت اور قومیت کے تصورات نے اسے مزید چھپا دیا ہے۔ لہٰذا اب کوئی چارہ کار ہے تو یہ کہ اس قشر کو جو سختی کے ساتھ اسلام پر جم گیا ہے اور جس نے زندگی کے ایسے مطمح نظر کو جو سرتاسر حرکت تھا، جامد بنا رکھا ہے، توڑ ڈالیں اور یوں حریت، مساوات اور حفظ و استحکام انسانیت کی ابدی صداقتوں کو پھر سے دریافت کرتے ہوئے اپنے سیاسی، اخلاقی اور اجتماعی مقاصد کی تعبیر ان کے حقیقی، صاف و سادہ اور عالمگیر رنگ میں کریں۔ اسلام وہ واحد دستور حیات ہے جو ہر طرح کے نسلی، لسانی اور علاقائی تعصّبات کو جو انسانوں کی ایک جماعت کو متفرق اور منتشر بنا دیتے ہیں۔ کالعدم قرار دیتا ہے اور ان میں اعلیٰ اخلاقی شعور پیدا کرتا ہے جس کا مقصد احترام آدمی ہے۔ اقبال کے نزدیک اسلام ہی وہ دین ہے جو دنیا میں مہذب اور فلاحی معاشرہ تشکیل دے سکتا ہے: ''دین اسلام فرد اور جماعت کے لیے اخلاقی حدود متعین کرتا ہے جس سے ایک ترقی یافتہ تہذیب اور فلاحی معاشرہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔'' ''دین اسلام نفس انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا، بلکہ ان کے عمل کے لیے حدود متعین کرتا ہے۔ ان حدود کو متعین کرنے کا نام اصطلاح اسلام میں شریعت یا قانون الٰہی ہے[۱۹] لندن میں ایک بیان میں کہا:

Marfat.com

اہل یورپ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے مذہب وحکومت کو علیحدہ علیحدہ کر دیا ہے۔اس طرح ان کی تہذیب اخلاق سے محروم ہوگئی اور اس کا رخ دہریانہ مادیت کی طرف پھر گیا۔ (۲۰)

اسلام از خود قوت حیات ہے وہ کسی دوسرے وجود کی مدد سے زندگی یا کسی طرح کی حرکت کا محتاج نہیں اقبال نے کہا:

دین اسلام غیر محسوس اور غیر مرئی حیاتیاتی نفسیاتی سرگرمی ہے جس میں یہ صلاحیت ودیعت کی گئی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے افکار و اعمال کو متاثر کرتا ہے بغیر کسی کوشش کے۔ (۲۱)

اسلام کے اقتصادی نظام پر اقبال نے بہت لکھا ہے۔اس ضمن میں ان کا یہ بیان نہایت جامع ہے:

شریعت حقہ اسلامیہ کا مقصود یہ ہے کہ سرمایہ داری کی بنا پر ایک جماعت دوسری جماعت کو مغلوب نہ کر سکے اور اس مدعا کے حصول کے لیے میرے عقیدے کی رو سے وہی راہ آسان اور قابل عمل ہے جس کا انکشاف شارع علیہ السلام نے کیا ہے۔اسلام سرمایہ کی قوت کو معاشی نظام سے خارج نہیں کرتا، بلکہ فطرت انسانی پر ایک عمیق نظر ڈالتے ہوئے اسے قائم رکھتا ہے اور ہمارے لیے ایک ایسا معاشرتی نظام تجویز کرتا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے یہ قوت کبھی اپنے مناسب حدود سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا، ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ اس خاص اعتبار سے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے۔میرا عقیدہ ہے: فَاَصْبَحتُم بِنِعمَتِہٖ اِخوَانًا (۳:۱۰۳) میں اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کسی قوم کے افراد صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے اخوان نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ ہر پہلو سے ایک دوسرے کے ساتھ مساوات نہ رکھتے ہوں اور اس مساوات کا حصول بغیر ایک ایسے سوشل نظام کے ممکن نہیں جس کا مقصود سرمایہ کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھ کر مذکورہ مساوات کی تخلیق و تولید ہو۔ (۲۲)

اقبال کے نزدیک اسلام ایک جمہوری نظام حیات ہے اور اسلامی جمہوریہ کی اساس شریعت کے نزدیک آزاد مساوات پر قائم ہے۔شریعت کے نزدیک کوئی گروہ، کوئی ملک، کوئی زمین فائق اور مرجح نہیں۔اسلام میں کوئی مذہبی پیشوائی یا مشیخیت نہیں۔ذات پات یا نسل وطن کا امتیاز نہیں۔اقبالؒ نے قائد اعظمؒ کے نام ایک خط میں لکھا:

Marfat.com

شریعت اسلامیہ کے طویل و عمیق مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلامی قانون کو معقول طریق پر سمجھا اور نافذ کیا جائے تو ہر شخص کو کم از کم معمولی معاش کی طرف سے اطمینان ہوسکتا ہے۔ لیکن کسی آزاد اسلامی ریاست یا چند ایسی ریاستوں کی عدم موجودگی میں شریعت اسلامیہ کا نفاذ اس ملک میں محال ہے۔ (۲۳)

مذکورہ خط سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اقبال ایک آزاد ریاست کا مطالبہ اس لیے کر رہے تھے کہ وہاں اسلامی قانون نافذ کیا جائے۔ اقبال مسلمان کی زندگی کو صرف اسلام سے مشروط قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک کوئی مسلمان اسلام سے قطع تعلّق کر کے کسی سیکولر نظام کے تحت مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اقبالؒ نے لکھا:

میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اِس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے، اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاست سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظت اسلام اس مقصد کا عنصر نہیں ہے جیسا کہ آج کے قوم پرستوں کے رویے سے معلوم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ (۲۴)

اسلام واحد ایسا معاشرتی نظام ہے جو تمام بنی نوع انسان کو رنگ، نسل اور علاقائی حدود سے نکال کر اسے ایک ایسا اخلاقی نصب العین عطا کرتا ہے جس میں اخوت، محبت اور ایثار ہو۔ ایسا نظام مغرب کے پاس نہیں ہے۔ نکلسن کے نام خط میں لکھا:

میری فارسی نظموں کا مقصد اسلام کی وکالت نہیں، بلکہ میری قوت طلب و جستجو صرف اس بات پر مرکوز رہی ہے کہ ایک جدید معاشرتی نظام تلاش کیا جائے اور عقلاً یہ ناممکن معلوم ہوتا کہ اس کوشش میں ایک ایسے معاشرتی نظام سے قطع نظر کرلیا جائے جس کا مقصد وحید ذات پات، رتبہ و درجہ، رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا دینا ہے۔ اسلام دنیوی معاملات کے باب میں نہایت ژرف نگاہ بھی ہے اور پھر انسان میں بے نفسی اور دنیوی لذائذ و نعم کے ایثار کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے اور حسن معاملات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اپنے ہمسایوں کے بارے میں اس قسم کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ یورپ اس گنج گراں مایہ سے محروم ہے اور یہ متاع ہمارے ہی فیضِ صحبت سے حاصل ہوسکتی ہے۔ (۲۵)

مقالاتِ اقبال میں ہے:

Marfat.com

اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام بنانا قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلام کے اور کوئی اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نظر کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ تاریخ ادیان اس بات کی شاہد عادل ہے کہ قدیم زمانے میں دین قومی تھا جیسے مصریوں کا، یونانیوں اور ہندیوں کا۔ بعد میں نسلی قرار پایا جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ دین انفرادی اور پرائیویٹ ہے جس سے بدبخت یورپ میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ دین پرائیویٹ عقائد کا نام ہے۔ اس واسطے انسان کی اجتماعی زندگی کی ضامن صرف سٹیٹ ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے، نہ انفرادی اور نہ پرائیویٹ، بلکہ خالصتاً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحد و منظم کرنا ہے۔ (۲۶)

اسلام اتحاد انسانی کا عظیم داعی ہے۔ اسلام نے بنی نوع انسان کے اتحاد کے ضمن میں جو پہلا قدم اٹھایا وہ ایک ہی نوع کے اخلاقی ضابطے رکھنے والوں کو اتحاد کی دعوت دینا ہے۔ قرآن کریم نے اعلان کیا کہ: اے اہل کتاب، آؤ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید پر متحد ہو جائیں جو ہم سب کے درمیان مشترک ہے۔ (۲۷) یٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ (۶۴:۳)

تفریقِ ملل افرنگ کا مقصود — اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم
مکّے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام — جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم؟
(ضرب کلیم، ۵۸)

اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے اس کی تعلیمات کا خلاصہ ایک آفاقی معاشرے کی تشکیل ہے تاکہ تمام بنی نوع انسان کا احترام کیا جائے۔ اقبال اول و آخر ایک متعہد مسلمان ہیں۔ وہ اسلام کے ایسے عظیم عالم اور مفکر ہیں کہ تاریخ میں ان کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ یہ اسلام پر ان کے غیر معمولی ایمان کی واضح دلیل ہے کہ انھوں نے اپنی تمام تحریروں میں مسلمانوں کی بقائے حیات کا واحد ضامن صرف اور صرف اسلام کو قرار دیا۔ اسلام کو مسلمانوں کی قومیت، اسلام کو مسلمانوں کا وطن، اسلام کو مسلمانوں کی

Marfat.com

تہذیب اور اسلام کو مسلمانوں کی زندگی قرار دیا۔ ان کی اسی روح پرور اور ایمان افروز تعلیمات کے نتیجے میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست معرض وجود میں آئی۔ ان کا ضمیر مکمل طور پر قرآن مجید کی آیات کا آئینہ دار ہے۔ عصر حاضر میں وہ مسلمانوں کے عظیم محسن ہیں۔ وہ اسلام پر کوئی سمجھوتا ہو خواہ وہ آزادیٔ وطن کا سمجھوتہ ہو، خواہ بقائے وطن کا اسے قبول نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے واضح الفاظ میں کہا:

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت　　　ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

(ارمغان حجاز، اردو، ۱۶)

اور اس سے بھی بڑھ کر کہا:

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے　　　تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی

(بانگ درا، ۲۵۴)

ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا ہے، یہ ہے کہ آڑے وقتوں میں اسلام ہی نے مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا، مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی۔ اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سر نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جائے گا۔ [۲۸]

عصر حاضر کے طوفانوں میں اسلام اقبال کے نزدیک سفینۂ نوح ہے سفینۂ نجات ہے۔ دین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

۞ ۞ ۞

حوالے و حواشی

۱۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر، ۱۸

۲۔ گفتار اقبال، ۲۵۵

Marfat.com

۳۔ اصل انگریزی عبارت یہ ہے:

Islam, as a polity is only a practical means of making this principle (Tauhid) a living factor in the intellectual and emotional life of mankind. It demands loyalty to God not to thrones. And since God is the ultimate spiritual basis of all life, loyalty to God virtually amounts to man's loyalty to his own ideal nature. *(The Reconstruction of Religious Thought in Islam.* Lahore, 1996, 117)

۴۔ مقالاتِ اقبال، ۲۶۴

۵۔ تقریریں، تحریریں اور بیانات، ۳۴۸

۶۔ تقریریں، تحریریں اور بیانات، ۲۳۸

۷۔ مقالات اقبال، ۲۳۷

۸۔ تقریریں، تحریریں اور بیانات، ۲۵۰

۹۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ۱۹۴،۱۹۳

۱۰۔ مقالاتِ اقبال، ۸۱

۱۱۔ حرفِ اقبال، ۲۵

۱۲۔ حرفِ اقبال، ۲۲

۱۳۔ حرفِ اقبال، ۴۵

۱۴۔ تقریریں، تحریریں اور بیانات، ۳۸

۱۵۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ۲۳۷

۱۶۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ۲۳۸

۱۷۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ۲۴۰

۱۸۔ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ۲۴۱

۱۹۔ اقبال نامہ، ۲۰۲/۱

۲۰۔ اساسِ فکر اقبال، ۳۱

۲۱۔ تقریریں تحریریں اور بیانات، ۲۵۰

۲۲۔ گفتار اقبال، ۷

۲۳۔ اقبال نامہ، ۲۶/۲

۲۴۔ اقبال نامہ، ۲۰۹/۱

۲۵۔ اقبال نامہ، ۴۷/۱

۲۶۔ مقالاتِ اقبال، ۲۶۵

۲۷۔ تقریریں، تحریریں اور بیانات، ۲۱

۲۸۔ حرفِ اقبال، ۵۰

Marfat.com

کتابیات

۱۔ اقبال: تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۵۸ء

۲۔ اقبال: ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۰ء

۳۔ اقبال احمد صدیقی: علامہ اقبال، تقریریں، تحریریں اور بیانات، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۹۹ء

۴۔ شروانی، لطیف احمد: حرفِ اقبال، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء

۵۔ عبدالواحد معینی: مقالاتِ اقبال، لاہور، ۱۹۸۸

۶۔ محمد رفیق افضل: گفتارِ اقبال، لاہور، ۱۹۷۷ء

۷۔ مظفر حسین: اساسِ فکر اقبال، لاہور، ۲۰۰۴ء

Marfat.com

تالیفاتِ اساتذہ

شعبہ علومِ اسلامیہ

☆	مسند عائشہ صدیقہؓ۔ تحقیق ودراسۃ	پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت
☆	المنهاج السوی فی ترجمة الا مام النووی	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ،
	لامام جلال الدين السيوطى (تحقيق وتخريج)	پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت
☆	تحفة الطالبين فى ترجمة الا مام النووى	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ،
	(تحقيق وتخريج)	پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت
☆	اشاریہ تفہیم القرآن	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ،
		پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت
☆	یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ	پروفیسر حافظ احمد یار خاں
☆	انسانِ کامل (نیا ایڈیشن)	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆	حفاظتِ حدیث (نیا ایڈیشن)	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆	اضطراب	حافظ عثمان احمد

Marfat.com

تورات اور قرآن کا فلسفہ عبادت

ڈاکٹر غلام علی خان*
مسفرہ محفوظ**

عبادت کا معنی ومفہوم

''عبد'' وہ ہے جو کسی کی ملکیت ہو اور یہ لفظ ''حرّ'' آزاد کی ضد ہے۔

''تعبد الرجل'' یعنی آدمی کو غلام بنالیا اور اس کے ساتھ غلام جیسا معاملہ کیا اور عبادت اس اطاعت کو کہتے ہیں جو پوری فرماں برداری سے ہو۔ (۱)

الزبیدی بیان کرتے ہیں:

عبادت سے مراد ایسے اعمال ہیں جن سے خدا راضی ہو۔ (۲)

''العبودیة'' کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت وانکساری ظاہر کرنا مگر ''العبادة'' کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے۔ لہٰذا عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہوسکتی ہے جو بے حد صاحب افضال وانعام ہو اور ایسی ذات صرف ذاتِ الٰہی ہی ہے۔ (۳)

اسی لیے فرمایا: اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ (۴) کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

الصحاح کی رو سے ''عبـــودیة'' کی اصل الخضوع اور الذل ہے۔ یعنی عاجزی وانکساری، اطاعت وفرماں برداری اور ذلت وپستی وغیرہ۔ (۵)

محمد عبدہ بیان کرتے ہیں کہ عبادت انتہائی خضوع کے ساتھ اطاعت ہے۔ ہر عبادت جو پورے

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور
** پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

Marfat.com

پورے معنیٰ کو ظاہر کردے اور مفہوم کو بالکل روشن کردے۔ (۶)

عبادت سے مراد شریعت میں خدائے عزوجل کے سامنے اپنی بندگی اور عبودیت کے نذرانے پیش کرنا، اور اس کے احکام کو بجالانا ہے۔ اس لیے قرآنِ پاک میں عبادت کا مقابل استکبار اور غرور استعمال ہوا ہے۔ (۷)

اس کو قرآنِ کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَ مَنۡ عِنۡدَهٗ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَ لَا یَسۡتَحۡسِرُوۡنَ (۸)

اور جو فرشتے اس کے پاس ہیں وہ نہ اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اس کی بندگی سے سرتابی کرتے ہیں اور نہ ملول ہوتے ہیں۔

عبادت کی حکمت وفلسفہ

اللہ کی اطاعت بذاتِ خود مقصد نہیں ہے اس لیے کہ بندوں کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی ان کی نافرمانی سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بندے کی تربیت کا ایک وسیلہ ہے جس کا سارا فائدہ بندوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا اطاعتِ الٰہی کا مقصد، لوگوں کی بھلائی روئے زمین کی تعمیر وترقی، بہتر عمل اور اچھی زندگی پر آمادہ کرنا خالق کی پہچان، امن وسلامتی اور ہر ایک کی خیر خواہی کی بنیاد پر انسانی نظام حیات کی حفاظت ہے۔ (۹)

عبادات انسان کی ذاتی منفعت اور بھلائی کے لیے ہیں۔ اس سلسلے میں عزالدین بن عبدالسلام بیان کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سب کی عبادت سے بے نیاز ہے نہ اسے فرماں برداروں کی اطاعت کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ گناہ گاروں کا گناہ کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ (۱۰)

عبدالحامد بدایونی کے نزدیک:

عبادات انسان کے نفس کو مہذب بناتی ہیں۔ اخلاق رذیلہ ترک کر کے اچھی عادتیں پیدا کرتی ہیں۔ انسان اتنی دیر دنیا اور اس کی لذات سے دماغ کو پاک صاف کر کے خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس طرح بادشاہ کے خوش ہو جانے سے خادم ونوکر کی زندگی سنبھل جاتی ہے اور وہ خوشنودی حاصل کر کے مراتب حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح عبادت سے انسان کی بندگی کا

Marfat.com

اظہار خالق کے قرب کا ذریعہ ہے اور رضائے الٰہی کا سامان ہے جتنا جتنا وہ قرب حاصل کر لے گا اتنا ہی معزز ہوگا۔ دل میں ایک سرور پیدا ہوگا قلب پر نورانی شعاعیں پڑنے سے اس کے اندر ایک انقلاب برپا ہوگا۔ (۱۱)

امام رازیؒ بیان فرماتے ہیں:

عبادت تسلیم کی انتہا سے عبارت ہے اور اس کا کوئی حق دار نہیں سوائے اس کے جس سے انتہائی نعمتوں کا صدور ہوتا ہے اور اس انعام کا سب سے بڑا مظہر زندگی ہے جو فائدہ حاصل کرنے کے لیے فائدہ مند ہے۔ (۱۲)

امام غزالیؒ عبادات کا فلسفہ بیان کرتے ہیں:

عبادات انسان کے قلب کی صحت کے لیے وہی حکم رکھتی ہیں جو دوائیں اس کی بدنی صحت کے لیے جب کہ وہ دوا کے خواص اور اس کے ترکیب کے راز کو نہیں سمجھتا، اسے طبیب سمجھتا ہے یا وہ عالم جس نے اس کے علم میں اختصاص حاصل کر لیا ہو۔ طبیب جو دوائی تجویز کرتا ہے ہر مریض اس کی تقلید کرتا ہے اور اس سے اس بارے میں بحث و مباحثہ نہیں کرتا۔ لہٰذا مجھے معلوم ہوا کہ عبادت کی دوائیں اپنی حدود اور مقداروں کے ساتھ انبیاء کی طرف سے مقرر شدہ ہیں۔ (۱۳)

شریعت الٰہی نے انسانیت کی تربیت کے لیے بہت سے انداز اختیار کیے اور ان میں اسی بات کو پیش نظر رکھا کہ انسانوں کو ان کے مقصد حیات سے آگاہی ہو۔ چنانچہ اس ضمن میں شریعت نے دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی طرف رغبت اور اللہ کی عبادت کا حکم دیا۔ جن و انس کا تو بنیادی مقصد وجود ہی یہ قرار دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۱۴)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا الا لیعبدون کے معنی یہ ہیں کہ وہ خوشی سے کریں یا مجبور ہو کر کریں ہر حال میں وہ میری ہی عبادت کا اعتراف کریں۔ (۱۵)

امام رازیؒ بیان کرتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے تکذیب کرنے والوں کا تذکرہ کیا تو یہ آیت ذکر فرمائی تا کہ ان کے برے

Marfat.com

کاموں کا بھی تذکرہ کیا جائے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کر دی حالانکہ انھیں تو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا۔ (۱۶)

لہٰذا انسان اسی حیثیت سے پیدا کیے گئے ہیں کہ ان سے عبادت ہی حاصل ہو اور عبادت کی طرف انھیں ہدایت کی گئی تو یہ ان کے پیدا کرنے کی غایت کمال ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

ساری زندگی خدا کی بندگی میں بسر ہو انسان اپنے آپ کو دائمی اور ہمہ وقتی ملازم سمجھے انسان کی زندگی کا ایک لمحہ بھی اللہ کی عبادت سے خالی نہ ہو۔ اس دنیا میں انسان جو کچھ بھی کرے اللہ کی شریعت کے مطابق کرے، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا غرض سب کچھ اللہ کے قانون شرعی کی پابندی میں ہو۔ (۱۷)

یوسف قرضاوی کے بقول:

یہ عبادات ہی کا کام ہے کہ وہ اپنے مولا کو بھولنے یا اپنی آخرت سے غافل ہونے والے کے لیے تنبیہ اور تذکیر کا کام کریں۔ پھر ان کی ادائیگی کے بعد انسان کو چھوڑ دیں کہ وہ اپنی دنیا کی طرف لوٹے جسے وہ تیز قدموں اور پوری قوت کے ساتھ کوشش کر کے حاصل کر لے۔ (۱۸)

یہودیت میں عبادت کا معنی و مفہوم

Encyclopaedia Judaica کا مقالہ نگار اسرائیل ابراہم عبادات "Prayers" کے متعلق وضاحت کرتا ہے:

Prayer: the offering of petition, confession, adoration or thanksgiving to God. In the Bible the concept of prayer is based on the conviction that God exists, hears and answers, that he is a personal diety. (۱۹)

عبادت سے مراد عرض داشت پیش کرنا، اقرار گناہ اور تحمید و تمجید کا اظہار یا شکر کی بجا آوری ہے اور بائبل میں تصور عبادت اس یقین پر مبنی ہے کہ خدا موجود ہے وہ سنتا ہے، جواب دیتا ہے اور وہ ایک ہستی الٰہ ہے۔

Marfat.com

Encyclopaedia Judaica کا مقالہ نگار اپنے مقالہ عبادات کے متعلق مزید بیان کرتا ہے:

Services rendered to god and comprehending both, the attitude of reverence and love toward the diety and the activity in conduct as well as ritual in which the homage finds expression.[۲۰]

اللہ کی خوشنودی ورضا جوئی کے لیے کیے گئے کام اور الوہیت کی جانب بڑھنے کے آدابِ تکریم اور جذبہ عشق دونوں کا ادراک حاصل کرنا اس کے ساتھ ساتھ مناسب طرزِ عمل اور رسوم عبادت کی ادائیگی اظہار بندگی بن جاتی ہے۔

Standard Jewish Encyclopaedia کا مقالہ نگار "Prayer" کے متعلق بیان کرتا ہے:

Man's appeal to God, whether as a request or in thanksgiving.[۲۱]

اس سے مراد انسان کی استدعا ہے خواہ یہ بطور التجا کی جائے یا کرم فرمائی پر ادائے شکر کے طور پر کی جائے۔

لہٰذا یہودیت میں عبادت سے مراد اللہ کے آگے جھکنا، گڑ گڑانا، گناہوں کی معافی مانگنا، اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ عبادات بندگی کے اظہار کا ذریعہ بھی ہیں۔

تورات میں یہود کو انتہائی خوش دلی اور فرحت کے ساتھ عبادت کو بجالانے کا حکم دیا گیا تھا اور عبادت سے انکار کی صورت میں انتہائی سخت وعید کی گئی تھی جس سے شریعت موسوی میں عبادات کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بائبل کی کتاب استثناء میں ہے:

اور چونکہ تو باوجود سب چیزوں کی فراوانی کے فرحت اور خوشدلی سے خداوند اپنے خدا کی عبادت نہیں کرے گا اس لیے بھوکا اور پیاسا اور ننگا اور سب چیزوں کا محتاج ہو کر تو اپنے دشمنوں کی خدمت کرے گا۔ [۲۲]

یہودیت میں عبادات کا مقصد وفلسفہ

Fosdick اپنی کتاب "The Meaning of Prayers" میں بیان کرتا ہے:

Prayers opens our lives to the guidance of God.[۲۳]

یعنی عبادات ہی کے ذریعے ہماری زندگیاں خدا کی ہدایات اور راہنمائی سے آگاہ ہوتی ہیں۔

Collier's Encyclopaedia کا مقالہ نگار یہودیت میں عبادات کی منشاء بیان کرتے ہوئے

Marfat.com

لکھتا ہے:

Judaism as a way of life requires practice. Every ritual practice and ceremonial observence is for the jew a reminder of God's continuous place in his life. Religious practice is regarded as a discipline to help improve man's character it is a from of instruction, learning by doing. For the jew it provides a way of reliving the expreiences of his people and thus strengthens his loyalty, it is a mean of survival for his people and its faith.(۲۴)

یہودیت بطورِ ایک طرزِ زندگی عمل کا تقاضا کرتی ہے ہر عمل عبادت اور رسم اظہار عبودیت ایک یہودی کو اس کی زندگی کے اندر خدا کی دائمی موجودگی کا احساس اجاگر کرتی ہے۔ مذہبی عبادات کا ایک ضابطہ سمجھا جاتا ہے جو انسان کے کردار کی پرورش کرتا ہے۔ یہ ہدایت کی ایک شکل ہے جو آموزش بذریعہ عمل کی حیثیت رکھتی ہے ایک یہودی کو یہ اپنے اندر اپنی قوم کے تجربات و احساسات دوبارہ تازہ کرنے کا ایک طریقہ ہوتی ہے اور اس طرح اس کی وفاداری کو استحکام ملتا ہے کیونکہ یہ اس کے لیے قوم کی بقا اور تازگی ایمان کا ذریعہ ہوتی ہے۔

Encyclopaedia Judaica کا مقالہ نگار تورات کی رو سے زندگی کا مقصد عبادات بیان کرتا ہے:

That all man's deed should be for the sake of heaven; when a man eats and drinks, for example, it should not be in order to enjoy his food and drink but to have strength for God's service. The same applies to his working, sleeping, martial relations, and conversing with others. All should be done for the sake of heaven and not for personal gratifivation.(۲۵)

انسان کے جملہ اعمال حصول جنت کے لیے ہونے چاہئیں مثال کے طور پر جب وہ کچھ کھاتا ہے اور پیتا ہے تو اس کا مطلب صرف غذا اور مشروب کی لذت سے لطف اندوز ہونا نہ ہو بلکہ عباداتِ الٰہی کے لیے قوت حاصل کرنا ہونا چاہیے۔ اس کے کام کاج سونے اور ازدواجی تعلق اور دوسروں سے گفتگو بھی اسی اصول اور مقصد کے تابع ہونی چاہیے۔ غرض یہ کہ سب کچھ جنت کے لیے کیا جانا چاہیے ذاتی مفاد کے لیے نہیں ہونا چاہیے لہٰذا ایک یہودی کی ساری زندگی ہی عبادت شمار ہوگی اگر وہ اپنی شریعت کی روح سے واقف ہوگا اور اپنے ہر ہر عمل کو رضائے الٰہی و

Marfat.com

منشائے ربانی کے تابع بنائے گا۔ ایک یہودی کو بچپن سے ہی مراسم عبادت سکھا دیے جاتے ہیں اور آخری سانس تک وہ ان عبادات کو ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے کیونکہ شریعت اس سے تمام عمر عبادات کی مکمل ادائیگی کا تقاضا کرتی ہے۔

یہی بات Geoffery Parrinder نے بیان کی ہے:

Many jews pray at home on week-days and attend the synagouge on the sabbath and festivals. Home prayers follow the outline of public prayers, with small omissions. The shema is repeated by devout jews every morning and evening, it is the first prayer learnt as a child and the last repeated by the dying. (۲۶)

اس سلسلے میں Fosdick بیان کرتا ہے:

We should establish ourselves in a sense of God's prescenc; by continually conversing with him.(۲۷)

ہمیں اپنی زندگی میں خدا کے وجود کے احساس کو پختہ کرنا چاہیے اور یہ صرف مسلسل خدا سے رجوع ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

یہی مقصد Collier's Encyclopaedia میں بیان ہے کہ شریعت موسوی کے مطابق عبادات کا مقصد رضائے الٰہی اور قربِ الٰہی کا حصول بھی ہے اور عبادات کی پابندی سے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت گھر کر جاتی ہے۔ (۲۸)

شریعتِ موسوی میں عبادات کا فلسفہ تزکیۂ نفس، روحانی بالیدگی، دنیوی اور اُخروی فلاح اور ذریعہ رضا اور قرب الٰہی ہے۔ Rabbi Geiger بیان کرتا ہے کہ نیکی اور راست روی دونوں شرائع میں عزت اور فلاح کی ضامن ہے اور اعمال صالحہ پر موت اور نیک لوگوں کے ساتھ خاتمہ قابل انعام وسبب کامرانی ہے۔

Death with the righteous is to be prized. (۲۹)

اسی لیے تورات وقرآن میں مؤمنوں اور زاہدوں کے متعلّق بیان کیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے دنیا میں شریعت پر عمل پیرا ہونے، اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نیکوکار بندوں میں شامل ہونے کی دعا کرتے ہیں۔

Marfat.com

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (۳۰)

مالک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کی مانو ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی پس اے ہمارے آقا، جو قصور ہم سے ہوئے ہیں۔ ان سے درگزر فرما اور جو برائیاں ہم میں ہیں انھیں دور کر دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔

اسی طرح تورات میں بلعام کی دعا بیان کی گئی ہے جس میں وہ خدا کے نبی یعقوبؑ کے نقش قدم پر چلنے کی دعا کرتا ہے اور ان ہی کی طرح خاتمہ مانگتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

کاش میں صادقوں کی موت مروں، اور میری عاقبت بھی ان ہی کی مانند ہو۔ (۳۱)

پاکیزہ اخلاق اور اعمال انسانیت کا حسن ہیں اس حسن میں نکھار اطاعت خداوندی سے آتا ہے اسی لیے شریعت موسویؑ اور شریعتِ محمدیؐ میں اطاعت احکام خداوندی پر بڑا زور دیا گیا ہے اور احکامِ الٰہی کی اطاعت و فرماں برداری کی صورت میں دنیاوی اور اُخروی کامیابی اور انعامات و برکات کا وعدہ کیا گیا ہے۔

صلوٰۃ کا معنی و مفہوم

امام راغب اصفہانیؒ بیان کرتے ہیں:

صلوٰۃ عبادت مخصوصہ (نماز) کا نام ہے۔ اس کی اصل دعا ہے اور چونکہ اس عبادت کا ایک جزو دعا ہے اس لیے کل کو جزو کا نام دیا گیا ہے۔ کوئی شریعت صلوٰۃ سے خالی نہیں رہی۔ اگر اس کی ہیئت مختلف شریعتوں میں مختلف تھی عبادت کی جگہ کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں اس لیے کلیسا پر بھی صلوٰۃ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ (۳۲)

قرآنِ کریم میں فرمان ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (۳۳)

شریعت موسوی میں نماز کا تصور اور فلسفہ

قرآن پاک کی تعلیم کے مطابق دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس نے اپنی امت کو نماز کی تعلیم

Marfat.com

نہ دی ہو۔ اسلام کے زمانے میں بھی چند یہود و نصاریٰ نماز پڑھا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ (۳۴)

اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

تورات وانجیل میں نماز کے لیے "خدا کا نام لینا" "دعا" اور "سجدہ کرنے" جیسی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ کتاب پیدائش میں ہے:

اور اُس نے وہاں مذبح بنایا اور خداوند سے دعا کی۔ (۳۵)

کتاب تواریخ میں نماز کے لیے "سجدہ کرنا" بیان ہوا ہے:

پھر داؤد نے ساری جماعت سے کہا اب اپنے خداوند کو مبارک کہو تب ساری جماعت نے خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کو مبارک کہا اور سر جھکا کر انہوں نے خداوند اور بادشاہ کے آگے سجدہ کیا۔ (۳۶)

Standard Jewish Encyclopaedia میں نماز کو اللہ تعالیٰ سے ایک التجا، درخواست اور شکر کے اظہار کا ذریعہ بیان کیا ہے۔ نیز شریعت موسوی میں بالترتیب تین نمازوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جن میں صبح کی نماز کو (Shaharit) دوپہر کی نماز کو (Minahah) اور شام کی نماز کو Arvit (Maariv) کہا جاتا ہے: Standard Jewish Enc. میں ہے:

It is man's appeal to God, whether as a request or in the thanks-giving..... and it is recited three times a day morning, (Shaharit) after noon (Minahah) and evening (Maariv) (۳۷)

Max Weber نے نماز کو توحید کے اقرار اور صرف خدائے بزرگ و برتر کو عبادت کا حق دار قرار دیا ہے۔

Hear, O Israel, The Lord our God is one Lord." the openning sentence of present Jewish morning prayer stand at the head of exhortation. (۳۸)

اسی لیے یہودیوں کی صبح کی دعا کا پہلا جملہ ہی یہ ہے: سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے۔

Prayers in the Jewish tradition goes back to immemorial antiquity. Even at the time when the main emphasis of congregational services was laid on sacrificial worship, individuals turned to God with person

Marfat.com

supplication or words of thanks-giving.(۳۹)

Collier's Encyclopaedia میں شریعت موسوی میں نماز کا مقصد گناہوں سے معافی اور اخروی زندگی میں کامیابی کا حصول بیان کیا ہے۔

If a man sins by omission or commission, the way is open for forgiveness through reflection, Prayers, study of the Torah and above all, good works.(۴۰)

یہودی علماء نے نماز کا فلسفہ Service of Heart قرار دیا ہے۔یعنی دل سے خدا تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرنا اور پختہ یقین کے ذریعے اس کی خدائی کا تسلیم کرنا ہے۔

The ancient rabbies deduced the duty of daily prayer from the more general biblical injunction "to serve him with all thine heart." which is the service of heart"? they asked, and replied this is prayer.(۴۱)

شریعت محمدیہ کی طرح شریعت موسوی میں نماز کی ادائیگی کے بے شمار مقاصد میں شامل روحانیت کا حصول اور معاشرے میں استحکام اور اجتماعیت کے قیام بھی ہیں۔

It is intended that his prayers be ethical and not opposed to the intrests of others, and that his praying be marked by a sense of inwardness prayers at the synagogue is encouraged because here is added strength in praying as a community.(۴۲)

شریعت محمدیہ میں تصور نماز وفلسفہ

قرآنِ کریم میں بے شمار مقامات پر نماز کی ادائیگی اور فرضیت کو بیان کیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (۴۳)

اور نماز پڑھا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور خدا کے آگے جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔

شاہ ولی اللہؒ بیان کرتے ہیں:

نماز کے بے شمار اسرار و حکم ہیں جن میں اولین با مقصد زندگی کا حصول اور اپنے رب سے آگاہی ہے۔نماز ایک مرکب معجون ہے جس میں غور وفکر ہے۔اس کے ذریعے سے خدا کی جانب توجہ ہوتی ہے نیز نماز میں مختلف دعائیں بھی شامل ہوا کرتی ہیں۔جن سے صاف صاف اظہار کیا جاتا ہے کہ اس کا عمل خالصتاً خدا ہی کے لیے ہے اس کا رُخ اسی کی جانب ہے۔ ہر قسم کی

Marfat.com

اعانت کی خواستگاری صرف اسی سے ہے۔ نماز کی منفعت عام اور خاص سب لوگوں کے لیے یکساں ہے۔ ہر ایک اپنے درجے اور استعداد کے مطابق اس سے نفع اٹھا سکتا ہے۔ (۴۴)

نماز مقصد حیات کی یاد دہانی کا ایک بڑا ذریعہ ہے اس سلسلے میں پروفیسر خورشید احمد بیان کرتے ہیں:

انسان کی پوری زندگی کو عبادت میں تبدیل کرنے کے لیے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ذہن میں یہ شعور ہر وقت تازہ رہے کہ وہ خدا کا بندہ ہے اور اسے اپنی زندگی ایک مخصوص انداز سے گزارنی ہے۔ یہ نماز کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔ (۴۵)

نماز کے بے شمار اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی مقاصد ہیں جن کو ڈاکٹر محمد اقبال یوں بیان کرتے ہیں:

The choice of one particular direction in Islamic worship is meant to secure the unity of feeling in the congregation, and its form in general creates and fosters the sense of social equality which destroy the feelings of rank or race. What a tremendous spiritual revolution will take place, practically in no time, if the proud aristocratic Brahmin of South India is daily stand shoulder to shoulder with the untouchable! from the unity of all-inclusive ego who creates and sustains all egos follows the essential of all mankind. (۴۶)

شبلی نعمانی نماز کو نفسِ بیدار کہنے اور اصلاح اخلاق کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ (۴۷)

قرآنِ حکیم نے اہل کتاب کے بگاڑ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی جس خرابی کو نمایاں طور پر پیش کیا وہ ترکِ صلوٰۃ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (۴۸)

پھر ان کے بعد وہ ناخلف لوگ ان کے جانشین بنے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی پس قریب ہے کہ وہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں۔

Marfat.com

ایک اور مقام پر قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ (۴۹)

یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

نماز خود اپنی ذات میں بہت بڑی اور اہم عبادت اور دین کا عمود ہے اس کے ساتھ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جو شخص نماز کی اقامت کرے تو نماز اس کو فحشاء اور منکر سے روک دیتی ہے۔ یعنی اقامت صلوٰۃ کرنے والے کو منجانب اللہ خود بخود توفیق اعمالِ صالحہ کی ہوتی ہے اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کی بھی۔ (۵۰)

لہٰذا شریعت موسوئ اور محمدیؐ میں نماز، بندگی کے اظہار، رحمت و مغفرت کی طلبگار، روحانی پاکیزگی اور حصول قربِ الٰہی تصور کی گئی ہے۔

روزہ

روزہ کے لغوی معنی ہے کسی چیز سے رکنا اور اس کو ترک کرنا اور روزہ کا شرعی معنی ہے مکلف اور بالغ شخص کا ثواب کی نیت سے طلوعِ فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے، جماع ترک کرنے اور اپنے نفس کو تقویٰ کے حصول کے لیے تیار کرنا۔ (۵۱)

تمام ادیان و ملل میں روزہ معروف ہے قدیم مصری، یونانی رومن اور ہندو سب روزہ رکھتے تھے۔ (۵۲)

قرآنِ کریم کے ارشاد کے مطابق روزہ تربیت نفس کی قدیم ترین عبادت ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (۵۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

Encyclopaedia Americana کا مقالہ نگار اس سلسلے میں لکھتا ہے:

It has been an almost universal practice of the human race from early times. (۵۴)

Marfat.com

شریعت موسوی۔ تصورِ روزہ اور فلسفہ

شریعت موسوی میں بھی روزہ فریضہ الٰہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر چالیس دن بھوکے پیاسے گزارے سو وہ چالیس دن اور چالیس رات وہیں خداوند کے پاس رہا اور نہ روٹی کھائی نہ پانی پیا اور اس نے ان لوحوں پر اس عہد کی باتوں کو یعنی دس احکام کو لکھا۔ (۵۵)

چنانچہ عام طور پر یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی میں چالیس دن روزہ رکھنا اچھا سمجھتے ہیں لیکن چالیسویں دن کا روزہ ان پر فرض ہے۔ اس لیے تورات میں اس دن کے روزے کی نہایت تاکید آئی ہے جو ان کے ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو پڑتا ہے اور روزے کو اپنی جان کو دکھ دینا کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ یہودی صحیفوں میں اور دوسرے روزوں کے احکام بھی بتصریح مذکور ہیں۔ یرمیاہ میں ہے:

اور تو جا اور خداوند کا وہ کلام جو تو نے میرے منہ سے اس طومار میں لکھا ہے خداوند کے گھر میں روزہ کے دن لوگوں کو پڑھ کر سنا اور تمام یہوداہ کے لوگوں کو بھی جو اپنے شہروں سے آئے ہوں تو وہی کلام پڑھ کر سنا۔ (۵۶)

Encyclopaedia of Religion کا مقالہ نگار شریعتِ موسوی میں فرضیت صوم کے متعلق بیان کرتا ہے:

Within the Judaic tradition only one day of fasting was imposed by mosaic law, "Yom kipper" the day of antonement and Moses fasted forty days on Sinai. Judaism allowed for individual voluntary fasts and there is evidence that mondays and thursdays were set aside by some Jewish communities as special days of fasting. (۵۷)

شریعت موسوی میں "Yom Kipper" توبہ کے دن کا روزہ فرض کیا گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جو چالیس روزے رکھے ان کے علاوہ یہودیت میں انفرادی طور پر نفلی روزے بھی ہیں اور اس بات کا ثبوت ہے کہ یہودیوں کی بعض برادریوں میں سوموار اور جمعرات کو خاص

Marfat.com

طور پر روزے کے لیے مختص کیا گیا تھا۔

البتہ نابالغ بچوں، حاملہ عورتوں اور بیماروں کے لیے رعایت تھی کہ وہ روزہ نہ رکھیں۔ (۵۸)

اسلام کی طرح یہودیت میں بھی روزے کا مقصد روح کی پاکیزگی قرار دیا گیا ہے۔

It is practiced for spiritual ends, as a sign of repentence or mourning or to request divine assistance.(۵۹)

یہ روحانی مقاصد کے حصول کی ایک مشق قرار دی گئی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مدد کی التجا کی جاتی ہے۔

یہودی فقہ کی کتاب Talmud میں ان احکام کی صراحت اس انداز میں کی گئی ہے۔

Just as no work mean sit and do nothing, that if one is sitting in the sun, and is hot he must not change his place and sit down in the shade, or if he is sitting in the shade and it is cold he must not sit down in the sun (۶۰)

یعنی اپنے نفس کو سختی میں ڈال کر اس کے اندر صبر اور برداشت کا جذبہ پیدا کرے جس سے نفس انسانی کو خدا کے ہر حکم کی اطاعت اور فرماں برداری کی توفیق حاصل ہو۔

یہودی شریعت میں روزہ کا مقصد ایسی زندگی کا حصول ہے جس میں گناہوں سے اجتناب کیا جائے اور سرزد گناہوں سے معافی حاصل ہو۔ نفس کا تزکیہ کیا جائے اور باعمل زندگی گزاری جائے جو یقیناً روزہ اور دیگر اعمال کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسرائیل ابراھم لکھتا ہے:

Sin is evil life, atonement is the better life, the better life was attained by fasting, prayers and charity, by a purification of heart and a cleanliness of the hands.(۶۱)

یہی وجہ ہے کہ گناہوں سے معافی اور رضائے الٰہی کی خاطر اکثر یہودی انفرادی طور پر روزہ رکھا کرتے تھے۔ (۶۲)

شبلی نعمانیؒ بیان کرتے ہیں:

روزہ آسمانی شریعتوں میں ابتدا سے تربیت نفس کی خاص دریافت رہی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے (سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۱) میں ان تمام حقائق و رموز کو صرف ایک لفظ تقویٰ سے بے نقاب کر دیا ہے اور چونکہ روزے کی یہ حقیقت تمام مذاہب میں مشترک تھی اس بنا پر قرآنِ مجید نے

Marfat.com

دیگر مذاہب کو بھی اشارۃً اس حقیقت میں شریک کرلیا ہے۔[۶۳]

الغرض شریعت موسوی میں روزے کا مقصد و فلسفہ حصولِ تقویٰ، تزکیہ نفس، رضائے الٰہی کا حصول، نیز صالح اور باعمل زندگی گزارنے کی ترغیب دینا ہے۔

اسلام کا فلسفۂ صوم

روزے کی فرضیت کا ذکر قرآنِ کریم میں اکثر مقامات پر آیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ [۶۴]

اے مسلمانوں روزے تم پر بالکل اسی طرح فرض کیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو۔

سورۃ البقرۃ میں ہی ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

کُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ [۶۵]

نیز راتوں کو کھاؤ پیو، یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدیٔ صبح کی دھاری نمایاں نظر آجائے تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک روزہ پورا کرو۔

روزہ تزکیہ نفس اور روحانی بالیدگی کا بہترین ذریعہ ہے۔ امام ابن القیمؒ اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں:

روزے سے مقصود شہوات سے انقطاع اور قوائے شہوانیہ کی تعدیل ہے تاکہ انسانی سعادت اور پورے انعامات حاصل ہوسکیں اور اسے شرفِ قبول حاصل ہو جو دراصل ذریعہ ہے تزکیہ نفس کا اور اسی میں حیاتِ ابدی مضمر ہے یہ وہ کیفیت ہے جس میں انسان دوسرے کی بھوک پیاس اور کلفت پورے طور پر محسوس کرسکتا ہے۔[۶۶]

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ روزے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

روزہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہے اس سے ملکوتی قوت بڑھتی ہے اور بہیمی طاقت کمزور ہوتی ہے۔ روح کا چہرہ روشن کرنے کے لیے کوئی قلعی اس سے زیادہ مؤثر نہیں اور طبیعت کے مغلوب

Marfat.com

کرنے کی کوئی دوا اس سے زیادہ مفید نہیں۔ (۶۷)

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے نزدیک:

نفس کو مارنے اور روح کو زندہ کرنے کا بہترین طریقہ صبر ہے اور صبر حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چند روز روزے رکھو قوت شہویہ اور قوت غضبیہ جو تمام معاصی کا منبع ہے اس کو کچلنے کے لیے روزہ تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ (۶۸)

شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

اسی لیے قرآنِ کریم نے روزے کی حقیقت کو تقویٰ سے واضح کیا ہے کیونکہ یہ ایک مخفی اور خاموش عبادت ہے جو ریا اور نمائش سے بری ہے اور یہی چیز تمام عبادات کی جڑ اور اخلاق کی بنیاد ہے۔ (۶۹)

الغرض یہودیت اور اسلام میں روزے کے بے شمار مقاصد اور حکمتیں پنہاں ہیں اور دونوں شرائع میں روزے کا فلسفہ یکساں ہی ہے جن میں حصولِ تقویٰ، تزکیہ نفس، روحانی بالیدگی، گناہوں کا کفارہ اور رضائے الٰہی کا حصول شامل ہیں۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ بھی اُن عبادات میں سے ہے جو تمام آسمانی مذاہب کے صحیفوں میں فرض بتائی گئی جس کی تائید مختلف آسمانی صحیفوں سے ہوتی ہے۔ جس طرح نماز ہر مذہب کا جزو لاینفک تھی اسی طرح زکوٰۃ بھی تمام مذاہب کا ہمیشہ ضروری جزو رہی ہے۔ (۷۰)

معنی و مفہوم

زکوٰۃ کے مفہوم میں علماء لغت نے دو معنی بیان کیے ہیں۔

(۱) پاک صاف کرنا یا پاکیزگی (۲) نشو و نما یا بڑھانا وغیرہ۔ (۷۱)

زکوٰۃ کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ محمود احمد لکھتے ہیں:

Zakat literally means purification, technically it is a tax on the wealth to provide social justice.(۷۲)

Marfat.com

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ (۷۳)

شریعتِ موسوی......تصورِ زکوٰۃ وفلسفہ

شریعت موسوی میں زکوٰۃ کے واضح احکامات موجود ہیں۔ بنی اسرائیل سے خدا نے جو عہد لیا تھا اس میں نماز اور زکوٰۃ دونوں تھیں۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (۷۴)

اور (اے بنی اسرائیل) نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہے:

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (۷۵)

اور اس کتاب میں اسماعیلؑ کا ذکر کرو وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول نبی تھا وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا۔

اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعت میں زکوٰۃ کی فرضیت کے متعلق بیان فرمایا:

وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ (۷۶)

اور ہم نے انھیں وحی کے ذریعے نیک کاموں کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی۔

قرآنِ کریم کے ان ارشادات کی تائید تورات میں موجود ہے جیسا کہ کتاب مقدس میں فرمایا:

جب تم زمین کی پیداوار کی فصل کاٹو تو اپنے کھیت کے کونے کونے تک پورا پورا نہ کاٹنا اور نہ کٹائی کی گری ہوئی بالوں کو چن لینا اور تو اپنے انگورستان کا دانہ دانہ نہ توڑ لینا اور نہ اپنے انگورستان کے گرے ہوئے دانوں کو جمع کرنا ان کو غریبوں اور مسافروں کے لیے چھوڑ دینا، میں خداوند تمھارا خدا ہوں۔ (۷۷)

اس سلسلے میں Max Weber بیان کرتا ہے:

Land and vineyard are intentionally not to be completely harvested in order that something be left for the gerim and the poor of the ends of fields. (۷۸)

Marfat.com

کھیتوں اور انگوروں کے باغوں کی جان بوجھ کر پوری فصل نہیں کاٹی جاتی تھی اس لیے کہ پردیسیوں، مسکینوں اور یتیموں کا حصّہ رکھنا یہودیت میں لازمی تھا۔ زمین کی پیداوار اور درخت کے پھل کا دسواں حصّہ بطورِ حق خدا مخصوص کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ کتاب مقدس میں درج ہے:

زمین کی پیداوار کی ساری دہ یکی خواہ وہ زمین کے بیج کی یا درخت کے پھل کی ہو خداوند کی ہے اور خداوند کے لیے پاک ہے اور اگر کوئی اس میں چھڑانا چاہے تو پانچواں حصّہ اور ملا کر چھڑائے۔ (۷۹)

جانوروں کے ریوڑ میں سے بھی حقِ خدا ادا کرنا ضروری تھا اس سلسلے میں کتاب مقدس کی ہدایت یہ ہے:

گائے، بیل اور بھیڑ، بکری یا جو جانور چرواہے کی لاٹھی کے نیچے سے گزرتا ہو ان کی دہ یکی یعنی دس پیچھے ایک ایک جانور خداوند کے لیے پاک ٹھہرے کوئی اس کی دیکھ بھال نہ کرے کہ وہ اچھا ہے یا بُرا ہے اور نہ اسے بدلے اور اگر کہیں کوئی اسے بدلے تو وہ اصل اور بدل دونوں کے دونوں مقدس ٹھہریں اور اس کا فدیہ بھی نہ دیا جائے گا۔ (۸۰)

کھیت کے کناروں کا غلہ وغیرہ نادار اور غریبوں کے لیے مخصوص تھا جس کو یہودی شریعت میں "Peah" قرار دیا جاتا تھا۔

تالمود میں "Peah" کے مقاصد اور فلسفے کو انتہائی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

The following have no prescribed measure Peah, (Corner of the field, the portion of the crop that must be left by the owner to the poor) First Fruit, Festival- offerings, deeds of kindness, and study of the law. And the following are the things the fruit of which a man enjoys in this world but the capital fund of which remains for him in the world to come. One should not leave Peah less than one-sixth of the field. And although there is no prescribed measure it should be fixed according to the size of the field, the number of the poor, and the need.(۸۱)

لہٰذا تالمود کے مطابق "Peah" کا فلسفہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ کھیت کی پیداوار سے انسان اپنی اس زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور "Peah" انسان کی اُخروی زندگی میں فلاح اور نجات کا ذریعہ بنتی ہے۔ "Peah" یعنی زکوٰۃ جہاں آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے وہاں اس کی ایک حکمت مال میں برکت اور زیادہ ہونا بھی ہے۔ تالمود میں امراء کی دولت کا راز یہ بیان کیا گیا کہ وہ اپنی دولت کا ۱۰/۱ حصّہ غرباء و

Marfat.com

مساکین کے مخصوص کرتے ہیں۔ (۸۲)

تالمود کی رو سے صرف کھیتوں اور جانوروں کی ہی نہیں بلکہ درختوں کی "Peah" چھوڑنا بھی ضروری ہے۔

of the trees, sumach, carob, nut trees, the almond, vines, the pomegranate, the olive and date palm are all subject to peah. (۸۳)

"Peah" کے علاوہ ناداروں اور مسکینوں کی مدد کے لیے یہودی شریعت میں "Gleaning" کا تصور بھی موجود ہے جس کے حکمت و مقاصد بھی "Peah" ہی کی مانند ہیں۔ غلے کی وہ مقدار جو فصل کاٹنے کے دوران زمین پر گر پڑے اسے "Gleaning" کہتے ہیں۔

تالمود میں "Gleaning" کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

If one cut a handfull, or pulled up a handfull, and a thorn pricked him and it fell from his hands to the ground, it belongs to the owner. If it fell on the inside of the hand or the inside of the sickle, it belongs to the poor. (۸۴)

گویا اس قانون کی رو سے "Gleaning" کا انحصار اس بات پر ہے کہ اناج ہاتھ سے کٹائی کے دوران کس طرح گرتا ہے۔ اگر یہ زمین پر براہ راست گرتا ہے تو یہ مالک کا ہے اور اگر یہ ہاتھ کے اندر گرے تو یہ غریبوں کا حق ہے اسی طرح کٹی ہوئی فصل کا وہ حصہ جو ہوا اُڑا کر لے جائے اور فصل کے گٹھوں کا وہ حصہ جو زمین کو چھوئے وہ غرباء کا حق ہے۔

تالمود میں غریبوں کے حق اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ اُسے دولت میں اضافے اور حفاظت کا ذریعہ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح نمک گوشت کو محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح غریبوں اور ناداروں کو ان کا حق ادا کرنا دولت کے لیے مفید ہے۔ (۸۵)

لہٰذا یہودی شریعت میں "Peah" اور "Gleaning" کا فلسفہ، اخروی زندگی میں حصول فلاح، مال میں اضافہ و برکت، معاشرے کی فلاح و بہبود اور ناداروں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کو فائدہ پہنچانا ہے۔

اسلام میں تصور و فلسفہ زکوٰۃ

اسلام میں نماز کے بعد جس عبادت کا اصل تعلّق خالق و مخلوق کے باہمی سلسلہ اور رابطہ سے ہے

Marfat.com

وہ زکوٰۃ ہے۔ قرآنِ کریم میں بیشتر مقامات پر زکوٰہ کی فرضیت، اہمیّت اور مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۸۶)

ہاں، جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں ان کا اجر بے شک ان کے رب کے پاس ہے۔

زکوٰۃ ہر صاحبِ حیثیت و نصاب مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور یہ غرباء اور مساکین کا حق ہے قرآنِ پاک میں ارشاد ہے۔

وَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ (۸۷)

اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لیے۔

محمد اسلم اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں:

In the religious sense this term is applied to the share, given by the wealthy to the begger, and by so doing the rich increase their wealth and seek blessing.(۸۸)

زکوٰۃ کے معنی نمو پانے یا ترقی کے ہیں۔ اور شریعت کی رو سے مخصوص مال کا خاص شرائط کے ساتھ اس کے حق دار کو مالک بنا دینا ہے۔ یعنی صاحب نصاب کو اپنے مال میں سے فقیروں اور زکوٰۃ کے حق داروں کو مقررہ مقدار بطورِ تملیک عطا کرنا ہے۔ (۸۹)

زکوٰۃ آپس میں انسانوں کے درمیان ہمدردی اور باہم ایک دوسرے کی امداد اور معاونت کا نام ہے جس کا اہم فائدہ نظامِ جماعت کے قیام کے لیے مالی سرمایہ بہم پہنچانا ہے۔ (۹۰)

یعنی زکوٰۃ تقسیمِ دولت میں غیر فطری عدم مساوات کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے اس کے ذریعے سے امیروں کی دولت غریبوں تک منتقل ہوتی ہے۔ (۹۱)

حدیث مبارکہ ہے: تؤخذ من اغنیاء ھم وترد الی فقراء ھم (۹۲)

اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کی وضاحت کرتے ہوئے افضال الرحمٰن بیان کرتے ہیں:

In a Muslim economy, inspite of the non-existance of interest, people would never hoard idle each balances simply because of a 2 1/2% levy

Marfat.com

in the form of Zakat which they have to pay under all the circumstances. (۹۳)

زکوٰۃ کا اصلی اور مرکزی مقصد وہی ہے جو خود لفظ زکوٰۃ کے اندر ہے۔ زکوٰۃ کے لفظی معنی ''پاکی'' اور ''صفائی'' کے ہیں۔ یعنی گناہ اور دوسری روحانی قلبی اور اخلاقی برائیوں سے پاک وصاف ہونا۔ قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنی میں بار بار آیا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (۹۴)

یقیناً فلاح پا گیا وہ شخص جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔

اسی لیے حضور اکرمؐ مومنین کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم فرمایا:

یامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصلۃ والعفاف (۹۵)

ہمیں (آپ) نماز، زکوٰۃ، صلہ رحمی اور پاکدامنی کا حکم دیتے تھے۔

زکوٰۃ خالص اللہ کی رضا کے لیے دی جاتی ہے۔ اسی لیے اس کی ادائیگی کا مقصد نبی اکرمؐ نے رضائے الٰہی اور حصولِ جنت قرار دیا ہے۔ (۹۶)

مولانا اشرف علی تھانویؒ زکوٰۃ کے اسرار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب خدا تعالیٰ کے لیے اپنے اس مال عزیز کو خرچ کرتا ہے جس پر اس کی زندگی کا مدار اور معیشت کا انحصار ہے۔ اور جو محبت اور تکلیف اور عرق ریزی سے کمایا گیا ہے۔ تب بخل کی پلیدی اس کے اندر سے نکل جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ایمان میں بھی ایک شدت وصلابت پیدا ہوتی ہے۔ خدائے رحیم وکریم سے تعلّق بڑھتا ہے۔ کیونکہ اپنے مال عزیز کو خدا کے لیے چھوڑنا نفس پر بھاری ہے اس لیے اس تکلیف کے اٹھانے سے خدا سے تعلّق بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ (۹۷)

عبدالحامد بدایونی لکھتے ہیں:

الغرض زکوٰۃ امارت وغربت کا بہترین علاج ہے۔ آج اگر زکوٰۃ وصدقات کی تنظیم ہو اور صحیح نظام کے ساتھ غریبوں کی ضروریات کے لیے زکوٰۃ وصدقات وصول کیے جائیں اور ان کا مصرف معقول تجویز کیا جائے تو تمام پیچیدہ مسائل بآسانی حل ہو سکتے ہیں۔ (۹۸)

Marfat.com

حج

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کا کوئی مقدس مقام نہ رکھتی ہو اور اس کے پیروکار کسی خاص مذہبی موقع پر ایک جگہ اکٹھے نہ ہوتے ہوں۔ ان مقدس مقامات کی زیارت کے کچھ اصول اور طریقے ہیں جو اپنے اپنے عقیدے کے لحاظ سے ہر قوم وملت کے لیے انتہائی محترم ہیں۔

شاہ ولی اللہ بیان کرتے ہیں کہ حج کی اصل بنیاد ہر امت میں موجود ہے۔ (۹۹)

معنی ومفہوم

لسان العرب میں حج کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

الحج: قصد التوجه إلى البيت بالاعمال المشروعة فرضا و سنة. (۱۰۰)

شریعتِ موسوی، تصورِ حج وفلسفہ

یہودیوں میں حج بہت قدیم زمانے سے رائج اور معروف ہے اس لیے "بیت المقدس" اور اس کے قرب وجوار کے آثار ومقامات اب بھی ان کے لیے زیارت گاہ اور مرکزِ عقیدت ہیں۔

یہودی فقہ کی مستند کتاب Talmud میں درج ہے:

بنی اسرائیل کو تین تہواروں کے موقع پر بیت المقدس حاضری دینے کا حکم دیا گیا تھا۔ (۱۰۱)

کتاب خروج میں "عید" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

تو سال بھر میں تین بار میرے لیے عید منانا۔ (۱۰۲)

Encyclopaedia Judaica میں بیان کیا گیا ہے:

In Hebrew the term aliyah (lit "going up") has been used since ancient time for pilgrimages to Jerusalem on the three festivals known as Shalosh regalim. The Torah prescribes that all males must go up to Jerusalem " three times a year." on the the three festivals. Passover, shavuot, and sukkot.(۱۰۳)

اوپر مذکور اصطلاحات "Passover"، "Shavuot" اور "Sukkot" کی وضاحت The Encyclopaedia of Religion میں یوں درج ہے:

Thus on passover the reference is to the season of our freedom. On

Marfat.com

shavout to "the season of our Torah". and on sukkot " to the season of our regoicing."(۱۰۴)

"Passover" یہود میں آزادی کا تہوار ہے جب بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے مصر سے آزاد ہوئے اور "Shavuot" کا تہوار موسیٰ کو عطائے شریعت (تورات) کے دیے جانے کی یاد میں منایا جاتا ہے اور "Sukkot" خوشی منانے کا تہوار

Sukkot کے تہوار کو "Tabernacles" یا خیمہ عبادات کہا جاتا ہے جو بعض یہود کے نزدیک نو اور بعض کے نزدیک آٹھ دنوں پر مشتمل ہے۔ بنی اسرائیل کو ان تہواروں میں قربانیاں کرنے کا بھی حکم دیا گیا تھا۔

اس سلسلے میں The Standard Jewish Encyclopaedia: کا مقالہ نگار بیان کرتا ہے:

They had to offer up a special burnt offering on the occassion.(۱۰۵)

تالمود میں درج ہے کہ خداوند نے کہا تمھارے لیے اس موقع پر ایسا نہیں ہے کہ تم کفارے کے دن کی طرح روزہ رکھو بلکہ کھاؤ پیو اور خوش رہو اور امن کی قربانیاں دو۔

The Lord said .... and sacrifice peace-offerings there on (۱۰۶)

یہودیوں میں Feast of Tabenacles یعنی عید المظال جس کو خیمہ عبادت بھی کہا جاتا ہے کے موقع پر بیت المقدس میں حاضر ہونا ضروری تھا۔(۱۰۷)

عید خیام ساتویں مہینے تشری (اکتوبر) کی پندرہویں تاریخ کو شروع ہوتی ہے اور اس عید کے دوران اسرائیلیوں کو سات دن خیموں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ منصوبہ اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ خیموں کے متعلق ان کی یادداشت تازہ رہے جن کو ان کے باپ دادا نے بیابان میں چالیس سال اپنے سفر کے دوران بنائے تھے۔

لہٰذا اس تہوار کا مقصد اپنے بزرگوں کی سنت کو زندہ رکھنا اور بنی اسرائیل کے لیے اپنے ماضی کی یاد تازہ رکھنا ہے۔ جس طرح مسلمانوں میں طوافِ کعبہ اور قربانی حضرت حاجرہؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی سنت کو زندہ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر کیا گیا ہے۔

یہود بیت المقدس کی زیارت کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ Temple (عبادت گاہ) کی بربادی کے بعد بھی ان تہواروں کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا۔(۱۰۸)

الغرض یہودی شریعت میں حج کا مقصد ماضی سے وابستگی، احساس عبدیت پیدا کرنے، مقدس

Marfat.com

مقامات سے اظہارِ محبت اور یہودی قوم میں اتحاد و یگانگت کے جذبات کو زندہ رکھنا تھا۔

اسلام کا تصورِ حج اور فلسفہ

شریعت کی اصطلاح میں حج سے مراد وہ جامع عبادت ہے جس میں مسلمان بیت اللہ پہنچ کر کچھ مخصوص اعمال اور عبادات کرتا ہے، چونکہ حج میں مسلمان بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کرتا ہے۔ اس لیے اس کو حج کہتے ہیں۔ (۱۰۹)

عفیف عبدالفتاح طبارہ بیان کرتے ہیں:

فی الشرع الإسلامی قصد البیت الحرام بمکة للعبادة والحج من الشؤن الدینیة التی کانت تعرف من لدن اقدم العصور عند جمیع الأمم. (۱۱۰)

جس نے بھی مقام رفعت وعظمت حاصل کیا۔ خدا تعالیٰ کی بندگی کے ذریعے ہی حاصل کیا۔ اور خانہ کعبہ ایک ایسا ہی مقام ہے جو خالص بندگی کے لیے قائم کیا گیا، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (۱۱۱)

اور یہ کہ ہم نے اس گھر کعبے کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا جہاں ابراہیمؑ عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ اس مقام کو مستقل جائے نماز بنا لو۔

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا (۱۱۲)

لوگوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

حج ایک ایسی عبادت ہے جس کی ہر ادا یہ ظاہر کرتی ہے کہ حج کرنے والے کو اپنے مالکِ حقیقی سے کس قدر عشق ومحبت ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کون توحید کا قائل ہے اور کون اللہ تعالیٰ سے خالص محبت کرتا ہے۔

صدر الدین اصلاحی حج کی حکمت بیان کرتے ہیں:

چونکہ کعبہ کی تعمیر توحید پر ہوتی ہے اس لیے حج توحید کا معلم ہے اور اس کو دیکھتے ہی مومن کے دل میں وحدانیت کی روح جاگ اٹھتی ہے۔ اس کے علاوہ لبیک اللھم لبیک کی مسلسل پکار حجر اسود کا بوسہ، طواف، سعی، قربانی، غرض حج کے کتنے ہی افعال ایسے ہیں جو توحید کے جذبات سے انسان کو سرشار کرتے جاتے ہیں۔ (۱۱۳)

Marfat.com

ادریس کاندھلویؒ نے حج کو عشقِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے، بیان کرتے ہیں:

خانہ کعبہ خداوند ذوالجلال کے نور اور جمال کی تجلی کا گھر ہے۔ محبین اور عاشقین کا یہ فرض ہے کہ اس نور السمٰوٰت والارض اور محبوب برحق کے گھر پر عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور حاضری دے اور اس کے در و دیوار کا دیوانہ وار چکر لگائے اور اس کے آستانے کو بوسہ دے جو شخص خدا کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی حاضری کو فرض نہ سمجھے تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹا عاشق ہے۔ (۱۱۴)

اشرف علی تھانوی حج کا ایک مقصد ایفائے عہد بھی قرار دیتے ہیں۔ حج کے سارے ارکان کبر اور بڑائی کے بڑے دشمن ہیں دور دراز کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ احباب و اقارب چھوٹ جاتے ہیں۔ نفس پروری اور سستی اور کسل کا استیصال ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے ہزار ہا سال سے انسان کے لیے خدا تعالیٰ کا ایک پاک معاہدہ چلا آتا ہے جس کا ایفا بذریعہ حج ہو جاتا ہے۔ پس اس طرح سے اس میں ایفائے عہد کی بھی تعلیم ہے۔ (۱۱۵)

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

حج اسلام کا مذہبی رکن ہی نہیں بلکہ وہ اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی یعنی قومی و ملی زندگی کے ہر رخ اور ہر پہلو پر حاوی اور مسلمانوں کی عالمگیر بین الاقوامی حیثیت کا سب سے بلند ستارہ ہے۔ (۱۱۶)

قربانی

دنیا کی کوئی قوم اور تہذیب مذہبی سفر، زیارت گاہوں اور مقدس و متبرک مقابات سے خالی نہیں جہاں لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور یا اپنے خود ساختہ معبودوں اور دیویوں دیوتاؤں کی قربانیاں کرتے ہیں، نذریں مانتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ (۱۱۷)

ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ اس امت کے لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں ان مختلف طریقوں کے اندر مقصد ایک ہی ہے۔ پس تمھارا خدا ایک ہی خدا ہے اور اسی کے تم مطیع فرمان بنو اور اے نبیؐ بشارت دے دے عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو۔

Marfat.com

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (۱۱۸)

ہر امت کے لیے ہم نے ایک طریقِ عبادت مقرر کیا جس کی وہ پیروی کرتی ہے۔ پس اے نبیؐ وہ اس معاملے میں تم سے جھگڑا نہ کریں تم اپنے رب کی طرف دعوت دو یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔

شریعتِ موسوی ـ تصورِ قربانی وفلسفہ

شریعت موسوی میں قربانی اور نذر و نیاز کے احکام پائے جاتے ہیں تورات میں اکثر مقامات پر اس حکم کو بجالانے کی تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً:

اور خداوند کے حضور آتشیں قربانی یعنی سوختنی قربانی یا خاص منت کا ذبیحہ یا رضا کی قربانی گزارنو۔ (۱۱۹)

ایک اور مقام پر درج ہے:

اور جب تم خدا کے حضور سلامتی کے ذبیحے گزارو تو ان کو اس طرح گزارنا کہ تم مقبول ہو۔ (۱۲۰)

حضرت داؤد کے قربانی دینے کے متعلّق بیان کیا گیا ہے:

اور جب داؤد سلامتی کی قربانیاں اور سوختنی قربانی چڑھا چکا تو اس نے رب الافواج کے نام سے لوگوں کو برکت دی۔ (۱۲۱)

نیاز اور گناہ کے کفارے کے لیے جانور ذبح کیے جاتے تھے قربانیاں روزانہ ہوتی تھیں اور آگ قربان گاہ میں جلتی رہتی تھی۔ نذر کی قربانی مسلم جلائی جاتی تھی اور دیگر اقسام کی قربانیوں کا صرف ایک حصّہ جلایا جاتا تھا۔ (۱۲۲)

Encyclopaedia Biblica میں شریعت موسوی میں رائج قربانیوں کی مختلف اقسام کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

گناہ کی قربانی	(Hattath)	خطا کی قربانی	(Asam)
سوختنی قربانی	(Olah)	امن کی قربانی	(Selem) (۱۲۳)

سوختنی قربانی کے لیے ''بے عیب نر'' ضروری تھا مگر شکرانے کی قربانی کے لیے ''نر'' کی قید نہ تھی۔ (۱۲۴)

مکمل سوختنی قربانی کی اہمیّت دوسری قربانیوں کے مقابلے میں کم تھی جن میں عبادت گزاروں

Marfat.com

کے لیے ضیافت کا اہتمام بھی ہوتا تھا۔ اس قربانی کو کبھی الگ سے نہیں کیا جاتا تھا۔ بعض مخصوص حالات کے تحت یہ دی جاتی تھی عام طور پر سوختنی قربانی دیگر قربانیوں سے ملا کر ہی ادا کی جاتی تھی۔

غرباء کے لیے رعایت تھی کہ بطورِ کفارہ وہ فاختہ یا کبوتر نذر کریں جبکہ امراء کے لیے ہر گناہ کے عوض ایک چوپایہ لازم تھا۔ (۱۲۵) ہر جانور کا پہلا بچہ قربان کیا جاتا تھا اور اس کا گوشت خدام کھاتے تھے۔ (۱۲۶)

بنی اسرائیل کو دیگر مشرک اقوام سے خدا پرستی میں ممتاز ٹھہرانے کے لیے بکثرت قربانیوں کا حکم دیا گیا تھا جس کو Gerald, L. Berry نے یوں بیان کیا ہے:

> Any father could make sacrifice, usually a burnt offering of first fruit of crops and herds but sometimes a human sacrifice. (۱۲۷)

غیر شرعی قربان گاہوں کو ڈھانے کا حکم دیا گیا اور شرعی قربان گاہ پر قربانی نہ چڑھانے کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا جیسا کہ تورات کے بیان سے واضح ہے:

> اور تو خداوند اپنے خدا کا مذبح بے تراشے پتھروں سے بنانا اور اس پر خداوند اپنے خدا سے سوختنی قربانیاں گزارنا اور وہیں سلامتی کی قربانیاں چڑھانا اور ان کو کھانا اور خداوند اپنے خدا کے حضور خوشی منانا۔ (۱۲۸)

تم ضرور ان جگہوں کو نیست و نابود کر دینا جہاں جہاں وہ قومیں جن کے تم وارث ہو گے اونچے اونچے پہاڑوں پر اور ٹیلوں پر اور ہر ایک ہرے درخت کے نیچے اپنے دیوتاؤں کی پوجا کرتی تھی۔ تم ان کے مذبحوں کو ڈھا دینا اور ان کے ستونوں کو توڑ ڈالنا اور ان کی یسیرتوں کو آگ لگا دینا اور ان کے دیوتاؤں کی کھدی ہوئی مورتوں کو کاٹ کر گرا دینا اور اس جگہ سے ان کے نام تک کو مٹا ڈالنا پر اپنے خداوند اپنے خدا سے ایسا نہ کرنا۔ (۱۲۹)

یہودی شریعت میں قربانی کا ایک اہم مقصد خدائے واحد کی عبادت اور شرک سے اجتناب تھا جیسا کہ تالمود میں بھی درج ہے۔

> Has God pleasure in the meat and blood of sacrifices .... bring your offerings at least to me. (۱۳۰)

تمام قربانیاں اسی نکتے کے گرد گھومتی ہیں کہ خدا کا قرب، رضا اور نفس کی پاکیزگی حاصل ہو۔ خطا ہو یا گناہ، غمی کا موقع ہو یا خوشی کا ہر حال میں خدا کا تقرب حاصل ہو جیسا کہ Hasting 's Bible Dictionary میں بیان کیا گیا ہے:

Marfat.com

Sacrifice belong to the class of religious acts in which man seeks to draw near to God. (۱۳۱)

The Universal Bible Dictionary میں بیان کیا گیا ہے:

یہودی شریعت میں قربانی روح کی پاکیزگی اور خدا کی رضا کے لیے تصور کی جاتی ہے۔ (۱۳۲)

قربانی خلوصِ نیت اور تقویٰ ہے۔

اسلام کا تصورِ قربانی وفلسفہ

اسلام میں قربانی کا حکم نہایت واضح الفاظ میں آیا۔ قرآنِ کریم میں نماز کے ساتھ قربانی کا مذکور ہونا قربانی کی اہمیّت کو واضح کرتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ (۱۳۳)

اے نبیؐ ہم نے تمھیں کوثر عطا کر دیا، پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو، اور قربانی کرو تمھارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔

علامہ ابن قدامہ "المغنی" میں لکھتے ہیں:

قربانی کی مشروعیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ہے کتاب اللہ میں اس کی دلیل فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت سے مراد صلوٰۃ عید کے بعد قربانی ہے۔ (۱۳۴)

قرآنِ کریم میں قربانی کو شعائر اللہ قرار دیا گیا ہے۔

وَ الۡبُدۡنَ جَعَلۡنٰہَا لَکُمۡ مِّنۡ شَعَآئِرِ اللّٰہِ (۱۳۵)

اور قربانی کے اونٹوں (جانوروں) کو ہم نے تمھارے لیے شعائر اللہ میں شامل کیا ہے۔

قرآنِ کریم میں قربانی کی حقیقت اور اس کے دینی اثرات کی وضاحت اس آیت سے مزید ہوتی ہے:

وَ مَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ لَکُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحِلُّہَاۤ اِلَی الۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ (۱۳۶)

جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے، تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے۔ تمھیں ایک وقت مقرر تک ان (ہدی کے جانوروں) سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ پھر اُن (کے قربان کرنے کی جگہ)

Marfat.com

اسی قدیم گھر کے پاس ہے۔

طاہر القادری قربانی کا ایک مقصد سنت ابراہیم کی یاد کو تازہ کرنا بیان کرتے ہیں:

مقام منی پر فرزندانِ توحید کے عظیم اجتماع کی قربانی اس منظر کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہے۔ جب منشائے ایزدی کی تعمیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیلؑ کو خدا کی رضا کے لیے قربان کر دینے کے لیے اس میدان میں لے آئے تھے۔ لہٰذا یہ عظیم قربانی جسے ذبح عظیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ شرف قبولیت سے نوازی گئی۔ (۱۳۷)

عبدالحامد بدایونی لکھتے ہیں:

قربانی جہاں عزم و ہمت اور فدا کاری کا سبق دیتی ہے وہیں اس کا اقتصادی پہلو بھی ہے۔ قربانی اور ذبیحہ کے جانوروں کا گوشت کھالیں ہڈیاں، خون وغیرہ ایسی مفید اشیاء ہیں جن سے انسان کی اکثر و بیشتر ضروریات وابستہ ہیں اور لاکھوں لوگوں کا کاروبار اس سے وابستہ ہے۔ (۱۳۸)

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (۱۳۹)

نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون مگر اسے تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

ابن کثیر اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

عامر شعبیؒ سے قربانی کی کھالوں کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا خدا کو گوشت اور خون نہیں پہنچتا اگر چاہو تو بیچ دو اگر چاہو تو خود رکھ لو۔ اگر چاہو تو راہِ خدا میں دے دو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمھارے قبضے میں کر دیا ہے کہ تم خدا کے دین اور اس کی شریعت کی راہ پا کر اس کی مرضی کے کام کرو اور اس کی ناراضگی کے کاموں سے رک جاؤ اور اس کی عظمت اور کبریائی بیان کرو۔ (۱۴۰)

سید سلیمان ندویؒ بیان کرتے ہیں:

قربانی کا مقصد غریبوں کی ضیافت کرنا ہے اور اس جشن ابراہیمیؑ کے موقع پر ان کو شکم سیر کرنا ہے۔ (۱۴۱)

پروفیسر خورشید احمد قربانی کا فلسفہ بیان کرتے ہیں:

Marfat.com

قربانی وہ ذبح عظیم جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ قرار دیا تھا اس لیے اللہ کی راہ میں جانور قربان کرنا درحقیقت اپنے آپ کو قربان کرنے کا قائم مقام ہے۔ یہ اس بات کا خاموش اقرار ہے کہ ہماری جان اللہ کی راہ میں نذر ہو چکی ہے اور وہ جب اسے طلب کرے گا ہم بلا تامل پیش کر دیں گے۔ (۱۴۲)

قربانی کی مقصدیت میں دونوں شریعتوں نے قربانی کو رضائے الٰہی کا ذریعہ اور پاکیزگی نفس کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

شریعتِ موسوی کی نسبت شریعتِ محمدیہؐ کے تمام احکام میں چاہے وہ زندگی کے کسی شعبے سے متعلّق ہوں ''عُسر'' کی بجائے ''یسر'' کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ دراصل شریعت محمدیہؐ کا یہ خاصہ ہے کہ احکام کی ادائیگی میں خوش دلی اور سہولت بہم پہنچانے کا خیال رکھا جاتا ہے جیسا کہ ذاتِ حق نے خود اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۱۴۳)

اللہ ہمارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (۱۴۴)

اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔

اسلامی شریعت کی طرح شریعت موسوی میں بھی انفرادی اور اجتماعی عبادت کا تصور ملتا ہے۔ اسلام میں تمام عبادات کی علت و حکمت تقویٰ اور ذکر خداوندی ہے۔ محض رسمی ادائیگی مقصود نہیں۔ مگر شریعت موسوی میں تزکیۂ نفس اور ذکر خداوندی کے ساتھ رسمی عبادات پر بھی بہت زور دیا گیا ہے۔

۞۞۞

حوالے و حواشی

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، بذیل مادہ ''عبد''

۲۔ تاج العروس، بذیل مادہ ''عبد''، القاموس الوافی، بذیل مادہ ''عبد''

Marfat.com

۳۔ راغب اصفہانی، مفردات القرآن، بذیل مادہ "عبد"

۴۔ بنی اسرائیل ۱۷:۲۳

۵۔ الجوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح، بذیل مادہ "عبد"

۶۔ سید رشید رضا، المنار، ۵۳/۱؛ سید مودودی، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ۸۲، ۸۳

۷۔ شبلی نعمانی، عبادات، ۲۱؛ حکیم محمود احمد، اسلام کا معاشرتی نظام، ۴۷؛ اصغر علی روحی، ما فی الاسلام، ۷/۲

۸۔ الانبیاء، ۲۱:۱۹ ۹۔ وہبۃ الزحیلی، نظریہ ضرورت الشریعۃ، ۳۴۶

۱۰۔ عز الدین بن عبد السلام، قواعد الاحکام، ۷۰/۲

۱۱۔ فلسفہ عبادات اسلامی، ۱۰ ۱۲۔ تفسیر کبیر، ۱۹۹/۲۸

۱۳۔ المنقذ من الضلال، سبب نشر العلم بعد الإعراض عنہ، ۳۹، ۴۰

۱۴۔ الذریت، ۵۱:۵۶

۱۵۔ طبری، جامع البیان، ۱۷/۲۷؛ تفسیر الماوردی، ۳۷۴/۵؛ تفسیر مقاتل، ۲۸۰/۳، ۲۸۱

۱۶۔ تفسیر کبیر، ۱۹۸/۲۸

۱۷۔ اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، ۱۱

۱۸۔ یوسف قرضاوی، اسلام میں عبادات کا حقیقی مفہوم (مترجم، خدا بخش کلیار)، ۲۲۲

۱۹۔ *Encyclopaedia Judaica*, 16/456

۲۰۔ *Encyclopaedia Judaica*, 21/ 230

۲۱۔ *The Standard Jewish Encyclopaedia*, 1535; Hasting's *Dictionary of the Bible*, 4/38

۲۲۔ استثناء، ۴۸:۴۷، ۴۸

۲۳۔ *The Meaning of Prayer*, 55

۲۴۔ *Collier's Encyclopaedia*, 13/657

۲۵۔ *Encyclopaedia Judaica*, 17/309

۲۶۔ *Worship in the World's Religions*, 176

۲۷۔ *The Meaning of Prayer*, 31

۲۸۔ *Collier's Encyclopaedia*, 13/658

۲۹۔ *Judaism and Islam*, 70

Marfat.com

۳۰۔ آل عمران، ۳:۱۹۳ ۳۱۔ گنتی، ۲۳:۱۰

۳۲۔ المفردات، ۲۸۵ بذیل مادہ صلا ۳۳۔ الحج، ۲۲:۴۰

۳۴۔ آل عمران، ۳:۱۱۳ ۳۵۔ کتاب پیدائش، ۲۶:۲۵

۳۶۔ ا۔تواریخ، ۲۹:۲۰

۳۷۔ *Standard Jewish Encyclopaedia*, 1535

۳۸۔ *Ancient Judaism*, 244

۳۹۔ Baron and Blau, *Judaism*, 211;Rabbi Geiger, Judaism and Islam, 68

۴۰۔ *Collier's Encyclopaedia*, 13/658

۴۱۔ *Encyclopaedia Judaica*,16/ 458

۴۲۔ *Collier's Encyclopaedia*, 13/657

۴۳۔ البقرة، ۲:۴۳ ۴۴۔ حجۃ اللہ البالغہ، ۱/۱۵۳

۴۵۔ اسلامی نظریۂ حیات، ۳۰۸؛ نور محمد غفاری، اسلام کا نظام عبادات، ۷۰

۴۶۔ Dr. Muhammad Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought in Islam*,74,75

۴۷۔ عبادات، ۱۲۶ ۴۸۔ مریم، ۱۹:۵۹

۴۹۔ العنکبوت، ۲۹:۴۵

۵۰۔ معارف القرآن، ۶/۶۹۶، ۶۹۷

۵۱۔ تاج العروس، بذیل مادہ ''صوم''؛ مفردات القرآن، بذیل مادہ ''صوم''

۵۲۔ تبیان القرآن، ۱/۷۰۰ ۵۳۔ البقرة، ۲:۱۸۳

۵۴۔ *Encyclopaedia Americana*, 12/52

۵۵۔ کتاب خروج، ۳۴:۲۸ ۵۶۔ احبار، ۱۶:۲۹، ۳۰؛ ۲۳:۲۷-۲۳؛ یرمیاہ، ۳۶:۶

۵۷۔ *Encyclopaedia of Religion*, 5/287,288;Blacks Bible Dictionary, 189; Encyclopaedia Britannica, 9/107.

۵۸۔ Leo Aucrbech, *Talmud*, 123(Retrived from November 7, 2009. http://www. sacred-texts.com/jud/bata/bata 04.htm)

۵۹۔ *Standered Jewish Encyclopaedia*, 668.

۶۰۔ Leo Aurebech, *Talmud*, 122(Retrived from November 7, 2009. http://www. sacred-texts.com/jud/bata/bata 04.htm)

۶۱۔ Israel Abraham, *Judaism*, 45.

Marfat.com

۶۲۔ *Standard Jewish Encyclopaedia*, 668.

۶۳۔ عبادات، ۲۰۹؛ ادریس کاندھلوی، معارف القرآن، ۲۷۸/۱

۶۴۔ البقرۃ، ۲:۱۸۳ ۶۵۔ البقرۃ، ۲:۱۸۷

۶۶۔ زاد المعاد، ۷۸؛ اسلامی نظریۂ حیات، ۳۱۸

۶۷۔ حجۃ اللہ البالغۃ، ۱۵۶/۱

۶۸۔ معارف القرآن، ۲۷۷/۱؛ تدبر قرآن، ۴۴۵/۱؛ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۴۴۳/۱

۶۹۔ عبادات، ۲۳۲

۷۰۔ شبلی نعمانی، عبادات، ۱۴۱

۷۱۔ مفردات القرآن، بذیل مادہ ''زکا''؛ احمد بن فارس، معجم المقاییس اللغۃ، بذیل مادہ ''زکی''

۷۲۔ *Economics of Islam*, 87

۷۳۔ التوبۃ، ۹:۱۰۳ ۷۴۔ البقرۃ، ۲:۴۳

۷۵۔ مریم، ۱۹:۵۴، ۵۵ ۷۶۔ الأنبیاء، ۲۱:۷۳

۷۷۔ کتاب احبار، ۱۹:۹، ۱۰؛ ۲۳:۲۲؛ استثناء، ۱۶:۲۸، ۲۹

۷۸۔ *Ancient Judaism*, 47

۷۹۔ کتاب احبار، ۲۷:۳۰، ۳۱ ۸۰۔ کتاب احبار، ۲۷:۳۲، ۳۳

۸۱۔ Leo Auerobach, *The Talmud*, P. 49(Retrived from November 7, 2009 http://www. sacred-texts.com/jud/bata/bata 04.htm)

۸۲۔ H. Polano, *The Talmud*, 268

۸۳۔ Leo Auerbach, *The Talmud*, 50 (Retrived from November 7, 2009 http://www.sacred-texts.com/jud/bata/bata 04.htm

۸۴۔ Leo Auerbach, *The Talmud*, 51(Retrived from November 7, 2009 http://www. sacred-texts.com/jud/bata/bata 04.htm)

۸۵۔ H. Polano, *The Talmud*, 244

۸۶۔ البقرۃ، ۲:۲۷۷ ۸۷۔ الذّریٰت، ۵۱:۱۹

۸۸۔ *Muslim Conduct of State*, 250

۸۹۔ عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، ۵۹۰/۱

Marfat.com

۹۰۔ شبلی نعمانی، عبادات، ۱۴۱؛ نور محمد غفاری، اسلام کا نظامِ عبادت، ۱۱۶

۹۱۔ خورشید احمد، اسلامی نظریۂ حیات، ۴۶۰

۹۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب اخذ الصدقۃ من الأغنیاء وترد علی الفقراء، ۱۰۸/۲، دارالفکر، بیروت، ۱۹۸۱ء

۹۳۔ *Economic Doctrine of Islam*, 3/106

۹۴۔ الشمس، ۹۱:۹؛ الأعلی، ۸۷:۱۴

۹۵۔ بخاری الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ۱۰۸/۲

۹۶۔ ایضاً، ۱۰۸/۲۔۱۰۹

۹۷۔ احکامِ اسلام عقل کی نظر میں، ۹۹؛ نکہت شاہ جہاں پوری، اسلام کا تمدنی اور سیاسی نظام، ۲۳۱

۹۸۔ فلسفہ عبادات اسلامی، ۴۳

۹۹۔ حجۃ اللہ البالغہ، ۱۵۸/۱

۱۰۰۔ لسان العرب، بذیل مادہ "حجج"

۱۰۱۔ H. Polano, *Talmud*, 323

۱۰۲۔ کتاب خروج، ۲۳:۱۴؛ نیز دیکھیے: کتاب استثناء، ۱۶:۱۶

۱۰۳۔ *Encyclopaedia Judaica*, 16/154

۱۰۴۔ *The Encyclopaedia of Religion*, 8/43; *Encyclopaedia Biblica*, 4/4819; *Collier's Encyclopaedia*, 13/658

۱۰۵۔ *The Standard Jewish Encyclopaedia* 1508

۱۰۶۔ H. Polano, *The Talmud*, 362

۱۰۷۔ *Encyclopaedia Biblica*, 4/4862

۱۰۸۔ *The Standered Jewish Encyclopaedia*, 1508; Israel Abraham, *Judaism*, 53

۱۰۹۔ صدرالدین اصلاحی، اسلام ایک نظر میں، ۱۴۹؛ سید سلیمان ندوی، حقیقۃ الحج، ۵

۱۱۰۔ روح الدین الاسلام، ۲۵۱

۱۱۱۔ البقرۃ، ۲:۱۲۵ ۱۱۲۔ آل عمران، ۳:۹۷

Marfat.com

۱۱۳۔ اسلام ایک نظر میں، ۱۷۲،۱۷۱؛ وحید الدین خان، حقیقتِ حج، ۹۲،۹۱

۱۱۴۔ معارف القرآن، ۵۴۳/۱

۱۱۵۔ احکام اسلام عقل کی نظر میں، ۱۴۳،۱۴۲

۱۱۶۔ عبادات، ۲۹۱

۱۱۷۔ الحج ۳۴:۲۲ ۱۱۸۔ الحج، ۶۷:۲۲

۱۱۹۔ گنتی، ۴،۳:۱۵ ۱۲۰۔ احبار، ۵:۱۹

۱۲۱۔ سموئیل، ۱۹،۱۸:۶ ۱۲۲۔ احبار، ۱:۶-۹

۱۲۳۔ *Encyclopaedia Biblica,* 4/4184

۱۲۴۔ احبار، ۳،۲:۱

۱۲۵۔ احبار، ۵:۷-۱۳؛ ۴:۱-۴ ۱۲۶۔ ایضاً، ۲۶:۲۲، ۲۷

۱۲۷۔ Gerald L. Berry, *Religions of the world*, P. 31: *The Standered Jewish Encyclopaedia*, 1636

۱۲۸۔ استثناء، ۶:۲۷، ۷ ۱۲۹۔ ایضاً، ۲:۱۲-۵؛ احبار، ۷:۱۷

۱۳۰۔ H. Polano, *Talmud*, 264

۱۳۱۔ *Hasting's Bible Dictionary* 4/329

۱۳۲۔ *The Universal Bible Dictionary* 421,422

۱۳۳۔ الکوثر، ۱:۱۰۸-۳ ۱۳۴۔ المغنی، ۶۱۷/۸

۱۳۵۔ الحج، ۳۶:۲۲ ۱۳۶۔ ایضاً ۳۲:۲۲، ۳۳

۱۳۷۔ فلسفہ و احکامِ حج، ۸۹

۱۳۸۔ عبدالحامد بدایونی، فلسفہ عباداتِ اسلامی، ۶۰ ۱۳۹۔ الحج، ۳۷:۲۲

۱۴۰۔ تفسیر ابن کثیر، ۴۷۹/۳؛ تفسیر قرطبی، ۲۱۰۹/۲

۱۴۱۔ حقیقتِ حج، ۴۰؛ اشرف علی تھانوی، احکام اسلام عقل کی نظر میں، ۱۲۱

۱۴۲۔ اسلامی نظریۂ حیات، ۳۳۳ ۱۴۳۔ البقرۃ، ۱۸۵:۲

۱۴۴۔ البقرۃ، ۲۸۶:۲

Marfat.com

تالیفاتِ اساتذہ

شعبہ علومِ اسلامیہ

☆ رسولِ رحمت	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ حضورؐ سے ہمارے تعلّق کی بنیادیں	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ پیغمبرانہ منہاجِ دعوت	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ اصول الحدیث (جلد اول و دوم)	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت	ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
☆ مسلمان مؤرخین کا اسلوب تحقیق	ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
☆ اصطلاحاتِ حدیث (ترجمہ)	ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
☆ علمِ تفسیر۔ عہد بہ عہد	ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
☆ ذبیح کون؟ اسماعیل یا اسحٰق علیہما السلام	ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری
☆ Mohammad Foretold in the Bible by Name	ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری

Marfat.com

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تقابل ادیان میں خدمات

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی*

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برعظیم کی ان شخصیات میں ہوتا ہے جو بیک وقت محدث بھی ہیں، مفسر بھی، خطیب بھی ہیں اور ادیب بھی، ماہر عقائد و کلام بھی ہیں اور سیرت نگاری میں بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ مولانا کی زندگی اور ان کی مؤلفات کا مطالعہ کسی بھی پہلو سے کیا جائے، یہ بات نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ عقائد و ایمانیات کے شعبہ میں مولانا نہایت پختہ اور واضح فکر رکھتے ہیں۔ عقیدۂ توحید و الوہیت ہو یا عقیدۂ نبوت و رسالت، عقیدۂ آخرت و قیامت ہو یا وحی و ملائک، مولانا قرآنِ کریم کی آیاتِ مبارکہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی فکری بنیادیں مضبوط کرتے نظر آتے ہیں اور پھر ان عقائد کا برملا اظہار مولانا کی تحریروں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ (۱)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلّق یو پی کے ایک مردم خیز قصبہ کاندھلہ سے تھا۔ کاندھلہ وہی قصبہ ہے کہ بقول احسان دانش: بڑے بڑے صاحبانِ علم و دانش کا تعلّق اسی قصبہ کی خاک میں ہے اور بے شمار صاحبانِ قلم و قرطاس اس قصبہ میں آسودہ لحد میں۔ (۲)

کاندھلہ کے ایک ایسے خاندان میں جو علماء و فضلاء کا خاندان کہلاتا تھا، علماء کی ایک بہت بڑی تعداد اسی خانوادے سے منسلک ہے۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ/ ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء کو حافظ محمد اسماعیل کاندھلوی کے ہاں ایک بچہ نے جنم لیا جس کا نام محمد ادریس رکھا گیا۔ خاندانی روایات کے مطابق تعلیم کا آغاز حفظ قرآن کریم سے ہوا، دینی تعلیم کا آغاز مدرسہ خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون سے ہوا اور مظاہر علوم سہارنپور اور دار العلوم دیوبند سے تحصیل علم دین کے مراحل مکمل ہوئے۔

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

Marfat.com

۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء سے آپ کی تدریسی و تصنیفی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ دسمبر ۱۹۴۹ء میں آپ نے پاکستان ہجرت کی اور جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعہ کا منصب سنبھالا۔ ۱۹۵۱ء کے اوائل میں آپ جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے اور ۸ رجب ۱۳۹۴ھ، ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء اسی منصب پر رہتے ہوئے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ (۳)

مولانا کی تصنیفی زندگی کے بہت سے شاہکار اہلِ علم و دانش میں معروف ہیں۔ اُن کا تعارف باعثِ طوالت ہوگا، مولانا کی پوری علمی زندگی اور زندگی بھر کے حصولِ علم اور مطالعہ کا نچوڑ معارف القرآن کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔

اپنی تفسیر معارف القرآن میں مولانا نے جہاں دیگر شعبہ ہائے زندگی سے متعلّق آیاتِ مبارکہ کی تفسیر میں گہرے علمی نکات بیان کیے ہیں وہاں اہلِ کتاب خصوصاً عیسائیوں کے عقائد و نظریات اور ان تحریفات سے متعلّق آیات میں اور ختم نبوت کی آیات میں قادیانیت کے حوالہ سے مدلل بحث کی ہے۔

انبیائے سابقین علیہم السلام سے متعلّق عقائد و نظریات اور افرادِ امم سابقہ کی فکری غلطیوں کی برملا تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مولانا کے اُسلوب کا یہ خاصہ ہے کہ آپ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گفتگو کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آپ حضرت موسیٰ کے ہی امتی ہیں، جب آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا مشاہدہ ہوتا ہے کہ جیسے آپ کا تعلّق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گفتگو ہوتی ہے تو عشق وارادت کا ایسا دریا بہتا ہوا نظر آتا ہے کہ شاید کوئی پادری یا عام عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنی اس قدر ارادت کا اظہار نہ کر سکے۔ اس ضمن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سب سے زیادہ گفتگو ہے اور اس گفتگو میں آپ نے جہاں ایک طرف یہود بے بہبود کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخانہ باتوں کا جواب دیا، وہاں عیسائیوں کی مبالغہ آمیز عقیدت کی بھی تردید کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلّق صحیح عقائد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلّق عقائد و نظریات، افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ ایک طرف یہودیوں کے عقائد ہیں کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں سخت گستاخی اور دریدہ ذہنی کا ثبوت دیتے ہیں یہاں تک کہ تولد کو بھی ناجائز بتاتے ہیں۔

Marfat.com

دوسری جانب عیسائیوں کے عقائد وافکار ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی اللہ کا شریک اور کبھی اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے مصلوب ہونے کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں عقائد کی بھرپور تردید کی ہے۔ مولانا نے ان آیات کی تفسیر میں محدثین اور مفسرین کے اقوال نقل کیے ہیں، ان کی تلخیص یہاں پیش کی جائے گی۔

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۵۹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس عقیدہ کو باطل قرار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی ذات میں شریک یا اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ عقیدہ نصاریٰ نجران کا تھا اور اس کی دلیل یہ تھی کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس کا جواب دیا گیا: ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم [۴]

کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا، اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے اللہ یا اللہ کے بیٹے قرار دیے جاسکتے ہیں تو حضرت آدم بھی اس کا استحقاق رکھتے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے اس مسئلہ پر عیسائیوں کو مباہلہ کا چیلنج بھی دیا ہے۔[۵]

نصاریٰ کے ساتھ یہود کی اس فکر کی بھی تردید کی گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا یا سولی چڑھا دیا گیا، اس نظریہ کی تردید کر کے فرمایا گیا کہ انھیں آسمان پر اٹھا لیا گیا، قیامت کے قریب وہ دوبارہ نازل ہوں گے اور اس وقت اہل کتاب میں کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا کہ جو حضرت عیسیٰؑ پر مرنے سے پہلے ایمان نہ لائے۔ آیت کے الفاظ ہیں: وان من اھل الکتب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ [۶]

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو اقوال ہیں:

۱۔ لیؤمنن کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور ''بہ قبل موتہ'' کی ضمیریں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی طرف لوٹتی ہیں۔ یعنی اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہ رہے گا کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے۔

۲۔ ''قبل موتہ'' کی ضمیر کتابی کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی اپنی موت سے پہلے ایمان لے آئے، اس کی دلیل ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ایک قراءت ہے جس میں ''موتہ'' کی جگہ ''موتھم'' منقول ہے۔

مولانا نے ان دو اقوال کو نقل کرنے کے بعد پہلے تو قول اول کو ترجیح دی ہے کہ ابن جریر، ابن

Marfat.com

کثیر اور دیگر تمام مفسرین اسی کو راجح قرار دیتے ہیں جب کہ دوسرا قول ایک شاذ قراءۃ پر مبنی ہے جو متواتر قراءت پر ترجیح حاصل نہیں کر سکتی۔ (۷)

لیکن پھر دونوں اقوال میں مطابقت بھی پیدا کر دی کہ دو علیحدہ علیحدہ قراءتیں دو مستقل آیتوں کا حکم رکھتی ہیں یعنی ابی بن کعب کی قراءت سے کتابی کا اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت اور رسالت پر ایمان لانا معلوم ہوتا ہے جب کہ قرأۃ متواترہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ضرور ایمان لے آئیں گے۔ (۸)

اس ترجیح و مطابقت کے بعد اصل مسئلہ پر گفتگو شروع ہوتی ہے اور وہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلب کے عقیدہ کا باطل ہونا۔ مولانا نے اس عقیدہ کے خلاف توراۃ و انجیل سے علمی استشہادات جمع کیے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ توراۃ وانجیل کی تعلیمات کی روشنی میں بھی یہ عقیدہ بالکل باطل ہے، پھر اس پر عقلی دلائل بھی دیے ہیں۔ مولانا نے بڑے مضبوط، محکم اور مسکت دلائل دیے ہیں اور ان عقلی دلائل کے لیے مولانا نے رحمۃ اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ازالۃ الشکوک سے کثرت سے استفادہ کیا ہے۔ (۹)

قتل وصلب کے عقیدے کے باطل ہونے پر اس مدلل بحث کے بعد، مولانا نے حضرت مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے اور بعد میں نازل کیے جانے کی حکمتیں بھی بیان کیں اور آخر میں سورۂ نساء اور سورۂ آل عمران کی آیات کے مضامین کا موازنہ پیش کیا۔

> سورۂ نساء کی آیات کا سیاق اہل کتاب کی تردید میں ہے اس لیے ان آیات میں نہایت تاکید کے ساتھ قتل وصلب کی نفی کی گئی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا اور حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر اہل کتاب کے ایمان لانے کو نہایت تاکید کے ساتھ بیان کیا۔ بخلاف آل عمران کی آیتوں کے ان کا تمام سیاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی کے لیے ہے۔ سورۂ آل عمران میں حضرت عیسیٰ کی تسلی کے لیے توفی اور رفع اور تطہیر اور غلبہ متبعین عیسیٰ وغیرہ وغیرہ کا ذکر فرمایا تاکہ یہود کے مکرو فریب سے قلب پر جو خوف و ہراس تھا وہ یک لخت دور ہو جائے اور یہ تمام امور جب ہی باعث تسلی ہو سکتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام زندہ اور صحیح وسالم آسمان پر اٹھائے جائیں۔ اگر سورۂ آل عمران میں توفی سے وفات بمعنی موت مراد ہوتی تو اس سے حضرت عیسیٰ کی تو تسلی نہ ہوتی بلکہ یہود کو تسلی

Marfat.com

اور بشارت ہو جاتی کہ تم بے فکر رہو کہ قتل سے جو تمھارا مقصود ہے وہ ضرور حاصل ہو جائے گا۔ [10]

پس آل عمران میں توفی کا ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی کے لیے ہے کہ اے عیسیٰ میں تم کو پورا پورا لے لوں گا اور آیاتِ نساء کا سیاق تسلی کے لیے نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کے قول کی تردید کے لیے ہے کہ سورۃ النساء میں قتل اور صلب کی نفی کی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا اور توفی سے کوئی تعرض نہ کیا نیز آل عمران میں حضرت عیسیٰ کی تسلی کے لیے رفع الی السماء کے ایفاء کا ذکر ہے ''بل رفعه الله اليه'' کہ اللہ نے رفع کا وعدہ پورا کر دیا۔

اور سورۃ المائدہ کے اخیر میں فقط توفی کا ذکر فرمایا: **وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم** [11]

اس لیے کہ سورۃ المائدہ میں بنی اسرائیل کے خلاف حضرت عیسیٰ کی شہادت کا ذکر ہے اس لیے وہاں فقط توفی کا ذکر فرمایا کہ توفی کے بعد کا حال مجھ کو معلوم نہیں کہ جس کی میں گواہی دے سکوں اور اس جگہ قتل اور صلب کی نفی کا کوئی ذکر نہیں فرمایا بلکہ صرف توفی کا ذکر فرمایا کہ جو مانع شہادت تھی اس لیے سیاق شہادت میں صرف مانع شہادت کو ذکر فرمایا۔ [12]

یہود و نصاریٰ کے عقیدہ میں فرق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل و صلب کے یہودی بھی قائل ہیں اور نصاریٰ بھی لیکن فرق یہ ہے کہ یہود اس بات کا فخر سے اعلان کرتے ہیں: **انا قتلنا المسيح عيسى بن مريم رسول الله** [13]
(ہم نے مسیح بن مریم، اللہ کے رسول کو قتل کیا۔)

جب کہ عیسائی اس قتل اور صلب کو کفارۃ الذنوب سمجھتے ہیں۔ [14]

یہود و نصاریٰ کے اس مشترک عقیدہ کی تردید کے بعد مولانا نے نصاریٰ کے اس عقیدہ کی بھی بھرپور تردید کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کی ذات میں شریک ہیں یا اللہ کے بیٹے ہیں۔

عقیدۂ تثلیث و ابنیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عیسائی دنیا مختلف فرقوں میں بٹی ہوئی تھی، ہر فرقہ کے نظریات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مختلف تھے۔ ایک فرقہ اس بات کا قائل تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عین ذات الٰہی ہیں۔ اور دراصل خدا ہی حضرت مسیح کی شکل میں دنیا میں اتر آیا ہے۔ ایک فرقہ

Marfat.com

یہ کہتا کہ مسیح ابن اللہ (اللہ کے بیٹے) ہیں اور جب کہ تیسرا فرقہ اس بات کا قائل تھا وحدت کا راز پوشیدہ ہے باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں مل کر ایک خدا ہیں جب کہ بعض لوگ روح القدس کے بجائے حضرت مریم کو شریک ٹھہراتے تھے۔

مولانا نے معارف القرآن میں ان تمام باطل افکار و نظریات کی تردید کی ہے۔ مولانا ان نظریات کے خلاف جو دلائل دیتے ہیں ان کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف) قرآنِ کریم سے دلائل

ب) توراۃ وانجیل سے دلائل

ج) عقلی دلائل

قرآنِ کریم سے اللہ کی وحدانیت وصمدیت پر بعض آیات پیش کی گئیں اور ثابت کیا گیا کہ اللہ کا کوئی شریک ہے نہ اس کا کوئی بیٹا۔ قرآنِ کریم کے بعد مولانا نے توراۃ وانجیل سے بکثرت دلائل دیے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ توراۃ وانجیل کا مولانا کا بہت گہرا مطالعہ ہے اور اس کی تعلیمات کو مولانا خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں عیسائیوں اور یہودیوں کے باطل افکار کے توڑ میں توراۃ وانجیل کے استشہادات بہت مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔

تیسرے نمبر پر عقلی دلائل وشواہد سے مولانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت ثابت کرتے ہیں۔

اس موقع پر مولانا کا اُسلوب بہت منفرد ہے کہ ایک طرف تو اللہ کی توحید وتفرید کا تقاضا ہے اور دوسری طرف اللہ کے نبی سے متعلّق مبالغہ آمیز اور غیر حقیقت پسندانہ عقائد وافکار کی تردید ہے۔ اس میں جہاں ایک طرف توحید وتفرید کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے تو دوسری جانب یہ خیال بھی رکھنا ہوتا ہے کہ نبی کی ذات سے الوہیت کی تردید کرتے کرتے مبادا کوئی ایسا لفظ نکل جائے جس سے نبی کی شان میں گستاخی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ مولانا اس نازک وادی کو بڑی خوبی سے سر کرتے ہیں۔ (۱۵)

مولانا نے اپنی کتاب معارف القرآن میں مختلف مواقع پر آیات کے مضمون کے مطابق اہلِ کتاب کی فکری خرابیوں اور عقائد کی غلطیوں کی برملا نشاندہی کی ہے۔ معارف القرآن کے علاوہ مولانا نے مختلف رسائل میں بھی اسی موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور ایجاز واختصار کے ساتھ مضبوط ومدلل بحث کی ہے۔ اس موضوع پر تحریر کیے گئے چند رسائل کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا۔

Marfat.com

اسلام اور عیسائیت

عیسائیت کے خلاف مولانا نے جو رسائل لکھے وہ اگرچہ مختصر ہیں لیکن تحقیقی اعتبار سے جبل متین کی طرح مضبوط اور علمی دلائل سے بھرپور ہیں۔ ان رسائل کے نام اور پھر ان کا مجموعی تعارف سپرد قلم کیا جائے گا کہ تفصیل طوالت کی موجب ہوگی۔

۱۔ احسن الحدیث فی ابطال التثلیث

۲۔ اسلام اور نصرانیت

۳۔ پیام اسلام مسیحی اقوام کے نام

۴۔ حیات عیسیٰ (کلمہ اللّٰہ فی حیات روح اللّٰہ)

احسن الحدیث فی ابطال التثلیث میں مولانا عیسائیت کے اس باطل فرقہ کی بھرپور تردید کی ہے جو تثلیث کا قائل اور یہ قرار دیتا ہے کہ اللہ، مسیح بن مریم اور مریم مل کر معبود ہیں یا اللہ، مسیح بن مریم اور روح القدس اور اللہ، تینوں اقانیم مل کر خدا کی ذات بنی ہے۔ مولانا نے اس نظریہ کی تردید میں دلائل پیش کیے ہیں دوسری فصل میں ابطال تثلیث پر قرآنِ حکیم اور توراہ وانجیل سے بڑے محکم اور مضبوط دلائل دیے ہیں۔ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء کو اس رسالہ کی تصنیف مکمل ہوئی۔ (۱۶)

اسلام اور نصرانیت میں نصاریٰ کے اس اعتراض کا بھرپور انداز میں جواب دیا کہ قرآنِ کریم میں جس قدر بھی عمدہ مضامین ہیں سب کتب سماویہ سابقہ سے لیے گئے ہیں۔ مولانا نے قرآنِ کریم کی تعلیمات اور بائبل کے مضامین کا مقابلہ کر کے ثابت کیا ہے کہ قرآنِ کریم کی تعلیمات کس قدر اعلیٰ، افضل، مکمل اور جامع ہیں۔ اس سلسلہ میں مختلف موضوعات کو بنیاد بنا کر ثابت کیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کتب سماویہ سابقہ سے افضل و جامع ہے دین اسلام مکمل دین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت تمام انبیاء کرام سے بڑھ کر ہے۔

پیام اسلام مسیحی اقوام کے نام سے مرتب کردہ مختصر رسالہ میں عیسائی دنیا کو اسلام کی دعوت دی ہے۔

کلمۃ اللّٰہ فی حیات روح اللّٰہ میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں اور قیامت کے قریب دوبارہ نازل ہوں گے۔ اس رسالہ میں جہاں ایک طرف عیسائیوں کے عقیدہ صلب کی تردید ہوئی، وہاں مرزائیوں کے اس عقیدہ کی بھی تردید ہوئی جس

Marfat.com

کے مطابق وہ حضرت عیسیٰ کے دوبارہ نزول کے قائل نہیں۔

مولانا کا یہ رسالہ جب شائع ہوا تو مولانا نے ایک خواب دیکھا جسے ان کے اپنے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے:

اس ناچیز نے یہ خواب دیکھا کہ یہ ناچیز دار العلوم دیوبند کی مسجد میں داخل ہوا، دیکھتا کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام منبر کے قریب اور محراب امام کے سامنے تشریف فرما ہیں، چہرہ مبارک پر عجیب وغریب انوار ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے اور حضرت کے ساتھ کوئی خادم بھی ہے، یہ ناچیز نہایت ادب کے ساتھ دو زانو سامنے بیٹھ گیا، تھوڑی دیر میں ایک قادیانی پکڑ کر لایا گیا اور سامنے کھڑا کر دیا گیا، بعدازاں دو عبا لائے گئے۔ ایک نہایت سفید اور خوبصورت ہے اور دوسرا نہایت سیاہ اور بدبودار ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ سفید عبا اس ناچیز کو پہنائیں اور سیاہ عبا اس قادیانی کو پہنایا جائے۔ چنانچہ سفید عبا اس ناچیز کو پہنایا گیا وللہ الحمد والمنہ اور سیاہ عبا اس قادیانی کو اور یہ ناچیز خاموش کھڑا ہے اور قادیانی کو دیکھ کر دل میں یہ آیت پڑھ رہا ہے **سرابیلھم من قطران وتغشی وجوھھم النار** اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ (۱۷)

اس رسالہ میں مختلف آیات واحادیث، تاریخی حقائق اور عقلی دلائل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس رسالہ کی توثیق وتعدیل اور اس کے عنداللہ مقبول ہونے کے لیے خواب ہی کافی ہے۔ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی توثیق نے اس کی قدر وقیمت میں اضافہ کر دیا۔ مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ بعض مرزائیوں نے بھی ان کے سامنے اس کی معقولیت اور سنجیدہ روش کو پسند کیا۔ (۱۸)

فرقِ باطلہ کے خلاف مولانا کا انداز واسلوب بڑا منفرد دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف تو مولانا دلائل عقلیہ ونقلیہ میں ایسی خوبصورت ترتیب قائم کرتے ہیں کہ اگر تعصب سے پاک ہو کر قاری ان کا مطالعہ کرے تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا دوسری طرف مولانا کی ہر تحریر توحید وتفرید کے ساتھ ساتھ محبت الٰہی اور حب رسول سے ایسی مزین، بھرپور اور سرشار ہوتی ہے کہ قاری اس کو محسوس کیے بغیر نہیں گزر سکتا۔ مولانا کے دل میں موجزن توحید وتفرید اور محبت الٰہی اور حب رسول کے **مرج البحرین** کی

Marfat.com

موجیں ہر کس وناکس کو نظر آتی ہیں اور اس مرج البحرین پر آ کر کوئی پیاسا واپس نہیں جا سکتا۔

اہل کتاب کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ان عقائد میں ایک جانب عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت والوہیت کی تردید ہوئی تو دوسری جانب اہل کتاب کے اس دعویٰ کو بھی مدلل انداز میں واضح کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صولی پر چڑھا دیا گیا تھا بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ حالت میں آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے حوالہ سے مدلل بحث کی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم — خاتم النبیین

قرآنِ کریم کی آیتِ مبارکہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ کی تفسیر وتشریح بیان کرتے ہوئے مولانا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم المرسلین علمی انداز میں بحث کی ہے اور اس ضمن میں قادیانیوں کے باطل عقائد ونظریات ختم نبوت کی من گھڑت تاویلات کی بھرپور انداز میں تردید کی ہے۔

لفظ خاتم کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

آیت مذکورہ میں جو لفظ خاتم النبیین آیا ہے اس کو بعض قراء نے بفتح التا (تا کے زبر کے ساتھ) پڑھا جس کے معنی مہر کے ہیں۔ یعنی آپ سب نبیوں کی مہر ہیں۔ آپ کی آمد سے نبوت پر مہر لگ گئی اور پیغمبری آپ پر ختم ہوگئی۔ خط پر مہر جب لگتی ہے کہ جب کتابت تمام ہو جاتی ہے اسی طرح آپ کی ذات بابرکات نبوت پر مہر ہے اس لیے آپ کی آمد سے نبوت ختم ہوگئی اور آئندہ کے لیے نبوت کا دروازہ بند ہو گیا اور بعض قراء نے خاتم بکسر تا پڑھا ہے جس کے معنی آخر کے ہیں یعنی آپ آخر الانبیاء ہیں۔

بہر حال جو بھی قراءت لی جائے بہر صورت معنی یہی ہیں کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ مہر دروازہ بند کرنے کے لیے ہی لگائی جاتی ہے کہ اندر کی چیز باہر نہ آسکے اور باہر کی چیز اندر نہ جا سکے۔ کما قال تعالی: خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ [19] اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی کہ کفر اندر بند ہو گیا کہ وہ کفر اب اندر سے باہر نہیں آسکتا اور باہر سے کوئی ہدایت ان کے دل میں داخل نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

لفظ خاتم کی تشریح

لفظ خاتم کلام عرب میں دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے جن میں سے ایک معنی تو حقیقی ہیں اور ایک معنی مجازی ہیں۔ خاتم کے حقیقی معنی آخر کے ہیں جو سب کے بعد ہو اور خاتم کے معنی مجازی افضل اور اکمل کے ہیں اور اکمل اور افضل اس شے کو کہتے ہیں کہ جس پر کوئی کمال اور کوئی فضیلت ختم ہو جائے اور وہ شئے اس فضل و کمال میں بے مثال ہو کوئی اس کا مثل اور ثانی نہ ہو۔

اسی طرح آیت میں لفظ خاتم النبیین کو سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاتم النبیین کہا گیا وہ دونوں معنی کے اعتبار سے درست ہے۔ آپ زمانہ کے اعتبار سے بھی آخری نبی ہیں اور آپ کی ذات والا صفات فضائل و کمالات کا بھی منتہی ہے کہ تمام کمالات آپ پر ختم ہیں۔ کمالات نبوت میں کوئی آپ کا مثل اور ثانی نہیں۔

لفظ خاتم کی تشریح کو آگے بڑھاتے ہوئے مولانا نے عارف رومی کے اشعار بطور استشہاد پیش کیے ہیں اور رومی کی فکر کو شرح و بسط سے بیان کرنے کے بعد اس کا خلاصہ اور لب لباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خوب سمجھ لو کہ عارف رومی قدس سرہ السامی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر اعتبار سے خاتم ہیں۔ زمانہ نبوت کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور فضیلت کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں۔ اور آپ کا لقب خاتم النبیین فقط ختم زمانی اور تاخر زمانی میں منحصر نہیں بلکہ ختم زمانی کے ساتھ خاتمیت کمالات کو بھی شامل ہے جو آپ کی افضلیت اور اکملیت کی دلیل ہے چونکہ زمانہ کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا تمام امت کے نزدیک بلا کسی اختلاف کے مسلم تھا اس لیے عارفین کے طریقہ پر ختم نبوت کے ایک دوسرے معنی کی طرف اشارہ فرمایا جو غایت درجہ لطیف ہیں۔ مولانائے روم کے کلام سے یہ اخذ کر لینا کہ مولانا خاتمیت زمانی کے منکر ہیں اور بقاء نبوت کے قائل ہیں سراسر حماقت اور نادانی ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص پر حماقت یا چالاکی اور عیاری ختم ہو چکی ہے جو ایسی عجیب باتیں کرتا ہے۔ عارف رومی نے مثنوی میں خاتمیت کے دو معنی بیان کیے۔ ایک خاتمیت زمانیہ اور دوسرے خاتمیت بمعنی اکملیت و جامعیت کمالات نبوت۔ چونکہ پہلے معنی معروف اور مشہور اور مسلم تھے کہ اس کا انکار

Marfat.com

بلا شبہ کفر ہے اس لیے اس کی تفصیل نہیں فرمائی اور دوسرے معنی غیر مشہور تھے اس لیے دوسرے معنی کی زیادہ تفصیل فرمائی اور ختم نبوت کے ان دونوں معنوں میں منافات نہیں بلکہ تلازم ہے کہ خاتمیت بمعنی جامعیت کمالات کے لیے زماناً ختم نبوت لازم ہے کہ آپ کی نبوت اور شریعت اس درجہ کامل اور مکمل ہے کہ اس کے بعد قیامت تک کسی نبوت اور شریعت کی ضرورت نہیں آپ کی نبوت اور شریعت قیامت تک ہدایت کے لیے کافی ہے۔ معاذ اللہ مولانائے روم کا یہ مطلب نہیں کہ حضور پورنور خاتم زمانی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ خاتم مطلق ہیں زمانا بھی اور کمالاً بھی اور دونوں میں کوئی منافات نہیں بلکہ تلازم ہے۔ (۲۰)

مولانا روم کی اس فکر کو پیش کرنے کے بعد مولانا نے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کو مدلل انداز میں بیان فرمایا۔

ظلی و بروزی نبوت

ختم نبوت کی اس وضاحت وتشریح کے بعد مولانا نے مرزا غلام احمد قادیانی کے اس دعویٰ کا جائزہ بھی عقلی دلائل کی روشنی میں لیا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ختمی مرتبت ہونے سے کوئی انکار نہیں۔ آپ ہی خاتم الانبیاء ہیں البتہ آیت مبارکہ و آخرین منھم لما یلحقوبھم کی رو سے بروزی طور پر میں ہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ (۲۱)

خلاصہ کلام

مولانا نے مرزا کے اس دعویٰ کی مفصل اور مدلل تردید کی اور پھر خلاصہ کلام کے عنوان سے مولانا لکھتے ہیں:

> یہ کہ ظلیت اور انعکاس سے اتحاد اور عینیت کا ثابت کرنا سراسر غلط اور باطل ہے۔ ظلیت اور انعکاس سے صرف ایک قسم کی مشابہت اور مناسبت وہم رنگی ثابت ہو جاتی ہے سو اگر مرزا کا یہ خیال اور گمان (بشرطیکہ ثابت ہو جائے) کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا آئینہ اور نمونہ ہوں اور کمالات نبوت میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشبہ اور ہم رنگ ہوں تو مرزائے قادیان کی امت بتلائے کہ مرزائے قادیان کن کن کمالات علمیہ اور عملیہ میں سرور

Marfat.com

عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ اور نمونہ تھے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں فلاں شخص کا ظل اور بروز ہوں اور اس کا عکس اور مظہر اتم ہوں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ شخص صفات کمال میں اس کا ایک نمونہ ہے اور اخلاق و اعمال میں اس کا شبیہہ اور مثیل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ اس کا عکس اور اس کی تصویر ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اگر چہ ذات مختلف ہے مگر آئینہ میں جو عکس اور نقش نظر آرہا ہے وہ اصل کے ہم رنگ ہے اور بظاہر ہو بہو وہی معلوم ہوتا ہے لہٰذا جب مرزا قادیان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل اور بروز ہوں اور حضور پر نور کے کمالات کا مظہر اتم ہوں تو آخر بتائے بھی تو سہی کہ وہ کن صفات اور کمالات میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھا۔ مرزائے غلام حضور پر نور کے تو کیا مشابہ اور مماثل ہوتا وہ تو غلامان غلامان غلامان غلامان غلامان غلامان غلامان غلامان غلامان غلامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ بھی نہیں ہوسکتا۔

ہاں تیرہ سو برس میں جس قدر بھی مدعیان نبوت اور مسیحیت اور مہدویت اور دجال و کذاب گزرے ان سب کے وساوس اور دسائس کا ظل اور بروز تھا۔

آج اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں ہارون رشید کا یا سلطان صلاح الدین کا یا شاہ عالمگیر کا یا قائد اعظم کا ظل اور بروز ہوں اور ان کا مظہر اتم ہوں لہٰذا تم سب پر میری اطاعت واجب اور لازم ہے تو حکومت اس کو جیل خانہ یا پاگل خانہ بھیج دے گی اس قسم کی باتوں سے جب بادشاہت ثابت نہیں ہوسکتی تو نبوت و رسالت کہاں ثابت ہوسکتی ہے؟

ظاہر ہے کہ اگر آج کوئی سیاہ فام یا گلفام یہ دعویٰ کرنے لگے کہ میں یوسف علیہ السلام کا ظل اور بروز ہوں اور میں عزیز مصر ہوں تو شاید کوئی پرلے درجہ کا دیوانہ ہی اس دعویٰ کے قبول کرنے پر تیار ہو جائے۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو قادیان کے ایک دہقان کو تمام انبیاء و مرسلین کا ظل اور بروز اور ان کے کمالات اور صفات کا آئینہ اور مظہر اتم ماننے پر تیار ہو گئے ہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک
کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک

Marfat.com

خلاصۂ کلام

یہ کہ حدیث ((لا نبی بعدی)) میں مرزائیوں کی یہ تاویل کہ لا نبی بعدی کے معنی یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی مستقل نبی نہیں یہ تاویل بالکل مہمل ہے یہ تاویل تو ایسی ہے جیسے کوئی مدعی الوہیت لا الٰہ الا اللہ کے یہ معنی بیان کرنے لگے کہ خدا کے سوا کوئی مستقل معبود نہیں لیکن جو معبود خدا تعالیٰ کا ظل ہو یا اس کا بروز ہو یا اس کا عین ہو تو ایسا عقیدہ توحید کے منافی نہیں جیسا کہ مشرکین تلبیہ میں کہا کرتے تھے۔ لا شریک لہ الا شریکا لک تملک و ما ملک اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیری ہی ملک ہے یعنی بت وغیرہ وہ سب تیرے ہی ماتحت ہیں۔ یعنی جس طرح لا الہ الا اللہ کی تاویل مذکور کفر ہے اسی طرح لا نبی بعدی کی مرزائی تاویل بھی کفر ہے۔ مرزائیوں کی اس تاویل کے جواب میں کوئی مدعی الوہیت کہہ سکتا ہے کہ میری الوہیت خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے منافی نہیں اور تاویل یہ کرے کہ میں مستقل الوہیت کا مدعی نہیں بلکہ میں ظلی اور بروزی الوہیت کا مدعی ہوں تو کیا یہ تاویل اس مدعی الوہیت کو کفر سے بچا سکتی ہے ہرگز نہیں۔ اسی طرح مرزائے غلام کا یا اس کے کسی چیلہ کا یہ کہنا کہ مرزا مستقل نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ظلی اور بروزی نبوت کا مدعی ہے اس کو کفر سے نہیں بچا سکتا۔[۲۲]

غرض یہ کہ مولانا نے اہل اسلام و ایمان کی ایمانی اور فکری بنیادوں کی اور اللہ کی حدود کی جس طرح حفاظت کی ہے وہ انداز و اسلوب قابل داد بھی اور آج کے دور میں جبکہ ایمان وفکر اور عقیدہ و ایمان سخت ضعف ناتوانی کا شکار ہیں۔ ہر سو مذہبی تہذیب و شعارات کو ختم کرنے، رواداری اور برداشت کے خوبصورت نعرہ کے جلو میں مذہبی اقدار کی اہمیّت کم کرنے اور بازارِ علم سے خریدے گئے اذہان و افکار کی ذہن سازی نے جو ماحول پیدا کر دیا ہے۔ وہاں اس طرح کی متصلب فکر کا مطالعہ اور اس کا فہم ایمانی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان افکار کو سمجھنے اور ان کی بنیادوں پر اپنے ذہن وفکر کی تعمیر کرنے کی ہمت و توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

❁ ❁ ❁

Marfat.com

حوالے وحواشی

۱۔ صدیقی، محمد سعد، ملخص از علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی خدمات، مقالہ برائے پی ایچ ڈی

۲۔ احسان دانش، جہانِ دانش، ۸

۳۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے:

(الف) صدیقی، محمد میاں، تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مکتبہ عثمانیہ، لاہور

(ب) ظہیر الدین، مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی علمی خدمات

۴۔ محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، معارف القرآن، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ۴۹۶/۱

۵۔ حوالہ بالا

۶۔ آل عمران ۳:۱۵۹

۷۔ ابن جریر، جامع البیان؛ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم

۸۔ کاندھلوی، مولانا، معارف، ۲۰۴/۲-۲۰۷

9۔ ایضاً، ۲۱۱/۲-۲۱۸

۱۰۔ محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، عقائد اسلام، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ۱۶۹

۱۱۔ المائدہ، ۵:۱۱۷

۱۲۔ کاندھلوی، مولانا، عقائد، ۱۹۱

۱۳۔ النساء ۴:۱۵۷

۱۴۔ کاندھلوی، معارف، ۲۳۱/۲

۱۵۔ ایضاً، ۲۴۸-۲۵۸

۱۶۔ محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، احسن الحدیث فی ابطال التثلیث، مکتبہ عثمانیہ، لاہور

۱۷۔ ایضا، حیوۃِ عیسیٰ، مکتبہ صدیقیہ، ملتان، ۵

۱۸۔ ایضاً، ۱۴۲

۱۹۔ البقرۃ ۲:۷

۲۰۔ مولانا روم، بحر العلوم شرح مثنوی، دفتر ششم، ۱۴

۲۱۔ صدیقی، محمد سعد، مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تفسیر میں خدمات

۲۲۔ کاندھلوی، مولانا، معارف، ۵۱۵/۵-۵۲۷ تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے۔

Marfat.com

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور مطالعۂ مسیحیت

ڈاکٹر محمد عبداللہ *

قرآنِ حکیم میں اہل کتاب کے عقائد اور کتب کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اسی سبب سے علماء کرام نے اہل کتاب کی کتب اور صحائف کی طرف توجہ دی، بالخصوص یہود کے مقابلہ میں نصاریٰ (مسیحیت) کے عقائد و کتب کا مطالعہ مسلمانوں کی روایت رہی ہے اس لیے بھی کہ قرآن حکیم نے یہود کے مقابلہ میں نصاریٰ کو مسلمانوں کے زیادہ قریب گردانا ہے۔ (۱)

تاریخی لحاظ سے مسلمانوں اور نصاریٰ کے درمیان تعلقات میں اتار چڑھاؤ رہا ہے۔ تاہم علم و مطالعہ کی روایت بھی ان ہی تعلقات کے زیر اثر رہی۔

مسلمانوں میں مطالعہ مسیحیت کے دو، رجحانات کا پتا چلتا ہے۔ اول مطالعہ مسیحیت کا خالص علمی و تحقیقی رجحان کہ مسلمانوں نے محض اپنے ذوق اور علمی تسکین کے لیے مسیحی عقائد اور کتب مسیحیت کے مطالعات پیش کیے۔ دوسرا رجحان ردعمل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ مطالعہ مسیحیت کے اس رجحان میں ناقدانہ اُسلوب کے ساتھ ساتھ شدت کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

برعظیم میں بھی مطالعہ مسیحیت کے دونوں رجحانات ملتے ہیں لیکن انیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں انگریزوں کی عمل داری اور اس کے نتیجے میں باہر سے آنے والے مسیحی منادوں اور ان کی تحریروں نے اس خطہ میں ایک مناظرانہ ماحول پیدا کیا۔ متعدد مشنریوں نے اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور قرآنِ حکیم کو براہ راست اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان حالات میں علماء برعظیم نے نہ صرف ان کی تنقیدات کا مدلل جواب دیا بلکہ مسیحی عقائد و خیالات اور کتب و صحائف کا بھی گہری نظر سے مطالعہ کیا اور باوجود فرنگی

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور

Marfat.com

اقتدار اور فتح مندی کے انھیں علمی میدان میں اپنے دفاع پر مجبور کر دیا۔ برصغیر میں مطالعہ مسیحیت کے مذکورہ نہج پر متعدد اہل علم جیسے سرسید احمد خان، سید آل حسن موہانی، مولانا عنایت رسول چریا کوٹی، سید ابو المنصور دہلوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، محمد علی مونگیری اور مولانا عبدالحق حقانی نے قلم اٹھایا، مگر اس باب میں جو مقام اور انفرادیت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو حاصل ہے وہ دوسروں کے حصے میں بہت ہی کم آئی۔

زیر نظر مقالہ کو ان عنوانات کے تحت پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے حالاتِ زندگی

۲۔ مطالعۂ مسیحیت میں تصنیفات و تالیفات

۳۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور فن مناظرہ

۴۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا منہج، مطالعہ اور اس کے اثرات

۱۔ حالاتِ زندگی

(۱) مولانا رحمت اللہ کیرانوی، (۲) عثمانی (۳) الہندی کا خاندان (۴) برصغیر کا ایک نامور اور ممتاز خاندان ہے جس میں کئی نامور مشائخ و اولیاء، علماء اور اطباء گزرے ہیں۔ (۵)

مولانا رحمت اللہ بن خلیل اللہ المعروف خلیل الرحمٰن جمادی الاول ۱۲۳۳ھ بمطابق مارچ ۱۸۱۸ء کو محلہ دربار کلاں کیرانہ میں پیدا ہوئے۔ بارہ برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ ابتدائی تعلیم کیرانہ ہی میں حاصل کی اور مزید تعلیم کے لیے شاہ جہاں آباد (دہلی) آ گئے۔ یہاں مدرسہ مولوی محمد حیات میں پڑھا۔ کچھ عرصہ بعد لکھنؤ چلے گئے جہاں مفتی سعد اللہ مراد آبادی سے مسلم الثبوت پڑھی۔ دورۂ حدیث شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل کیا۔ دیگر اساتذہ کرام میں مولانا امام بخش صہبائی، مولانا عبدالرحمٰن چشتی اور حکیم فیض محمد شامل تھے۔ (۶)

ہندوستان کے پر آشوب حالات کے پیش نظر درس و تدریس کا بہت کم موقع ملا تاہم جن اہل علم نے مولانا کیرانوی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ان میں مولانا عبدالسمیع رام پوری، مولانا نور احمد امرتسری، مولانا شرف الحق دہلوی، مولانا شاہ ابوالخیر اور عبدالوہاب ویلوری شامل ہیں۔ (۷)

ہندوستان میں مولانا کیرانوی کی توجہ درس و تدریس سے زیادہ مطالعۂ مسیحیت کی طرف رہی۔ اس ضمن میں متعدد کتب تالیف کیں اور معرکۃ الآراء مناظرے کیے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کیرانہ

Marfat.com

کے محاذ پر مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ جنگ آزادی میں چونکہ مسلمان پیش پیش تھے چنانچہ اس سارے ہنگامہ کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھہرایا گیا۔ علماء زیر عتاب آئے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی جائیداد بھی ضبط ہوئی اور وارنٹ گرفتاری بھی جاری ہوئے۔ (۸)

دیگر علماء کی طرح مولانا رحمت اللہ کیرانوی بھی مکہ معظمہ ہجرت کر کے چلے گئے۔ جہاں پر آپ نے مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی جس سے نہ صرف سرزمین حرم میں علم کی شمع فروزاں ہوئی بلکہ بیرون حرم سے بھی لوگ فیض یاب ہوئے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عثمانیہ دور کے دار السلطنت (قسطنطنیہ) کے تین اسفار کیے۔ اور بابِ خلافت سے اعزاز و اکرام سے نوازے گئے۔ (۹) مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب اظہار الحق (ترکی) استنبول ہی میں تصنیف کی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۳ رمضان ۱۳۰۸ھ بمطابق اپریل ۱۸۸۱ء کو ہوئی اور جنت المعلیٰ (مکہ مکرمہ) میں مدفون ہوئے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۸۹۶ء)، مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۹۰۵ء)، سید محمد علی مونگیری (۱۹۲۷ء)، سید ال حسن موہانی (م ۱۹۳۷ء)، پیر مہر علی شاہ (۱۸۹۷ء)، سید جمال الدین افغانی (۱۸۷۳ء)، ڈاکٹر وزیر خان (۱۸۷۳ء) اور سید احمد زینی دحلان (۱۸۸۶ء) شامل ہیں۔ (۱۰)

۲۔ مطالعۂ مسیحیت میں تصنیفات و تالیفات

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس دور میں آنکھ کھولی، ہندوستان میں انگریزوں کا اقتدار زور پکڑ رہا تھا۔ مسیحی منادوں کو ایک طرف حکومتِ وقت کی سرپرستی حاصل تھی تو دوسری طرف مغربی ممالک کی چرچ سوسائٹیز کی بھی پوری اخلاقی و مالی معاونت حاصل تھی۔ سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

> یورپ کی مسیحی مشنریاں پوری آزادی کے ساتھ حکومتِ وقت کی سرپرستی اور کفالت میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں اپنے جال بچھائے ہوئے تھیں، ہزاروں کی تعداد میں عیسائی مبلغین ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ سیکڑوں ناخواندہ اور نیم تعلیم یافتہ افراد اقبال مند فاتح قوم کا مذہب اختیار کر رہے تھے۔ (۱۱)

Marfat.com

چنانچہ دیسی و بدیسی پادری اپنی کتابوں میں علی الاعلان اسلام اور پیغمبر اسلام اور قرآن حکیم کو نشانہ بنا رہے تھے۔ ایسے میں ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب کا پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ ایسے میں جن علماء کرام نے دفاع اسلام کا فریضہ پوری طرح سرانجام دیا ان میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی پیش پیش تھے۔ مولانا خود رقم طراز ہیں:

جب میں نے ان (پادریوں) کی تقریروں اور تحریروں کو دیکھا اور بہت سے مطبوعہ رسائل میرے پاس پہنچے تو میں نے چاہا اپنی حیثیت کے مطابق ان کی تردید کرنے کی کوشش کروں، لہٰذا میں نے چند کتابیں اور چند رسالے حقیقت حال کے لیے لکھے۔ (۱۲)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی ایک دو کتابوں (۱۳) کو چھوڑ کر بیشتر کتابوں کا موضوع مطالعہ مسیحیت اور بائبل کا ناقدانہ جائزہ ہے۔ ذیل میں آپ کی کتابوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

۲.۱ ازالۃ الاوہام

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی پہلی باضابطہ تالیف ہے۔ جو ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں طبع ہوئی۔ مولانا نے اسے ابتداء اردو میں لکھا تھا لیکن بعد میں فارسی زبان میں تحریر کیا۔ کتاب کے حاشیہ میں سید آل حسن موہانی کی مطالعہ مسیحیت پر مشہور تالیف ''استفسار'' تحریر ہے۔ (۱۴)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے پس منظر پر روشنی ڈالی ہے اور ان حالات کا تجزیہ کیا ہے جس میں ان کی توجہ مطالعہ مسیحیت کی طرف ہوئی۔ چنانچہ کتاب کے مقدمہ سے پتا چلتا ہے کہ مذکورہ کتاب شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر لکھی گئی۔ کتاب طبع ہونے سے قبل ہی دہلی میں اس کی کافی شہرت ہوگئی بلکہ مسیحی حلقوں کی طرف سے کتاب کا جواب لکھنے کی تیاریاں بھی ہونے لگیں۔ تاہم مولانا نے طباعت سے قبل کتاب کا مسودہ مولانا نور الحسن کاندھلوی (م ۱۸۶۸ء) کو دکھایا تا کہ کسی طرح کا علمی سقم نہ رہ جائے۔

ازالۃ الاوہام میں جس موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور معجزات پر مسیحی معترضین کا جواب ہے جس کا پوری شرح وبسط کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں زیادہ تر استدلال بائبل ہی سے پیش کیا گیا ہے۔ تاہم استدلال کی جو وسعت اور فرنگی زبان سے اعتناء بعد کی کتب میں نظر آتا ہے، وہ اس میں نہیں ہے۔ کتاب ایک بار شائع ہونے کے بعد دوبارہ شائع نہیں ہوئی۔

Marfat.com

۲.۲۔اعجاز عیسوی

مذکورہ کتاب کا موضوع تحریفات بائبل ہے۔اسی مناسبت سے سرورق پر یہ آیت درج ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا (۱۵)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کو ایک مقدمہ اور تین مقاصد میں تقسیم کیا ہے، لکھتے ہیں:

اس کتاب (اعجازِ عیسوی) کو ہم نے ایک مقدمہ اور تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر منقسم کیا ہے اور اس کا نام اعجازِ عیسوی رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو با مسمّی بنائے اور اس کے مؤلف کا خاتمہ بخیر کرے اور اس تصنیف کا آغاز واختتام ۱۲۷۰ھ میں ہوا۔(۱۶)

مقدمہ کتاب میں تمہیدی طور پر دو باتوں کی نشاندہی کی ہے۔اول تالیفِ کتاب کا سبب دوسرے کتاب کے مآخذ، کتاب کے پس منظر میں لکھتے ہیں:

اگر پادری صاحب (فرقہ پروٹسٹنٹ) کے صرف کتابوں اور ان کے ترجموں کے بانٹنے اور سنانے پر ہی اکتفاء کرتے تو مسلمانوں کو ان سے کوئی تعرض نہ ہوتا لیکن جب انھوں نے ملتِ اسلامیہ کے بنیادی مآخذ قرآن حکیم کو اپنا نشانہ بنایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس پر اعتراضات کی بھرمار کی اور پھر یہ دعویٰ بھی کیا کہ اگر کوئی مسلمان ان اعتراضات کا جواب دینا چاہے تو دے۔نیز ان (مسیحیوں) کے چند بڑے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ تحریف (بائبل) کا ہے۔باقی اس کی ذیل میں ہیں تو مناسب سمجھا کہ اس باب میں ایک مستقل رسالہ لکھ دیا جائے تاکہ عہد نامہ قدیم وجدید کی صحیح کیفیت بیان کی جائے اور مسلمانوں کا موقف بیان کیا جائے۔(۱۷)

کتاب کے موضوع تحریف کے حدود کار کا تعیّن کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ کتب عتیق وجدید میں تحریف معنوی اور لفظی دونوں ظہور میں آئی ہیں لیکن تحریف معنوی پر سرے سے نزع ہی نہیں ہے اور دونوں (مسلمان اور عیسائی) اس کے وقوع پذیر ہونے پر متفق ہیں البتہ تحریف لفظی پر اس کتاب میں بحث کی جائے گی۔(۱۸)

Marfat.com

مولانا کیرانوی نے عہد نامہ عتیق و جدید کی فہرست دی ہے۔ نیز اس امر کی بھی صراحت کی ہے کہ کن کتابوں پر متقدمین و متاخرین کا اتفاق و اختلاف ہے۔ بعدازاں مؤلف نے عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید میں الگ الگ لفظی تحریف کے شواہد کثرت سے پیش کیے ہیں۔ اس ضمن میں بائبل کے عربی، فارسی اور انگریزی کے نسخوں سے عبارات پیش کی ہیں اور ثابت کیا ہے۔ بائبل کی عبارات میں اس قدر تناقض ہے کہ جس میں تطبیق دینا بھی ناممکن ہے۔ کتاب کے دوسرے حصے میں پادری فانڈر کے قرآن حکیم کی جمع و تدوین پر اعتراضات کا جواب دیا ہے۔

اعجازِ عیسوی کے بارے میں ہندوستان کے معروف مصنف اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگار امداد صابری لکھتے ہیں:

> اعجازِ عیسوی میں تحریف عہد عتیق و جدید کے ہر پہلو اور ہر زاویے سے معقول، مدلل اور لاجواب بحث مولانا کیرانوی نے فرمائی ہے اور تمام ثبوت عیسائیوں کی مقدس اور تاریخی کتابوں سے دیے ہیں۔ (۱۹)

مولانا محمد تقی عثمانی جنھوں نے اعجاز عیسوی کی تسہیل کی اور جدید اردو قالب میں ڈھالا، کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اعجازِ عیسوی میں بائبل کی تحریف کے موضوع پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اگرچہ تحریف بائبل کا باب اظہار الحق میں بھی موجود ہے اور اس موضوع پر انھوں نے اپنی بعض دوسری کتابوں میں بھی مفصل بحثیں کی ہیں، لیکن اعجاز عیسوی صرف اسی بحث کے لیے مخصوص ہے اور اس میں انھوں نے تحریف بائبل پر سب سے زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے، اور اسی لحاظ سے اس کتاب کی کوئی نظیر عربی، فارسی یا اردو میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ انگریزی زبان کی کسی کتاب میں بھی اتنے استقصاء کے ساتھ بائبل کے تضادات، غلطیوں اور تحریفات کا بیان میری نظر سے نہیں گزرا۔ (۲۰)

۲.۳۔ ازالۃ الشکوک:

مذکورہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب مسیحیوں کی طرف سے اٹھائے گئے ۲۹ سوالوں کے جوابات پر مبنی ہے۔ مولانا کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ کتاب کا مسودہ اعجاز عیسوی

Marfat.com

سے بھی پہلے تیار ہو گیا تھا۔ تاہم اس کی طباعت اعجاز عیسوی بلکہ مناظرۂ اکبر آباد (۱۸۵۴ء) کے بعد عمل میں آئی کیونکہ اعجازِ عیسوی اور مناظرہ کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے۔[۲۱]

کتاب کی تالیف کا محرک مرزا محمد فخر الدین (ولی عہد) کو بتایا گیا ہے کیونکہ مسیحیوں نے سوالات مرزا فخر الدین کی خدمت ہی میں بھیجے تھے اور انھی کے حکم سے مولانا کیرانوی نے ان سوالات کے جوابات تحریر کیے۔

ازالۃ الشکوک کی پہلی جلد میں ۱۲ سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں جبکہ دوسری جلد میں ۱۷ سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ مذکورہ سوالات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور معجزات، حفاظت و جمع و تدوین قرآن، تحریف بائبل اور نسخ قرآن سے متعلّق ہیں۔

مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت مدلل انداز سے سوالات کے جوابات دیے ہیں۔ کتاب کے اُسلوب سے مولانا کیرانوی کے مطالعہ کی وسعت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۲.۴۔ اظہار الحق:

ردّ مسیحیت اور مطالعہ بائبل پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری اور معرکۃ الآراء کتاب اظہار الحق ہے جو ایک طویل مقدمہ اور چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اظہار الحق کے مباحث میں میزان الحق کا تذکرہ جا بجا ملتا ہے نیز مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیشتر تالیفات میں بھی میزان الحق کا تذکرہ موجود ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میزان الحق کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے۔

میزان الحق کا تعارف

انیسویں صدی عیسوی کے نصف سے قبل پادری سی۔ جی۔ فانڈر کی کتاب میزان الحق کا خوب شہرہ تھا۔ قسیس اعظم سی۔ جی۔ فانڈر (Rev. C.G. Pfander)[۲۲] نے کئی تصنیفات مثلاً مفتاح الاسرار، حل الاشکال اور طریق الحیاۃ قلم بند کیں مگر اس کی تصنیفات میں جو شہرت میزان الحق کو حاصل ہے وہ کسی اور کتاب کو نہیں مل سکی۔ مذکورہ کتاب متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوئی۔ کتاب کا عربی، فارسی اور اردو میں نام میزان الحق اور انگریزی میں *The Balance of the Truth* ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مصنف نے حق و صداقت کی شناخت و امتیاز کے لیے چھ اصول وضع

Marfat.com

کیے ہیں۔ جن کو محکِ امتحان یا معیارات کا نام دے کر بطورِ میزان (Balance) کے پیش کیا ہے جن پر مصنف کے مطابق حقیقی اور سچے الہام کو پہچانا اور ناپا جا سکتا ہے۔ وہ معیارات یہ ہیں:

۱۔ ازلی نیک بختی کے حصول کے متعلق انسانی آرزوؤں کو پورا کرے۔

۲۔ ضمیر کی آواز کے موافق و مطابق ہونا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو عادل، پاک، جزا و سزا کا مالک جیسی صفات سے متصف مانے۔

۴۔ عقل و فطرت کے مطابق ہو۔

۵۔ راہِ نجات کی جانب ہدایت کرے اور اس میں اختلاف معنوی نہ ہو۔

۶۔ ایک ایسی ہستی کی نشاندہی کرے جو کامل انسانیت اور الوہیت کا مجموعہ ہو اور لوگ پہچان سکیں۔

چنانچہ مصنف کے خیال میں ان معیارات اور میزان پر دین اسلام اور دین عیسوی کو پرکھا جا سکتا ہے۔ (۲۳)

کتاب ایک مقدمہ اور تین ابواب پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

پہلا حصّہ: عہد عتیق و انجیل کلام اللہ ہیں اور منحرف و منسوخ نہیں۔ (۲۴)

دوسرا حصّہ: مروجہ عہدِ عتیق و جدید وہی ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھیں اور جس کی شہادت قرآن نے دی ہے۔ (۲۵)

تیسرا حصّہ: اسلام کے آخری الہام ہونے کی تحقیق نیز قرآن کلام اللہ اور حضرت محمد خاتم النبیین رسول اللہ ہیں یا نہیں۔ (۲۶)

کتاب کے دیباچہ میں پادری فانڈر نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ تلاش و تحقیق کے حق میں ہر طرح کی مخالفت اور سخت کلامی سے گریز کرنا چاہیے تاہم تعجب ہوتا ہے کہ مصنف اپنے بتائے ہوئے اصول کی پابندی نہ کر سکے اور مقابل فریق کو جاہل و ناواقف جیسے خطابات سے نوازا ہے۔ (۲۷)

پادری فانڈر نے میزان الحق کے مختلف طبعات (Editions) میں ترمیم و تحریف کا سلسلہ آخر تک جاری رکھا، مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۰ء کے نسخوں میں ترمیم و تحریف کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک مستقل رسالہ معدل اعوجاج المیزان لکھا اور یہ سلسلہ مصنف کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔

Marfat.com

میزان الحق کا جواب متعدد علماء نے دیا ہے۔ سب سے پہلے سید آل حسن موہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف استفسار میں دیا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۸۸۱ء) نے ازالۃ الاوہام، اعجاز عیسوی اور ازالۃ الشکوک میں بعض مباحث کا جواب دیا۔ سید ابوالمنصور دہلوی (م:۱۹۰۳ء) نے میزانُ المیزان کے عنوان سے کتاب لکھی۔ صرف ہندوستان ہی پر کیا موقوف، بیرون ہندوستان بھی اس کے مندرجات کو زیر بحث لایا گیا۔ مصر میں عبدالرحمٰن الجزیری نے ادلۃ الیقین میں ترکی میں نجف علی تبریزی نے جواب دیا۔ تاہم رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مناظرہ اکبرآباد (۱۸۵۴ء) میں دوبدو گفتگو میں پادری فانڈر کو گھر بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ رہی سہی کسر اظہار الحق نے پوری کر دی اور تفصیلاً جواب دے کر میزان الحق کا اعتبار علمی دنیا میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اظہار الحق ۱۸۶۳ء میں ترکی کے دارالحکومت قسطنطنیہ (استنبول) میں چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں عربی زبان میں تالیف کی۔ کتاب ایک طویل مقدمہ اور چھ ابواب پر مشتمل ہے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ میں ہندوستان کے مناظراتی ماحول کا تذکرہ کرتے ہوئے کتاب کے سبب تالیف پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ جب ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظّمہ اور وہاں سے سلطان عبدالعزیز خاں کے حکم سے ترکی پہنچے تو سلطان اور صدرِ اعظم کی خواہش ہوئی کہ مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ عربی زبان میں ایک کتاب تالیف فرمائیں جن میں ان پانچوں مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہو جو مناظرۂ اکبرآباد میں موضوع بحث بنے تھے۔ تاہم مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان کی خواہش کے ساتھ ساتھ کتاب کا اولین محرک شیخ العلماء سید احمد دحلان (م:۱۸۸۶ء) کو قرار دیا ہے۔ جنھوں نے حرم شریف میں ہی مولانا کی توجہ کتاب کی جانب مبذول کروائی۔ تاہم یہ بھی ایک دلچسپ امر ہے کہ مولانا نے کتاب تالیف کرنے کے بعد اظہار الحق کا نام تجویز کیا۔ (۲۸)

کتاب کے مندرجات کچھ اس طرح سے ہیں:

مقدمۂ کتاب میں مولانا کیرانوی نے کتاب کے مآخذ کا ذکر کیا ہے۔ بالخصوص انگریزی کتب میں بائبل کی تفسیرات (Commentaries) شامل ہیں۔ بعد ازاں پادری فانڈر کی تحریرات کا تجزیہ کرتے ہوئے مسیحیوں کے عمومی مزاج پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

Marfat.com

کتاب کے پہلے باب میں عہد نامہ قدیم وجدید (Old & New Testaments) کی کتب کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور اس باب کو مزید چار فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں عہد قدیم و جدید کی کتب کے نام اور تعداد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسری فصل میں بتایا گیا ہے کہ عہد قدیم وجدید کی سند اہل کتاب کے پاس نہیں ہے۔ تیسری فصل میں بتایا گیا ہے کہ بائبل میں اغلاط کی بھر مار ہے۔ چوتھی فصل میں مولانا نے بتایا کہ اہل کتاب کا یہ دعویٰ کہ بائبل الہامی ہے، محال ہے۔

دوسرا باب بائبل کی تحریفات پر مبنی ہے۔ اس باب میں مولانا نے تین فصول قائم کی ہیں۔ پہلی فصل میں تحریف لفظی کا ثبوت الفاظ کی تبدیلی کی شکل میں، دوسری فصل میں تحریف، الفاظ کی زیادتی کی صورت میں، تیسری فصل میں تحریف الفاظ کے حذف کی شکل میں واضح کی گئی ہے۔

تیسرا باب بائبل میں نسخ کے اثبات پر مبنی ہے۔ اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ قسم اول میں مختلف شرائع میں نسخ کا ثبوت، قسم دوم میں ایک ہی شریعت میں نسخ کا ثبوت۔

چوتھا باب تثلیث کے ابطال پر ہے۔ اس میں تین فصول ہیں۔ پہلی فصل تثلیث عقل کی کسوٹی پر ہے۔ دوسری فصل میں تثلیث اقوال مسیح کی روشنی میں، تیسری فصل تثلیث کا عقیدہ کسی بھی انجیل سے ثابت نہیں ہوتا۔

پانچواں باب قرآن کی حقانیت پر ہے۔ اس باب میں چار فصول باندھی گئی ہیں۔

پہلی فصل میں ان امور کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں جو قرآنِ حکیم کے کلام الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ دوسری فصل میں قرآن حکیم پر پادریوں کے اعتراضات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں احادیث کی صحت ثابت کی گئی ہے۔ چوتھی فصل میں احادیث پر مسیحیوں کے اعتراضات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

چھٹا باب نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات پر ہے۔ اس میں دو فصول قائم کی گئی ہیں۔ پہلی فصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بحث کی گئی ہے۔ جبکہ دوسری فصل میں نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر مسیحیوں کے اعتراضات کا رد پیش کیا گیا ہے۔

۲.۵۔ اظہار الحق کی نمایاں خصوصیات:

اظہار الحق مطالعہ بائبل ومسیحیت پر بنیادی کتاب ہے اور سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح

Marfat.com

کے بعد جس مسلمان عالم نے بائبل کو مسیحیوں کی اپنی کتب کی روشنی میں دیکھا [تشریحات Commentries] اور بائبل کی تحریفات اور تضاد بیانی کو طشت از بام کیا۔ (۲۹)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

اس کتاب کو ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس کی تالیف کے زمانہ میں عیسائی لٹریچر اسلامی زبانوں (اردو، عربی، فارسی، ترکی) میں بہت کم تھا اور جو بھی تھا وہ زیادہ تر عیسائی مشنریوں کی غرض مندانہ تحریروں پر مشتمل تھا اور مسلمانوں میں مسیحیت کی تبلیغ و ترویج کے لیے تالیف ہوا تھا۔ عیسائی اہل علم کی اندرونی تحقیق و تفتیش فرنگی زبانوں میں تو تھی لیکن اسلامی زبانوں میں اس کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ فرنگی زبانوں سے مسلمان کم ہی واقف تھے۔ مسلمان علماء اس سے بھی کم تر۔ اس کے باوجود مولانا رحمت اللہ نے جو کتاب استنبول (ترکی) میں بیٹھے بیٹھے لکھ ڈالی اس سے بہتر تو کیا اس کے برابر بھی اب چودہ صدی ہجری کے اواخر (۳۰) کے فاضل سے فاضل مسلمان اہل علم و قلم لکھنے کے اپنے آپ کو ناقابل پاتے ہیں۔ اس سے بڑی اور کیا کرامت ہوگی۔ (۳۱)

اگرچہ اظہار الحق میں الزامی، عقلی اور تحقیقی تینوں طرح کے اسالیب اختیار کیے گئے ہیں تاہم اس کے امتیازی پہلو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ مدافعانہ کی بجائے جارحانہ اُسلوب

اظہار الحق میں مؤلف نے دفاعی سے زیادہ الزامی اُسلوب اختیار کیا ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مؤلف نے دفاعی مؤقف کی بجائے حملہ آور ہونے کا مؤقف اختیار کیا ہے اور یہ مؤقف بہت ہی کارآمد ہوتا ہے کہ حریف کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دیا جائے اور اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ ملزم کے کٹہرے میں کھڑا ہو اور اپنی صفائی پیش کرے۔ پہلے علماء نے اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا اور تورات و انجیل اور قرآن کو ہم پلہ سمجھ کر گفتگو کرتے تھے اس طرح ان قدیم صحیفوں کو وہ اہمیت حاصل ہو جاتی تھی جس کے وہ حقیقتاً مستحق نہ تھے۔ حالانکہ خود حاملین تورات و انجیل یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن کی طرح بغیر کسی تغیر و تبدل کے آسمانی صحیفوں کا امتیاز ان میں پایا جاتا ہے۔ (۳۲)

Marfat.com

۲۔ احترامِ فریق

اظہار الحق اور دیگر کتب مناظرانہ اسلوب میں لکھی گئی ہیں۔ تاہم آپ نے فریق مخالف کا پورا احترام کیا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول:

مؤلف نے ہر جگہ اپنے قلم کو معین مخالف کے متعلق سب وشتم سے پاک رکھا ہے۔ چاہے اس معین عیسائی مؤلف نے کتنی ہی گندہ ذہنی کیوں نہ کی ہو (اگرچہ غیر معینی طور پر مولانا مرحوم نے مشنریوں کی بددیانتی کا ذکر کیا لیکن معین شخص کے متعلق کبھی نہیں کہا ہے۔) ایک جگہ خود لکھتے ہیں چونکہ اس قسم کے الفاظ ناشائستہ ہیں اس لیے میں ان کے حق میں کبھی استعمال نہیں کروں گا۔ (۴۳)

۳۔ شواہد و دلائل کی کثرت

مؤلف اظہار الحق کے مطالعہ اور وسعت کا اندازہ کتاب کے سرسری مطالعہ سے ہو سکتا ہے جب بھی کسی مسئلہ پر شواہد دلائل دیتے ہیں تو اس کثرت سے دیتے ہیں کہ مخالف کو انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بقول مولانا نور محمد:

مولانا نے ہر ایک مسئلہ کی دلیل اور ہر سوال کا جواب اس بسط اور تفصیل سے لکھا ہے کہ کہیں بیس بیس، چالیس چالیس، دلیلیں اور حوالے دے کر بھی بس نہیں کی اور اچھی طرح دروغ گو کو اس کے گھر تک پہنچا دیا ہے۔ (۴۴)

۴۔ واضح اور سادہ اُسلوب

اظہار الحق میں مؤلف نے واضح، سادہ اور عام فہم اُسلوب اختیار کیا ہے۔ اس ضمن میں سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

مولانا کیرانوی نے زیادہ جزئیات سے بحث نہیں کی کیونکہ اس میں بحث ومباحثہ اور چوں چراں کی گنجائش رہتی ہے۔ مولانا نے صاف نظر آنے والی اور آسانی سے سمجھ میں آنے والی باتیں ذکر کی ہیں۔ جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ مثلاً انھوں نے بائبل میں ایک دوسرے کی متضاد باتوں کو نکال دکھایا ہے کہ کوئی الہامی کتاب جس میں تحریف نہ ہوئی ہو اس طرح کی متضاد باتوں کا مجموعہ نہیں ہو سکتی۔ اس طرح کی ایک سو آٹھ غلطیوں کو انھوں نے دکھایا ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں

Marfat.com

جس طرح ریاضی کے فارمولے ہوتے ہیں، دو اور دو چار کی طرح جس کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔ دوسرے کھلی ہوئی تحریف کے نمونے ہیں جہاں الفاظ کے اضافے ہیں، کہیں کمی ہے، کہیں تشریحی جملے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب ایک آسمانی صحیفے کا درجہ حاصل ہی نہیں کر سکتی۔ (۳۵)

الغرض مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اظہار الحق میں مختلف زبانوں سے خوب استفادہ کیا ہے۔ انگریزی زبان کے لیے ان کی معاونت ڈاکٹر وزیر خان نے کی، اسی طرح بائبل کے مختلف نسخوں مثلاً یونانی، عبرانی، سامری کے حوالے بھی جا بجا دیے ہیں۔ تاہم ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اظہار الحق کے بعض پہلوؤں پر نقد بھی کیا ہے۔ (۳۶)

اظہار الحق کی قبولیت

انھی خصوصیات کی بنا پر اظہار الحق کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ سب سے پہلے ترکی زبان میں اظہار الحق کا ترجمہ ہوا۔ بعد ازاں گجراتی میں ترجمہ ہوا۔ فرانسیسی زبان میں *Ou Manifestation De La Verite* کے نام سے ہوا۔ اسی طرح انگریزی میں *(Truth Revealed)* کے نام سے اور اردو میں بائبل سے قرآن تک کے نام سے ترجمہ ہوا۔ مصر اور دیگر عرب ممالک میں متعدد مرتبہ اشاعت ہوئی اور متعدد اہل علم نے اظہار الحق کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ اس پر حواشی وتعلیقات بھی لکھے گئے۔ (۳۷)

اگرچہ انگریزی ترجمہ پر لندن ٹائمز کا یہ تبصرہ تو زبان زدعام ہے کہ ”لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی۔“ (۳۸)

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

> راقم الحروف نے عیسائیت کے موضوع پر علامہ ابن حزم، علامہ عبدالکریم شہرستانی، علامہ ابن القیم جوزی کی تصانیف پڑھی ہیں۔ امام رازی اور علامہ قرطبی کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے لیکن اظہار الحق کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ مصرعہ آتا ہے کہ ”کم ترک الاول للآخر“ (۳۹)

Marfat.com

۳۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور فنِ مناظرہ

قرآنِ حکیم نے جہاں دعوتِ اسلام کے مختلف اصولوں کا ذکر کیا ہے، انھی میں سے ایک اصول وجادلھم بالتی ھی احسن [۴۰] کا ہے کہ اگر فریق مخالف سے نوبت گفتگو اور کلام کی آئے تو اس میں تہذیب اور شائستگی کو مد نظر رکھا جائے۔ مناظر وہ شخص ہے جو تحریر و تقریر کے ذریعے بالمشافہ مناظرہ کے اصولوں کی رعایت و حفاظت کرتا ہے۔

بلا شبہ برصغیر میں انیسوی صدی عیسوی کا آغاز ہی مناظرانہ رنگ سے ہوا۔ اس کا اولین محرک مسیحی منّاد بنے جنھوں نے ملک کے طول و عریض میں مسیحی تبلیغ و اشاعت کا ایک جال بچھا دیا۔ بائبل کے تراجم مختلف زبانوں میں کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ چھاپہ خانہ کی آمد سے اس میں غیر معمولی تیزی آ گئی۔ حکومتی سرپرستی میں بیرون ممالک سے آنے والے پادریوں نے مسیحیت کی ترویج کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کیے بلکہ اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن حکیم کے بارے میں شدید معاندانہ اندازِ فکر اختیار کیا۔

اسی عرصہ میں مختلف ممالک سے متعدد پادری و منّاد (Missioneries) یہاں آئے۔ ان سب میں جس کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ قسیس اعظم سی۔ جی۔ فانڈر تھے ان کے بارے میں سر ویلیم میور نے لکھا ہے ''اپنے عہد میں اہل اسلام سے مناظرہ کرنے والوں میں لائق ترین انسان تھا۔'' [۴۱]

۱۸۴۱ء میں وہ ہندوستان میں آیا اور آگرہ میں محلّہ عبدالمسیح میں سکونت اختیار کیا۔ یہاں آنے سے قبل ہی اس نے اپنی تالیف ''میزان الحق'' انگریزی و فارسی میں تحریر کرا لی تھی۔ ہندوستان میں آ کر اس کا اردو ترجمہ بھی کرا لیا۔ مذکورہ کتاب ہی برصغیر میں مسیحی مسلم مناظرہ کا نقطہ آغاز تھا۔

این۔ این۔ پاوَل (A.A. Powell) کے خیال میں:

> The Mizanul Haq was the book on Christianity which the missionaries and the Indian Ulama..... as the starting point of the controversy between them. [۴۲]

چنانچہ پادری فانڈر کے متعدد مسلمان علماء سے تحریری و تقریری مناظروں کا پتا چلتا ہے ان میں سید آل حسن، سید رحمت علی، مفتی نور اللہ گوپالوی، محمد کاظم علی، سید علی حسین، ڈاکٹر وزیر خان اور مولانا

Marfat.com

رحمت اللہ کیرانوی شامل ہیں۔صرف یہی نہیں بلکہ بعدازاں ان کی پیروی میں دیگر علماء نے اسی اسلوب پر دفاع اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔مولانا امداد صابری لکھتے ہیں:

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ان کے پیروکاروں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا شرف الحق صدیقی، مولانا ابوالمنصور دہلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہ حضرات کی جدوجہد اور ان کے قلم و زبان نے عیسائی مشنریوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ (۴۳)

ذیل میں دیگر علماء کی مناظرانہ دلچسپیوں سے قطع نظر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی مناظراتی خدمات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پادری فانڈر اور ان کے ہم نواؤں سے دو مناظرے کیے۔ پہلے مناظرہ کو چھوٹا مناظرہ (المناظرۃ الصغریٰ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔جبکہ دوسرے مناظرے کو تاریخی یا بڑا مناظرہ (المناظرۃ الکبریٰ) کے نام سے یاد رکھا جاتا ہے۔ (۴۴)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی پہلی کتاب ازالۃ الاوہام کی اشاعت کے لیے دہلی پہنچے تو یہاں آپ کی ملاقات ڈاکٹر وزیر خان (۴۵) سے ہوئی۔انھوں نے آپ کو آگرہ آنے کی دعوت دی جہاں وہ مقیم تھے۔

آپ کی شہرت ایک مصنف کی حیثیت سے ہو چکی تھی۔ چنانچہ جب آپ شہر میں آئے تو بعض رؤسا اور وکلاء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پادری فانڈر سے دوبارہ ملاقات اور مناظرہ کی درخواست کی۔دوسری طرف پادری فانڈر نے شہر والوں کو پریشان کر رکھا تھا وہ علی الاعلان کہتے تھے کہ ہماری میزان الحق کا جواب دے اور ہم نے جو اسلام پر اعتراضات کیے ہیں، ان کا ردّ کرے۔

۱.۳۔غیر رسمی مناظرہ

مذکورہ مناظرہ پادری فرنچ کی رہائش گاہ پر ہوا۔پادری فرنچ (Thomas Walpy French) معاون پادری ولیم کئی (William Kay) تھے جبکہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی معاونت ڈاکٹر وزیر خان نے کی۔اس مناظرہ کا حال مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے مباحثہ مذہبی میں بیان کیا ہے۔

خلاصہ اس مناظرہ کا یہ ہے کہ بائبل کی تحریف پر گفتگو ہوئی، دونوں پادریوں نے بائبل کی تحریف

Marfat.com

پر ثبوت طلب کیا اور مختلف کونسلوں کی تدوین اور بائبل کی کتب پر بھی بات کی۔ آخر میں ڈاکٹر وزیر خاں نے ایک دلچسپ انداز سے تحریف بائبل کو ثابت کیا اور استدلال کیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ پادری فرنچ کی عمر دو افراد مختلف بتائیں۔ پادری نے کہا یہ ناممکن ہے۔ اس پر ڈاکٹر وزیر خان نے بائبل کی عبارت دکھائی کہ اخبار الایام کے ۲۲ باب کے ۲ درس کتاب، سلاطین کے ۸ باب کے ۲۶ درس کی عبارت میں بالترتیب اخزیاہ کی عمر ۴۲ برس ور ۲۲ برس لکھی ہے۔ اس پر پادری نے کہا یہ غلطی عدد میں ہے۔ ڈاکٹر وزیر خان نے کہا کہ اعداد کی یہ غلطیاں بائبل میں سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ (۴۶)

۲. ۳۔ مناظرۂ اکبر آباد ۱۸۵۴ء:

اگر چہ چھوٹے مناظرہ سے دونوں پادریوں کو خاصی خفت اٹھانا پڑی تاہم یہ بات گھر تک ہی رہی اور عوام الناس تک نہ پہنچی۔ اس پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی خواہش تھی کہ مناظرہ عوام الناس میں ہوتا کہ سب تک مباحثہ کے نتائج پہنچیں۔

چنانچہ خود لکھتے ہیں:

میں نے ہندوستان کے سب سے بڑے پادری جو علمائے مسیحین میں ممتاز حیثیت کا مالک اور میزان کا مصنف تھا، اس سے خواہش ظاہر کی کہ وہ میرے ساتھ مجمع عام میں مناظرہ کرے تاکہ حق واضح ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام نے ان رسائل (میزان الحق وغیرہ) کی تردید اس لیے نہیں کی کہ وہ عاجز تھے بلکہ جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ (۴۷)

چنانچہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور پادری فانڈر کے درمیان شرائط طے کرنے کے لیے خط و کتابت ہوئی۔ ہر فریق کی طرف سے ۹، ۹ خطوط تحریر کیے گئے۔ (۴۸) اس مراسلت کے نتیجے میں مناظرہ کے ۱۰، ۱۱ اپریل ۱۸۵۴ء کی تاریخ مقرر ہوئی اور مقام مناظرہ محلّہ عبدالمسیح (آگرہ) طے پایا۔ معاون مناظر کے طور پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خان اور پادری فنڈر کے معاون کے طور پر پادری فرنچ کا نام باہمی اتفاق سے طے کیا گیا۔ مناظرے کے موضوعات کو چار عنوانات میں محدود کیا گیا، نسخ بائبل، تحریف بائبل، تثلیث، الوہیت مسیح اور اثبات نبوت محمدیؐ۔

فریقین میں یہ طے پایا کہ مذکورہ پہلے تین مسائل پر فریق اول اعتراض اٹھائے گا اور فریق ثانی جواب دے گا جبکہ آخری مسئلہ پر فریق ثانی اعتراض اٹھائے گا اور فریق اول جواب دے گا۔ نیز حکم کسی

Marfat.com

خاص فرد کو مقرر نہیں کیا گیا بلکہ دونوں طرف سے معززین اور سرکاری حکام ہی مجلس مباحثہ میں نظم و ضبط اور حکم کے فرائض سرانجام دیں گے۔

مناظرہ کا پہلا اجلاس طے شدہ شرائط کے مطابق شروع ہوا۔ شرکاء میں سرکاری حکام کے علاوہ معززین شہر اور مباحثہ کی کارروائی کو قلم بند کرنے والے صحافی تھے۔ مولانا نے نسخ پر بحث کا آغاز کیا اور بتایا کہ نسخ کا تعلق اوامر و نواہی سے ہے۔ پادری فانڈر نے سوال کیا کہ مسلمانوں کے نزدیک تمام انجیل منسوخ ہے؟ مولانا نے بتایا کہ انجیل کے تمام احکام منسوخ نہیں بلکہ بعض احکام کو اسلام میں باقی رکھا گیا ہے جبکہ پادری فانڈر کا موقف یہ تھا کہ انجیل کا کوئی حکم تا ابد منسوخ نہیں ہوسکتا۔ مولانا نے میزان الحق سے عبارت پڑھ کر سنائی جو پادری فانڈر کے مؤقف کو کمزور ثابت کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ بھی تورات و انجیل سے متعدد مثالیں پیش کی گئیں جسے سن کر پادری فانڈر خاموش ہو گئے۔

نسخ کی گفتگو کے بعد تحریف پر گفتگو ہوئی، سب سے پہلے تحریف کی شکل متعین کی گئی۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خان نے تحریف بائبل پر دلائل دیے جس پر پادری فانڈر اور پادری فرنچ نے اعتراف کیا کہ سات آٹھ مقام پر انجیل میں تحریف ہوئی ہے لیکن اس سے کتاب مقدس میں کوئی فرق نہیں پڑتا جس پر شرکاء مباحثہ میں سے مفتی ریاض الدین نے یہ فیصلہ دیا کہ جس وثیقہ میں ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے وہ وثیقہ قابل اعتبار نہیں رہتا، کجا کہ سات آٹھ جگہ۔ (۴۹)

دوسرے روز کا مجمع پہلے سے بھی زیادہ تھا کیونکہ پہلے روز کی خوب شہرت ہو چکی تھی۔ چنانچہ دوسرے روز تحریف کے ساتھ ساتھ موجودہ اناجیل کی حیثیت پر بھی گفتگو ہوئی۔ پادری فانڈر نے اپنی کتاب میزان الحق سے ثابت کیا کہ موجودہ انجیل وہی ہے جو نزول قرآن کے وقت تھی اور جس کی حقانیت کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔ اس پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر وزیر خان نے مدلل گفتگو کی۔ مولانا نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا کہ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدا کا کلام حضرت عیسیٰ پر نازل ہوا تھا لیکن اس بات سے منکر ہیں کہ وہ کلام یہی بائبل کا مجموعہ ہے اور اس میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوا اور حواریوں کا کلام ہمارے نزدیک انجیل نہیں ہے۔ بلکہ انجیل صرف اسی قدر ہے جو مسیح پر نازل ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں پادری فرنچ نے ایک تحریر پڑھی جس کا خلاصہ یہ تھا۔ ''انجیل میں ہمارے علماء تیس چالیس ہزار اختلافِ عبارت بیان کرتے ہیں لیکن یہ اختلاف ایک نسخے میں نہیں بلکہ بہت سے

Marfat.com

نسخوں میں ہیں۔تاہم ان غلطیوں سے مسیحی دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔(۵۰)

دو دن کے مناظرے کے بعد مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور پادری فانڈر میں خط و کتابت ہوئی کہ دوبارہ مناظرہ کیا جائے لیکن مناظرہ کی دوبارہ نوبت نہ آئی۔تاہم اس مراسلت کا اُسلوب بھی بذات خود علمی اور مناظرانہ ہے۔

مذکورہ مناظرہ کی روداد ہر دو فریق کی طرف سے شائع ہوئی اور ہر فریق نے اپنی فتح اور فریق مخالف کی شکست کا اعلان کیا لیکن شرکاء مباحثہ نے نتائج کو خود دیکھ لیا۔تاہم اتنا ضرور ہوا کہ پادری فانڈر کے قدم صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ کہیں بھی نہیں جم سکے۔ہندوستان کی مذہبی بحث میں مناظرۂ اکبرآباد ۱۸۵۴ء ایک خاص شہرت کا حامل رہا ہے۔

پاول (A.A. Powell) کے خیال میں:

The year 1854, thus marked both the climax and conclusion of the first phase of prolonged Face-to-Face encounter between Evangelical Missionaries and Indian Muslims.(۵۱)

مناظرۂ اکبرآباد سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کئی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں اور آپ ایک کامیاب مناظر کے طور پر ابھرے۔آپ نے عمدہ حکمت عملی سے مناظرہ کے موضوعات کا انتخاب اس طرح سے کرایا کہ میدان میں فریق مخالف دفاعی پوزیشن پر کھڑا ہوا اور وہ انجیل کو تحریف سے پاک ثابت کریں۔صرف یہی نہیں بلکہ رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے معاون ڈاکٹر وزیر خان نے تحریف کا اقرار کرایا۔علاوہ ازیں ان کی حاضر جوابی اور بیدار مغزی اور دین اسلام پر اعتماد نے ایک مضبوط حریف کی مانند میدان میں کھڑا کر دیا۔

۴۔مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج مطالعہ اور اس کے اثرات

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مطالعہ مسیحیت کا جو منہج و اُسلوب اختیار کیا وہ اپنے زمانے و حالات اور مخاطبین کے لحاظ سے بروقت اور برمحل تھا۔اس اُسلوب کو آپ کے معاصرین نے سراہا بلکہ بعد میں آنے والے علماء و متکلمین جن میں خواجہ الطاف حسین حالی، محمد علی مونگیری، سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالحق حقانی (م:۱۹۱۷ء)، مولانا شرف الحق دہلوی (م:۱۹۰۳ء)، مولانا ثناء اللہ امرتسری (م:۱۹۴۸ء)، مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہم نے بھی اسی اسلوب کو اختیار کیا۔

Marfat.com

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تصانیف کو مطالعۂ مسیحیت کے میدان میں جو غیر معمولی طور پر قبولیت و پذیرائی ملی۔ دنیا بھر کی جامعات و مدارس میں جہاں جہاں بھی تقابل ادیان یا عقیدہ کا مضمون پڑھایا جاتا ہے۔ آپ کی کتب شامل نصاب رہی ہیں۔ بالخصوص اظہار الحق کو صرف خطۂ برصغیر ہی میں نہیں۔ بلکہ دیگر ممالک اور زبانوں میں نہایت اہمیت حاصل رہی۔

ترکی زبان میں اظہار الحق کا ترجمہ ابراز الحق کے نام سے مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ اب ترکی کی جدید لغت میں دوبارہ پھر ترجمہ ہوا ہے۔

گجراتی زبان میں ترجمہ مولوی غلام محمد بھانجاراندیری نے ۱۹۱۸ء میں کیا جبکہ فرانسیسی ترجمہ دو جلدوں میں ۱۸۸۰ء میں پیرس سے شائع ہوا ہے۔ (۵۲)

اسی طرح انگریزی زبان میں دو تراجم کا ذکر ملتا ہے۔ پہلا ترجمہ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کے بقول براہِ راست عربی سے نہیں بلکہ گجراتی ترجمہ سے ہوا ہے۔ جبکہ دوسرا ترجمہ محمد ولی رازی نے کیا ہے۔ اس کی طباعت کا اہتمام حکومت سعودی عرب کی معاونت سے ہوا ہے۔

اردو ترجمہ بائبل سے قرآن تک کے نام سے دارالعلوم کراچی کے استاذ مولانا اکبر علی (سہارنپوری) نے ۱۹۶۹ء میں کیا۔ جبکہ اس پر تحقیق و حواشی کا کام مولانا محمد تقی عثمانی نے سرانجام دیا۔ اس ترجمہ پر ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے ناقدانہ تبصرہ لکھا جو ماہنامہ البلاغ (کراچی) میں شائع کر دیا گیا۔ مولانا تقی عثمانی مذکورہ ترجمہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> اس کتاب (اظہار الحق) نے علمی دنیا میں بلاشبہ ایک بلند مقام حاصل کیا۔ ترکی، فرانسیسی، انگریزی اور گجراتی میں اس کے ترجمے بار بار شائع ہوئے اور انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا لیکن ابھی تک اردو کا دامن اس وقیع علمی سرمایہ سے خالی اور اردو داں اہل علم اس کی کمی شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے۔ (۵۳)

عرب دنیا میں اظہار الحق پر متعدد حواشی و تعلیقات تحریر کیے گئے۔ وزارتِ مذہبی امور، مراکش سے شائع ہونے والی اشاعت، استاذ عمر الدسوقی کی تخریج و تحقیق کے ساتھ ۱۹۶۴ء میں دو اجزاء پر طبع ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن دوحہ قطر سے چھپا، تیسرا ایڈیشن جو ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا، کی خاص بات یہ ہے

Marfat.com

کہ اس پر سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا مقدمہ ہے جس میں صاحب کتاب اور اظہار الحق کا تعارف اور قدر و قیمت پر بحث کی گئی ہے۔

مصر سے محمد کمال فراج کی تخریج سے اظہار الحق، ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی اسی سال کتاب ڈاکٹر احمد حجازی السقا کی بھی تقدیم و تحقیق اور تعلیق کے ساتھ شائع ہوئی۔ جس میں متعدد تسامحات موجود ہیں۔

اظہار الحق کی سب سے عمدہ دراسۃ و تحقیق و تعلیق کا کام ڈاکٹر محمد احمد محمد عبد القادر خلیل ملکاوی کا ہے جو ۱۹۸۹ء میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آیا اور اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر ملکاوی نے اردو کتب سے بھی مدد لی اور سابقہ نسخوں کی اغلاط کی نشاندہی بھی کی ہے۔ صرف یہی نہیں ڈاکٹر ملکاوی نے مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مناظرہ پر کام کرتے ہوئے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی لی ہے۔ یہ کام جامعۃ الامام محمد سے المناظرۃ الکبریٰ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ (۵۴)

الغرض اظہار الحق کو نہ صرف مصر، ترکی، سعودی عرب، بلادِ شام اور ہند و پاک کی جامعات میں داخل نصاب کیا گیا ہے۔ بلکہ متعدد جامعات میں اہل علم نے مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کے منہج و اسلوب پر مفید مطالعات و تحقیقات پیش کیے ہیں۔

❁ ❁ ❁

حوالے و حواشی

۱۔ یہود کی نسبت نصاریٰ سے قربت کی دلیل یہ آیت ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (المائدۃ ۵:۸۲)

۲۔ ہندوستان کے قدیم قصبہ کیرانہ / کرانہ ضلع مظفر نگر کی نسبت سے کیرانوی کہلائے۔ کیرانہ قدیم زمانہ میں چوہان راجپوتوں کی راجدھانی رہ چکا ہے۔ دیکھیے:

Marfat.com

J.M. Douie, *Gazetter of the Karanl* District, Lahore, 1892, 173

۳۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سلسلہ نسب کی وجہ سے عثمانی کہلائے۔ ہندوستان میں عثمانیوں کا نسب نامہ اس قدیم تاریخی طور مار میں محفوظ ہے جو حضرت کبیر الاولیاء جلال الدین کی درگاہ پانی پت میں موجود ہے۔ دیکھیے محمد سلیم، ایک مجاہد معمار، دفتر مدرسہ صولتیہ، مکہ معظمہ، ۱۹۵۲ء، ۸

۴۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ جب ہجرت کر کے مکہ معظمہ آ گئے تو عرب ممالک میں آپ کے نام کے ساتھ الہندی کا بھی اضافہ ہو گیا۔ دیکھیے رحمت اللہ کیرانوی، اظہار الحق، (دراسۃ وتحقیق وتعلیق عبد القادر ملکاوی)، الادارۃ العامۃ للطبع والترجمۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، الریاض، ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء

۵۔ مشائخ و اولیاء میں آپ کے جد اعلیٰ عبد الرحمٰن گازرونی، کبیر الاولیاء مخدوم محمد جلال الدین (م:۷۵۲ھ)، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، مؤلف تفسیر مظہری، اطباء میں حکیم محمد حسن اور حکیم عبد الکریم المعروف حکیم بینا جو دربارِ اکبری کے شاہی طبیب تھے۔ دیکھیے: امداد صابری، آثار رحمت، جامع مسجد دہلی، ۱۹۶۶ء، ۷۷

۶۔ محمد سلیم، ایک مجاہد معمار، حوالۂ مذکور، ۸

۷۔ امداد صابری، آثار رحمت، حوالۂ مذکور، ۱۲۱-۱۲۳

۸۔ ایک مجاہد معمار، ۲۹؛ آثار رحمت، ۱۴۷ نیز ملاحظہ ہو، راقم کا مقالہ "مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی جائزہ (ادارہ علومِ اسلامیہ) ۲۰۰۰ء، باب پنجم، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا رحمت اللہ کا کردار، ۳۰۴-۳۱۷

۹۔ قسطنطنیہ (استنبول) کے تینوں اسفار بالترتیب ۱۸۶۴ء، ۱۸۸۲ء اور ۱۸۸۷ء کو پیش آئے۔ پہلے سفر کے موقع پر سلطان عبد العزیز خان نے خلعتِ فاخرہ کے ساتھ تمغہ مجیدی درجہ دوم عطا کیا۔ دیکھیے ایک مجاہد معمار، ۳۶؛ آثار رحمت، ۲۵۹

۱۰۔ آثارِ رحمت، ۱۱۲، نیز دیکھیے راقم کا مقالہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی علمی و دینی خدمات "حوالۂ مذکور، ۹۷-۱۰۳

Marfat.com

۱۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مجلہ البحث الاسلامی (لکھنؤ)، عدد ۹، جمادی الآخر ۱۳۹۹ھ، ۵۶

۱۲۔ رحمت اللہ کیرانوی، ازالۃ الاوہام، سید المطابع، دہلی، ۱۲۶۹ھ، ۲

۱۳۔ دو کتابیں جو مطالعۂ مسیحیت سے الگ ہیں وہ یہ ہیں:

ترجمہ آداب المریدین، ۱۲۸۵ھ، ۸۰؛ التبنیہات فی اثبات الاحتیاج الی البعثۃ والحشر، ۳۲

۱۴۔ سید آل حسن موہانی کی کتاب استفسار ہندوستان میں مطالعۂ مسیحیت میں اولیت کا درجہ رکھتی ہے۔ دیکھیے استفسار، لکھنؤ، ۱۹۴۵ء، نقش ثانی، دارالمعارف، اردو بازار، لاہور

۱۵۔ البقرۃ ۲:۷۹

۱۶۔ رحمت اللہ کیرانوی، اعجازِ عیسوی، مطبع منعمیہ محلّہ اکبرآباد، آگرہ، ۱۲۷۱ھ، ۴

۱۷۔ ایضاً، ۲

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ امداد صابری، آثارِ رحمت، حوالۂ مذکور، ۳۷۰

۲۰۔ رحمت اللہ کیرانوی، اعجازِ عیسوی، (جدید تسہیل و تحقیق و تشریح و حواشی)، ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور، س۔ن، ۱۰ پیش لفظ

۲۱۔ ازالۃ الشکوک ۱۳۲۶ھ میں شائع ہوئی۔ حسب فرمان مرزا فخر الدین، پہلی جلد کے صفحات ۶۰۸، جبکہ دوسری جلد کے صفحات ۵۰۸ ہیں تاہم نقشِ اول کے بعد نقش ثانی کی نوبت نہ آسکی۔

۲۲۔ پادری فانڈر کے حالات کے لیے دیکھیے سید غلام محی الدین، پادری سی۔ جی۔ فانڈر، ذکر و فکر، دہلی، ۴، ۵، ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۸ء، ۸۸، ۸۹

۲۳۔ پادری سی۔ جی۔ فانڈر، میزان الحق، باردوم ۹، پنجاب ریلی جس بک سوسائٹی، انارکلی لاہور، ۱۹۶۲ء، ۴۱

۲۴۔ ایضاً، ۴۱

۲۵۔ ایضاً، ۱۴۹

۲۶۔ ایضاً، ۲۷۷

Marfat.com

۲۷۔ ایضاً،۱۷۵

۲۸۔ رحمت اللہ کیرانوی،اظہار الحق (دراسۃ وتحقیق وتعلیق محمد عبدالقادر ملکاوی)،ادارۃ العامۃ للطبع والترجمۃ،الریاض،۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء،۴۵/۱

۲۹۔ سید ابوالحسن علی ندوی،اظہار الحق اور اس کے مؤلف مولانا رحمت اللہ کیرانوی،(اردو ترجمہ:عبداللہ عباس ندوی)،ذکر و فکر، دہلی،۲۱

۳۰۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی یہ تحریر ۱۹۷۲ء کی ہے۔ دیکھیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب اظہار الحق اور اس کا اردو ترجمہ،البلاغ، کراچی،مئی ۱۹۷۳ء،۷:۳

۳۱۔ ایضاً،۲۰

۳۲۔ سید ابوالحسن علی ندوی،ذکر و فکر، دہلی،حوالہ مذکور،۲۱

۳۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ،البلاغ، کراچی،حوالہ مذکور،۲۴

۳۴۔ اخبار منشورِ محمدی،بنگلور، بحوالہ آثار رحمت، ۳۳۶

۳۵۔ سید ابوالحسن علی ندوی،ذکر و فکر، دہلی،حوالہ مذکور،۲۲

۳۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:محمد حمید اللہ،حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب اظہار الحق اور اس کا اردو ترجمہ،البلاغ،کراچی،۲۰۰۷ء،مئی ۱۹۷۳ء

۳۷۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے راقم الحروف کا مقالہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی جائزہ ادارہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی،لاہور،۲۰۰۰ء،۴۵۷-۴۹۰

۳۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے لکھا ہے کہ لندن ٹائمز کا یہ اقتباس انھیں نہیں مل سکا۔

۳۹۔ رحمت اللہ کیرانوی،اظہار الحق (اردو ترجمہ،بائبل سے قرآن تک)،۲۱/۱ پیش لفظ

۴۰۔ النحل ۱۶:۱۲۵

۴۱۔ دیکھیے سید غلام محی الدین، پادری سی۔جی۔فانڈر،ذکر و فکر، دہلی،۱۹۸۸ء،حوالہ مذکور،۸۶

۴۲۔ Powell, A.A., *Muslims and Missionaries in Pre-Mutniy India*, Carzen Press Ltd., UK. 1993, 138

Marfat.com

۴۳۔ امداد صابری، آثار رحمت

۴۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ملکاوی، محمد احمد عبد القادر، المناظرۃ الکبریٰ، ط۳، المطابع الصفا

۴۵۔ ڈاکٹر وزیر خان کے حالات کے لیے دیکھیے راقم الحروف کا مقالہ برائے پی ایچ ڈی، حوالہ مذکور، ۱۰۱، ۱۰۲

۴۶۔ مناظرہ کی تفصیلات کے لیے دیکھیے مباحثہ مذہبی (حصّہ اول) ۳۰-۲۳؛ المناظرۃ الکبریٰ، ۱۵۹-۱۸۹؛ البحث الشریف، ۴-۱۹

۴۷۔ رحمت اللہ کیرانوی، اظہار الحق، ۱/

۴۸۔ البحث الشریف، ۹

۴۹۔ مباحثہ مذہبی (حصّہ اول)، ۳۷-۳۹؛ البحث الشریف، ۴۰، ۴۱

۵۰۔ مباحثہ مذہبی (حصّہ اول)، ۴۵-۶۲؛ البحث الشریف، ۳۸-۴۱

51. *Muslims and Missionaries*, 262

۵۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ضمیمہ فرانسیسی ترجمہ کے مفید تر حاشیے، ملحق بائبل سے قرآن تک، ۱/۶۱۳-۶۲۳

۵۳۔ بائبل سے قرآن تک (اردو ترجمہ اظہار الحق)، مکتبہ دار العلوم، کراچی، ۱/۲۴ (حرف آغاز)

۵۴۔ ملکاوی، محمد عبد القادر خلیل، المناظرۃ الکبریٰ، مطابع الصفا بمکۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۹ء

Marfat.com

بہائیت اور اس کا نظام عبادت

ڈاکٹر جمیلہ شوکت */عثمان احمد **

انیسویں صدی عیسوی میں سرزمین ایران میں بہائی مذہب ظاہر ہوا۔[1] ظہور اسلام کے آغاز ہی میں اہل ایران اسلام کی سیادت و برتری کے باوجود اسلامی عقائد سے بیگانگی برتتے رہے۔ درحقیقت اس مذہب کا ظہور اسلام کے خلاف اہل ایران کی ان کوششوں کا نتیجہ تھا جو آغاز اسلام سے ہی شروع ہوگئی تھیں۔ شروع میں یہ کوششیں زندیقیت، باطنیت اور اعتزال کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً کفر و اسلام کا یہ معرکہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا رہا۔ اسی کشمکش نے بغداد میں پہلے آل بویہ کو اقتدار بخشا۔ اس خاندان نے ایران میں شیعیت کی بنیاد ہمیشہ کے لیے مستحکم کردی۔ آل بویہ کے بعد سلجوقی حکمران ہوئے جو اگرچہ سنی تھے لیکن شیعیت کی بنیادیں اتنی مضبوط تھیں کہ متزلزل نہ ہوسکیں اور شیعوں اور سنیوں کے درمیان آل بویہ کی پیدا کردہ نفرت کی خلیج دن بدن وسیع ہوتی گئی۔ دولت عباسیہ کے دورِ انحطاط میں ایرانیوں نے اپنی سلطنت قائم کرنے کے لیے جدوجہد کی اور اس طرح ایران میں ظہور اسلام کے بعد پہلی بار آل صفوی کا ظہور ہوا۔ صفوی خاندان نے اہل بیت سے ہونے کا دعویٰ کیا اور شیعیت کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس طرح ایران شیعی عقائد و خیالات کی نشوونما کے لیے ایک مستقل گہوارہ بن گیا۔ اس عرصے میں اسلام کی اصلیت مسلسل مسخ ہوتی رہی اور تقریباً ایک ہزار سال بعد اس کی صورت اتنی بدل گئی کہ اس کو غیر اسلام کہنے یا کسی اور دین کے نام سے تعبیر کرنے میں کوئی باک نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بابیت و بہائیت کے فتنے ایران سے اٹھے تو ہزاروں انسانوں نے ان کا ساتھ دیا۔

---

* پروفیسر ایمریطس، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

** لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

Marfat.com

کیونکہ ان کے سامنے کوئی نئی چیز پیش نہیں ہو رہی تھی۔ بابیت کے عقائد کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بابیت، شیعیت ہی کی ایک شاخ اور فرع ہے۔ بہائی فرقے نے شیعہ اثنا عشریہ سے جنم لیا۔ (۲) شیعوں کے مشہور عقائد ''غیبت'' اور ''مہدویت'' کے دروازے سے ہی علی محمد باب اور بہاء اللہ اسلام کی بیخ کنی کے لیے داخل ہوئے۔ عقیدہ ''تقیہ'' کی آڑ میں اپنے آپ کو حکومت کی تنقید سے بچاتے رہے۔ اپنی دعوت کو خفیہ طریقے سے پھیلانے میں بھی ان کو اس عقیدہ سے بہت مدد ملی۔ قرامطہ، باطنیہ، بابیہ اور بہائی فرقوں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ شروع میں لوگوں کو مائل کرنے کے لیے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، پھر اس کو آہستہ آہستہ مسخ کیا اور دین کی باطل تاویلیں لوگوں کے ذہن میں پختہ کیں اور جب زمین ہموار ہوگئی تو پوری طرح کھل کر سامنے آگئے۔ اس مذہب کا اولین بانی سید علی محمد تھا۔

باب اور اس کی دعوت:

سید علی محمد باب ۱۸۱۹/ یکم محرم الحرام ۱۲۳۵ھ میں شیراز میں پیدا ہوا۔ والد کا انتقال بچپن میں ہوگیا تھا۔ ماموں نے تربیت کی اور بڑے ہو کر ماموں کے ساتھ ہی شروع میں تجارت کی۔ (۳) پچیس سال کی عمر میں باب ہونے کا دعویٰ کیا۔ (۴) ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء کو حج سے واپسی پر دسمبر میں اپنے ظہور کا کھلم کھلا اعلان کیا۔ (۵) اور کہا کہ میں ہی مسیح ہوں جو امام غائب کے ظہور کی بشارت دینے آیا ہوں۔ اس نے بار بار اس ہستی کا ذکر کیا اور تسلیم کیا کہ وہ اسی کی مہربانی اور اعانت سے مستفیض ہو رہا ہے۔ اس کی مبادیات سنوارنے میں وہ اسی سے استعانت کرتا ہے اور اس کی محبت کی راہ میں جان قربان کر دینے کو وہ عین سعادت سمجھتا ہے۔ قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر و تشریح اور خطبات اور دوسری تحریرات میں اس نے لوگوں کو ترغیب دلائی کہ وہ اس شخصیت کے منتظر رہیں، اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی سب تحریریں اور الہامات فطری ہیں۔ (۶) باب نے اپنی کتابوں میں یہ بھی لکھا کہ اس کی کتابیں رمز و اشارہ کے الفاظ میں ہیں۔ ان کے اصل معنی من یظہرہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (۷) لوگوں کی کثیر تعداد باب کی منعقد ہوگئی ملک میں ہنگامہ بپا ہوگیا۔ جمہور علماء نے باب کی تکفیر کی اور تحقیر کے لیے گلی کوچوں میں پھرایا گیا۔ فارس کے گورنر نے باب کو نئے دین سے توبہ کرنے کا مشورہ دیا لیکن باب نے اسے رد کر دیا جس پر اسے زد و کوب کیا گیا، بعد میں ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد باب کی دعوت کو مزید فروغ حاصل ہوا اور اس کے

Marfat.com

افکار کا چرچا بڑھتا ہی گیا۔ بعض مشہور علماء بھی باب کی باتوں سے مسحور ہو گئے اور انہوں نے بابیت کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ [۸] علماء ایران نے یہ دیکھ کر کہ قید و بند کی صعوبتیں، اذیت و ملامت، بحث و مباحثہ سب سے کچھ فائدہ نہیں ہو رہا تو انہوں نے اس قصے کو ختم کرنے کے لیے گورنر فارس کے سامنے باب کو قتل کرنے کی تجویز پیش کی۔ [۹] محمد علی باب سات سال نظر بند و قید رہنے اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد اکتیس سال کی عمر میں ۱۸۵۰ء/۱۲۶۶ھ میں تبریز کی قدیم چھاؤنی میں اپنے نوجوان شاگرد محمد علی کے ساتھ گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ [۱۰] اگلے روز بابی دونوں کی لاشوں کو اٹھا کر لے گئے اور پھر کئی سال بعد چھپا کر ارض مقدس میں لے آئے اور کوہ کرمل پر روضہ میں دفن کر دیا۔ [۱۱] باب کے متبعین میں سے ایک شخص مرزا حسین علی تھا۔ بابی اپنے معاملات میں مرزا حسین علی سے مشورہ لیتے تھے، باب کے قتل کے بعد مرزا حسین علی باب کا جانشین ہوا۔

مرزا حسین علی:

مرزا حسین ۱۸۱۷ء/۱۲۳۳ھ طہران میں پیدا ہوا۔ مرزا حسین علی، مرزا عباس نوری حکومتِ ایران کے وزیر کا بڑا بیٹا تھا۔ اس کی پیدائش کے تقریباً ستائیس برس بعد ۱۸۴۴ء میں محمد علی باب نے اپنے مبشر ہونے کا دعویٰ کیا۔ [۱۲] جس میں اس نے خود کو قائم اور مہدی بتایا اور ایک آنے والے کی بشارت دی۔ حسین علی نے باب کی تصدیق کی اور زور و شور کے ساتھ ان کا ذکر شروع کیا۔ باب کے قتل کے بعد بابیوں نے شاہ ایران کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ تو بچ گیا لیکن قتل کی سازش کے بعد تمام ایران میں بابیوں کا قتل عام شروع ہوا اور کچھ قید ہوئے۔ حسین علی بھی قید ہوئے لیکن بعد میں رہا کر دیے گئے اور بغداد جلا وطن کر دیے گئے۔ بغداد سے انہیں قسطنطنیہ میں بھیجا گیا اور پھر سپر ادرنہ۔ باب کے قتل کے تین سال بعد حسین علی بہاء اللہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بغداد میں بہاء اللہ کو اس کا سوتیلا بھائی صبح ازل ملا۔ بہاء اللہ کے دعویٰ نبوت کے باعث بہاء اللہ اور صبح ازل میں مناقشت ہو گئی جس کے نتیجے میں بابیوں کے دو گروہ ہو گئے۔ دونوں فرقوں کے مورخین ایک دوسرے پر اتہام تراشی کرتے ہیں۔ [۱۳] صبح ازل اور بہاء اللہ کی آپس میں کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی مقتدر بابی خفیہ طور پر قتل کر دیے گئے۔ آہستہ آہستہ طاقت، اثر و رسوخ اور تعداد کے اعتبار سے بہائی ازلیوں پر غالب آ گئے۔ حکومتِ ترکی نے بہاء اللہ کو ۱۸۶۸ء میں عکہ بھیج دیا اور صبح ازل کو جزیرۂ قبرص میں۔ [۱۴] عکہ کی سرزمین جسے بہاء اللہ نے اخرب البلاد کا نام

Marfat.com

دیا تھا، بہاء اللہ کی آمد اور سکونت کے بعد نہایت خوبصورت باغات میں تبدیل ہو چکی تھی۔ [15]

بہاء اللہ کے آخری ایام عکہ میں قید و جلاوطنی کی حالت میں گزرے اور بالاخر وہ وہیں ۱۸۹۲ء/ ۱۳۰۹ھ کو بیمار ہو کر ۷۶ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ [16] عکہ کے شمال میں بہجی کے مقام پر ایک روضہ میں مدفون ہے۔ [17]

بہاء اللہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا عبدالبہاء عباس آفندی جانشین بنا۔ اسے عبدالبہاء کے کلام الٰہی (بہاء اللہ کا کلام) کا مستند مفسر اور دینِ الٰہی کا اولین مروج مقرر کیا گیا تھا اور تمام اہل بہاء کو حکم دیا گیا تھا کہ ہدایت اور راہنمائی کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوں۔ [18] عبدالبہاء اپنے باپ کی زندگی اور بعد میں بھی مصائب و تکالیف کا شکار رہا۔ ۱۹۰۸ء میں قید سے رہائی ملی۔ ۱۹۱۴ء میں ترکی حکومت نے اسے دوبارہ قید کر دیا۔ ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کے بعد آزادی ملی۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے اعزاز بھی ملا۔ [19] ۱۹۲۱ء میں عبدالبہاء کا انتقال ہو گیا اور کوہ کرمل پر باب کے روضہ کے ایک کمرہ میں دفن کر دیا گیا۔ [20]

عبدالبہاء کی وصیت کے مطابق اس کے سب سے بڑے نواسے شوقی آفندی کو دین بہائی کا ولی اور بیت العمومی کا صدر مقرر کیا گیا۔ [21] موجودہ زمانے میں بھی وہی بہائیت کا نگرانِ اعلیٰ ہے۔

بہائی مذہب کے عقائد:

اسلام کی اصلاح کے نام کے پس پردہ باب نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی جو اپنے عقائد، اصول اور معاشرتی تصورات کے اعتبار سے اسلام سے بالکل جدا حیثیت رکھتا ہے۔ [22] باب اور بہاء اللہ کا عقیدہ تھا کہ ذات خداوندی ان کے اندر حلول کر آئی ہے۔ [23] باب نے دعویٰ کیا کہ پہلی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ حتیٰ کہ اسلام اور قرآن کے منسوخ ہونے کا بھی اعلان کیا۔ [24] اس نے کہا کہ اللہ کا کلام اس پر بھی اترتا ہے، لہٰذا اس نے اپنی کتاب ''البیان'' کو کتاب الٰہی قرار دیا۔ اس کے بعد بہاء اللہ نے اپنی کتاب ''اقدس'' قرآن کے انداز پر تحریر کی اور اس کو آیات و سُور میں تقسیم کیا اور اس میں اپنی شریعت اور احکام لکھے۔ [25]

رسالت محمدی اس کے نزدیک آخری رسالت نہ تھی۔ پہلے باب اور پھر بہاء اللہ نے رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ بہائی اپنے رسولوں کو دیگر انبیاء حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ پر فوقیت دیتے ہیں۔ [26] بہاء اللہ نے کہا کہ وہ زمین پر دین اسلام کی بنیادیں مستحکم کرنے آیا ہے۔ اپنی کتاب میں کہتا ہے: لعمر

Marfat.com

اللہ ان البہاء مانطق عن الھویٰ قد انطقہ الذی انطق الاشیاء بذکرہ و ثنائہ لا الہ الا ھو الفرد الواحد المقتدر المختار۔ (۲۷)

مرزا علی محمد باب روزِ آخرت، جزاوسزا، حشر ونشر، جنت وجہنّم پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ روزِ آخرت سے ایک جدید روحانی زندگی کے آغاز کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ جنت اور دوزخ محض اصطلاحات ہیں جو خدا کی رضا اور نارضامندی کے مترادف ہیں۔ جنت روحانی زندگی کا نام ہے اور دوزخ موت کا ایک آدمی جو زندہ ہو جنت میں بھی ہوسکتا ہے اور جہنّم میں بھی کیونکہ روحانی مسرتیں جنت ہیں اور ان سے محرومی دوزخ۔ (۲۸) بہاء اللہ اپنے مذہب کو مکمل اور عالمگیر دین کہتا ہے۔ اہلِ بہاء کا کہنا ہے کہ بہاء اللہ نے جس دین کا اعلان فرمایا ہے وہ خدا کا بھیجا ہوا دین ہے اور اس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ دنیا کے سب دین اس میں شامل ہیں۔

مرزا علی محمد باب کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے افکار سے اسلام کی تجدید و احیاء کررہا ہے۔ اس کے برعکس بہاء اللہ نے اپنے مذہب کو دینِ اسلام سے ایک بالکل الگ مذہب تصور کیا اور ایسے احکام دیے جو اسلام کے بنیادی قوانین کے خلاف تھے۔ (۲۹)

نظامِ عبادت

ہر مذہب مخصوص عقائد وعبادات کے مجموعہ کا نام ہوتا ہے۔ بہائیت بھی اسی طرح چند نئے تشکیل کردہ نظامِ اعتقادات اور نظامِ عبادات کے مجموعہ کا نام ہے۔ بہائیت کے نظامِ عبادت کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بالکل واضح کرتا ہے کہ بہائی علم برداروں نے اسلام کے نظامِ عبادت میں قطع وبرید کرکے اسی سے اپنا نظام تشکیل دیا اور انہی بنیادوں پر مراسمِ عبودیت استوار کیے۔

نماز

مذہب بہائیت میں نماز تین طرح کی ہے۔ صلاۃ کبیر، صلاۃ وسطی اور صلاۃ صغیر۔ ان تینوں نمازوں میں سے ایک ہی نماز ادا کرنا فرض ہے اور اس میں اختیار رہے کہ جس کو چاہے ادا کرے۔ باجماعت نماز کا حکم بہایت میں منسوخ سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اکیلے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ ستر سال کی عمر میں ہر شخص کو نماز اور روزہ معاف ہوجاتا ہے۔ سولہویں سال میں داخل ہونے پر ہر لڑکا اور لڑکی بالغ تصور کیا جاتا ہے اور نماز فرض ہوجاتی ہے۔

Marfat.com

الصلاۃ الکبیر:

چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک بار توجہ اور خضوع کی حالت میں پڑھنا فرض ہے۔ نماز پڑھنے والا خدا کی جانب متوجہ ہوکر کھڑا ہو اور اطمینان سے کھڑے ہو جانے کے بعد دائیں اور بائیں اس طرح نگاہ کرے جیسے کوئی اپنے پروردگار کی رحمت کا منتظر ہو، پھر اس کے بعد مخصوص دعا پڑھے۔

دعا پڑھنے کے بعد اپنے دونوں ہاتھ خداوند تبارک وتعالیٰ سے دعا کے لیے بلند کرے اور مخصوص تسبیح پڑھ کر سجدہ کرے اور سجدے میں بھی مقررہ دعا پڑھے۔

پھر کھڑا ہو کر مقررہ دعا پڑھے اور اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور 3 بار تکبیر یعنی (اللہ ابہیٰ) کہتے ہوئے اللہ کے حضور رکوع کرے اور مقررہ دعا پڑھے۔ پھر کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے۔ پھر ہاتھوں کو تین مرتبہ اٹھا اٹھا کر یہ تکبیر کہے۔ اللہ اعظم من کل عظیم، پھر سجدہ کرے۔ پھر بیٹھ جائے اور مقررہ کلمات پڑھے۔ پھر کھڑا ہو کر کچھ مقررہ کلمات پڑھے۔ پھر تین بار تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ پھر کھڑا ہو کر دعا پڑھے۔ پھر تین بار تکبیر کہہ کر سجدے میں جائے۔ پھر دعا پڑھے۔ پھر بیٹھ جائے اور کلمات پڑھے۔

صلوٰۃ وسطیٰ:

اگر کوئی اسے اختیار کرے تو اسے یہ نماز دن میں تین بار، صبح، دوپہر، شام ادا کرنا ہوگی۔ جو یہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرلے وہ یوں وضو کرے کہ اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور دھوتے وقت مخصوص الفاظ کہے اور چہرہ دھوتے وقت بھی الفاظ کہے۔

اس کے بعد قبلہ کی جانب متوجہ کھڑا ہو کر نماز شروع کرے۔ پھر رکوع کرے۔ پھر قنوت کے لیے کھڑا ہو اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ پھر بیٹھ جائے اور پڑھے۔ اگر کوئی بڑی آیت نہ پڑھ سکے تو اس کی جگہ دوسری آیت پڑھ لینا کافی ہے اور بیٹھنے کی حالت میں پڑھ لینا کافی ہے۔ آیت سے مراد بہایت کی مزعومہ منزل کتابوں کی عبارتیں ہیں۔

صلوٰۃ صغیر:

اگر کوئی اسے اختیار کرے تو اسے دن میں ایک بار زوال کے وقت پڑھنی چاہیے۔ اور وہ یوں ہے:

Marfat.com

اشهد یا الهی بانک خلقتنی لعرفانک و عبادتک اشهد فی هذا الحین بعجزی و قوتک وضعفی و اقتدارک و فقری و غنائک لا اله الا انت المهیمن القیوم.

اے میرے پروردگار! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تو نے مجھے اس لیے پیدا کیا ہے کہ میں تجھے پہچانوں اور تیری عبادت کروں۔ میں اس وقت اپنی عاجزی اور تیری قوت اور اپنے ضعف اور تیرے اقتدار اور اپنے فقر اور تیری غنا کی گواہی دیتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی خدا نہیں۔ تو ہی مہیمن و قیوم ہے۔

اگر کوئی شخص غسل کر چکا ہو اور اپنے تمام بدن کو دھو چکا ہو تو اسے پھر بھی وضو کرنا چاہیے۔

اگر کسی اور کام کے لیے وضو کیا اور نماز کا وقت بھی آ جائے تو اسی وضو سے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ نیا وضو ضروری نہیں۔

وضو نماز کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا ضروری ہے یعنی صبح کی نماز کے لیے جو وضو کیا اس سے دوپہر کی نماز ادا نہیں کر سکتے۔

سخت سردی میں گرم پانی سے وضو ہو سکتا ہے اور ہاتھ اور منہ پر زخم ہو یا کہیں درد وغیرہ ہو جس کے باعث پانی کا استعمال مضر ہو تو ایسی صورت میں وضو کی جگہ ''بسم اللہ الاطہر الاطہر'' پڑھ لینا چاہیے۔

صبح، زوال اور شام کے وقت کی تفصیل یوں ہے:

طلوع آفتاب کے نزدیک صبح ہوتی ہے۔ زوال، دوپہر کا وقت، شام غروب کا وقت۔

صبح کی نماز طلوع فجر سے زوال تک پڑھ سکتے ہیں اور وقت زوال کی نماز غروب تک اور شام کی نماز دو گھنٹے غروب آفتاب کے بعد تک پڑھی جا سکتی ہے۔

آفتاب طلوع ہونے سے پہلے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

لوح بشارت عظمیٰ میں تین نمازیں بیان ہوئی ہیں۔ ان تینوں میں سے ایک ہی نماز ادا کرنا فرض ہے۔ ہر نماز انسان اختیار کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ ایک ہی نماز ادا کرنا کافی ہے۔

تیسری نماز جو وقت زوال پڑھی جاتی ہے وہ ادب کے ساتھ کھڑے ہو کر پڑھنا بہتر اور زیادہ پسندیدہ ہے۔

Marfat.com

بڑی نماز دن رات میں فقط ایک بار ادا کرنا کافی ہے اور جو شخص بڑی نماز پڑھتا ہے اسے درمیانی اور چھوٹی نماز معاف ہے۔

ہر فوت شدہ نماز کے لیے ایک سجدہ ہے۔ یہ سجدہ ہر اس نماز کے لیے ہے جو سفر میں اور مواقع نا امن پر فوت ہوگئی ہو۔ اگر نماز کے وقت آدمی اطمینان کی جگہ پر ہو تو مقررہ وقت پر نماز ادا کرے اور یہ حکم سجدہ جو فوت شدہ نماز کے لیے ہے، سفر و حضر دونوں کے متعلّق یکساں ہے۔

اگر نماز کا وقت آ جائے اور امن و اطمینان نہ ہو تو اطمینان کے مقام پر پہنچ کر ہر فوت شدہ نماز کی جگہ ایک سجدہ کرنا چاہیے اور آخری سجدے کے بعد چار زانوں بیٹھ کر ۱۸ بار ''سبحان اللہ ذی الملک و الملکوت'' پڑھنا چاہیے۔ سفر میں امن و اطمینان ہو تو نماز ساقط نہیں۔

مواقع نا امن کے سوا نماز کبھی نہ چھوڑی جائے۔

اگر فوت شدہ نمازوں کے متعدد سجدے ہوں تو ہر سجدے کے بعد ''سبحان اللہ ذی الملک و الملکوت'' دہرانا ضروری نہیں ہے۔ صرف آخری سجدہ کے بعد ۱۸ مرتبہ ذکر کافی ہے۔

نماز آیات (مثلاً چاند یا سورج گرہن وغیرہ) کی جگہ نازل شدہ آیت کی تلاوت فرض نہیں ہے۔ (۳۰)

احکامِ صیام:

اے عالم وجود کے رہنے والو! ہم نے تم پر مقررہ دنوں میں روزے فرض کیے ہیں۔ اور روزوں کے پورا کرنے پر نوروز کو تمہارے لیے عید قرار دیا ہے۔ (کتاب اقدس)

ماہ صیام کو شہر اللہ خدا کا مہینہ کہا گیا ہے۔ (لوح یا محمد)

خدا کے اوامر و احکام کو مضبوط تھام لو اور ان لوگوں میں شامل نہ رہو جو اپنے ظنون و اوہام کی پیروی میں خدا کے اصول کو چھوڑ کر اپنے اصول کو پکڑے ہوئے ہیں۔ (کتاب اقدس)

خدا نے اپنی کتاب اقدس میں روزے کا حکم نازل فرمایا ہے یقیناً کتاب اقدس خدائے علیم و حکیم کی جانب سے نازل ہوئی ہے۔ (لوح یا احمد)

بہائی سال کے انیس مہینے ہوتے ہیں اور ہر مہینہ انیس دن کا ہوتا ہے۔ سال کا پہلا مہینہ ''شہر البہآء'' ہے اور آخری مہینہ ''شہر العلاء'' ہے۔ اسی شہر العلاء میں روزے رکھے جاتے ہیں جو ۲ مارچ سے

Marfat.com

شروع ہوتے ہیں اور ۲۰ رکو ختم ہوتے ہیں۔ ۲۱ رمارچ کو شہر البہاء کی پہلی تاریخ اور عید نوروز ہوتی ہے۔

بہائی سال کے ۱۹ مہینے

۱-شہر البہآء (عید نوروز)	۲- شہر الجلال
۳-شہر الجمال	۴-شہر العظمۃ
۵-شہر النور	۶-شہر الرحمۃ
۷-شہر الکلمات	۸-شہر الکمال
۹-شہر الاسماء	۱۰-شہر العزۃ
۱۱-شہر الخشیۃ	۱۲-شہر العلم
۱۳-شہر القدرۃ	۱۴-شہر القول
۱۵-شہر المسائل	۱۶-شہر الشرف
۱۷-شہر السلطان	۱۸-شہر الملک......ایام ھا
۱۹-شہر العلاء (صیام)	

''اے میرے احباء! کتاب اللہ کے اوامر و احکام پر عمل کرو۔ شہر العلاء میں تم پر روزے فرض ہیں۔ اپنے پروردگار غالب و برتر کی خوشنودی کے لیے روزے رکھو۔'' (لوح حاجی کاظم نساج)

ایام ھا:

سال کے ۱۹ مہینے اور ہر مہینے کے ۱۹ دن ہوتے ہیں۔ جو کل ۳۶۱ دن ہوتے ہیں۔ چونکہ شمسی سال کے ۳۶۵ اور کسی سال ۳۶۶ دن ہوتے ہیں تو یہ زائد ۴ یا ۵ پانچ دن جو مہینوں سے خارج ہیں ایام ھا کہلاتے ہیں یعنی ہویت و آزادی کے مظاہر جو سال و ماہ کی حدود سے آزاد ہیں۔ یہ دن شہر الملک کے بعد شہر العلاء سے پہلے رکھے گئے ہیں۔ ان دنوں میں خوشی منانا، کھانا پینا اور ذکر الٰہی کرنا چاہیے۔ رشتہ داروں کی ضیافت، فقراء و مساکین کی دعوت کرنی چاہیے۔ تہلیل و تکبیر، تسبیح و تمہید، پروردگار میں فرحت و انبساط سے مشغول ہونا چاہے۔ ایام ھا کو ایام عطا بھی کہتے ہیں۔ یعنی داد و دہش کے دن۔ ان دنوں میں اجتماع و ضیافت اور خوشی منانا خدا کو محبوب ہے۔

Marfat.com

بحدِ امکان پورے طور پر ان دنوں لطف اندوز ہونا چاہیے۔ اور پھر ماہ صیام میں داخل ہونا چاہیے۔ عمل کرنے والوں کو مبارک باد۔ ایام ھا کی مناجاتیں، احباب کے پاس موجود ہیں جو ان دنوں میں پڑھی جاتی ہیں۔

وقت روزہ:

طلوع آفتاب سے غروب تک کھانے پینے سے رکے رہو۔ خبردار نفسانی خواش تمہیں اس فضل سے محروم نہ کردے جو کتاب میں مقرر کیا گیا ہے۔ (کتاب اقدس)

روزہ کیا ہے؟ نفس کو تمام کھانے پینے کی چیزوں سے روکنا۔ تمباکو نوشی پینے کی چیزوں میں داخل ہے۔ انسان کو بری باتیں زبان پر نہ لانی چاہئیں۔'' (حضرت عبدالبہاء)

ان لوگوں کو روزہ معاف ہے:

مسافر، بیمار، حاملہ، حائضہ، دودھ پلانے والی، محنت شاقہ کرنے والے، ۷۰ سال سے زیادہ عمر والے۔

تجارت اور کاروبار محنت شاقہ میں داخل نہیں ہوتے۔ ۷۰ سالہ آدمی کو روزہ مطلق معاف ہے۔ کمزوری کی شرط نہیں۔ سوار مسافر کے لیے ۹ گھنٹے کا راستہ سفر ہے۔ یعنی جس مقام سے چلا ہے اور جہاں جانا ہے وہاں تک پہنچنے میں نو گھنٹے لگ جائیں گے تو ایسے شخص کو روزہ معاف ہے۔ اور اگر مسافر پیدل ہے تو دو گھنٹے سے زیادہ کا راستہ ہونے پر روزہ معاف ہے۔ جس دن سفر پر چلنا ہو، اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اگر کوئی مسافر کہیں ۱۹ دن ٹھہرنا چاہے تو روزہ رکھے۔ اگر ۱۹ دن سے کم ٹھہرنا ہو تو روزہ رکھنا واجب نہیں۔

اگر کوئی مسافر ماہ صیام میں کسی جگہ ٹھہر جائے جہاں اسے ۱۹ دن ٹھہرنا ہو تو تین دن روزہ نہ رکھے پھر باقی دنوں میں روزہ رکھے اور اگر مسافر ماہ صیام میں اپنے وطنِ اقامت میں پہنچ جائے تو پہنچنے کے دن ہی روزہ رکھے۔

ایام ماہواری میں عورتوں کو خدا نے نماز، روزہ معاف کردیا ہے۔ انہیں ایام ماہواری میں وضو کر کے روزانہ زوال کے وقت ۹۵ مرتبہ یہ ورد پڑھنا چاہیے: ''سبحان اللہ ذی الطلعۃ و

Marfat.com

الجمال ''جولوگ روزے نہ رکھیں وہ ایام صیام کے احترام میں سب کے سامنے نہ کھائیں پئیں تو اولیٰ اور بہت پسندیدہ بات ہے۔ایام صیام میں پڑھنے کی بہت سی مناجاتیں ہیں۔فرض روزوں کے سوا کسی وقت اگر کوئی روزہ رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔

عیدنوروز:

روزوں کے بعد عیدنوروز ہے جو شہر البہاء کی پہلی تاریخ کو ہوتی ہے۔''مبارک ہے وہ انسان جو اس دن اپنے حالات سے خدادادنعمت کا اظہار کرتا ہے۔وہ اپنے عمل سے خدا کے اس فضل کا شکرادا کرتا ہے جو تمام جہانوں پر محیط ہے۔'' (کتاب اقدس)

شہر البہاء تمام مہینوں کا صدر اور آغاز ہے۔اس مہینے میں تمام کائنات پر زندگی کی تازہ ہوائیں چلتی ہیں۔مبارک ہے وہ انسان جو روح وریحان سے اس کو پاتا ہے۔ہم شہادت دیتے ہیں کہ یہ انسان ان لوگوں میں شامل ہے جو زندگی میں فائز المرام ہوتے ہیں۔(کتاب اقدس)

عیدنوروز کی بہت سی الواح ومناجات ہیں جو مجلس عید میں پڑھی جاتی ہیں۔(۳۱)

زکوٰۃ:

لوح زین المقربین میں فرماتے ہیں:

زکوٰۃ کے بارے میں ہم نے حکم دے دیا ہے کہ جیسا قرآن میں نازل ہوا ہے،اس کے مطابق عمل کریں۔ (۳۲)

حج:

بہاؤ اللہ نے اپنے متبعین پر دو حج مقرر کیے ہیں۔بہائیوں پر لازم ہے کہ وہ باب اور بہاء اللہ کے گھر کی زیارت کریں۔ (۳۳)

❁ ❁ ❁

Marfat.com

حوالہ جات

۱- ہمدانی، وارث، سید، تاریخ امر بہائی (سلطنت الٰہیہ)، بہائی پبلشنگ ٹرسٹ پاکستان راولپنڈی، ۱/۱۹۹، ۲۰۰۹ء

۲- P.M. Sykes: *A History of Persia* (Vol. I & II) Macmillan & Co, 1915, 8645

۳- ایسلمنٹ، جے۔ای، بہاء اللہ و عصر جدید، بہائی پبلشنگ ٹرسٹ پاکستان راولپنڈی، ۲۷، ۲۸، ۲۰۰۲ء

۴- ایضاً

۵- بہاء اللہ کی تعلیمات، حشمت اللہ عزیزی پریس آگرہ، ۹، س۔ن۔

۶- ای۔جی۔براؤن: مقالہ شخصے سیاح، بہائی پبلشنگ کمیٹی، بہائی ہال کراچی، ۴ تا ۵، س۔ن۔

۷- بہاء اللہ کی تعلیمات، ۱۴

۸- محمد کرد علی، خطط الشام، مطبع مفید دمشق، ۶/۴، ۲۷۴-۲۷۵، ۱۳۴۷ھ

۹- مقالہ شخصے سیاح، ۱۴-۱۸

۱۰- بہاء اللہ و عصر جدید، ۳۴

۱۱- ایضاً، ۳۵ ۱۲- ایضاً، ۴۱

۱۳- Brown, E.G. *Materials of the Study of Babie Religion,* (The Episode of the Bab) : Philo Press, New York, 1930, 16-17

۱۴- بہاء اللہ و عصر جدید، ۵۰

۱۴- *Materials of the Study of Babie Religion,* (The Episode of the Bab) 16

۱۶- بہاء اللہ و عصر جدید، ۶۲

۱۷- شوقی آفندی، تمام دنیا کا دین، بہائی پبلشنگ کمیٹی، امرت الیکٹرک پریس، ۱۱، س۔ن۔

۱۸- بہاء اللہ و عصر جدید، ۷۶-۹۲ ۱۹- خطط الشام، ۶/۲۷۶

۲۰- تمام دنیا کا دین، ۱۲-۱۳ ۲۱- ایضاً، ۲۱

Marfat.com

۲۲- خطط الشام، ۶/۲۷۷

۲۳- ابوزہرہ مصری، اسلامی مذاہب، ترجمہ: غلام احمد حریری، مکتبہ کشمیر، فیصل آباد، ۳۶۶، س-ن-

۲۴- خطط الشام، ۶/۲۷۶ ۲۵- ایضاً، ۶/۲۷۶

۲۶- بہاء اللہ و عصر جدید، ۱۳-۱۴، ۱۷۳-۱۷۰، ۲۸۷،

۲۷- محمد حسین الذہبی، التفسیر و المفسرون، قاہرہ، ۲/۲۵۸، ۱۹۶۱ء

۲۸- بہاء اللہ و عصر جدید، ۲۵۰ ۲۹- تمام دنیا کا دین، ۲۷

۳۰- ادعیہ مبارک، بہائی پبلشنگ ٹرسٹ پاکستان راولپنڈی، ۱۲۵-۱۶۷، جون ۲۰۰۴ء

۳۱- محفوظ الحق علمی، جواہر احکام، بہائی پبلشنگ ٹرسٹ پاکستان راولپنڈی، ۵تا۹، س-ن-

۳۲- ایضاً، ۳۹

۳۳۔ *Baby and Bahai Religion,* Ahmedia Foreign Mission Office Rabwa, 61

Marfat.com

تالیفاتِ اساتذہ

شعبہ علومِ اسلامیہ

☆ قرآن حکیم کی روشنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت	پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
☆ ورفعنا لک ذکرک	پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
☆ خطباتِ جمعہ	پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
☆ مثالی پیغمبر	پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
☆ فقہ حنفی اور اس کی خصوصیات	پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
☆ Modern Trends in Tafsir Literature	پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
☆ مشعلِ راہ	پروفیسر ڈاکٹر ثمر فاطمہ
☆ اسلامی تہذیب وتمدن	پروفیسر ڈاکٹر ثمر فاطمہ
☆ اصول حدیث	ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر
☆ مصباح الحدیث	ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر

Marfat.com

تقابلِ ادیان میں مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ کی خدمات

ڈاکٹر حافظ محمد اسرائیل فاروقی *

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن **

مولانا ابوالوفا ثناءاللہ امرتسریؒ برصغیر کی عظیم علمی شخصیت تھے۔ ان کا شمار بیسویں صدی عیسوی کے ان اکابر علمائے کرام میں ہوتا ہے جو بیک وقت متعدد اوصاف کے حامل تھے۔

مولانا موصوف کے آباء و اجداد کشمیر کے رہنے والے تھے اور کشمیریوں کے منٹو خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ (۱) مولانا کے والد اور تایا کاروبار کے سلسلے میں امرتسر آ گئے تھے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ امرتسر میں جون ۱۸۶۸ء کو مولانا موصوف پیدا ہوئے۔ مولانا سات برس کے تھے تو والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا کچھ عرصہ بعد تایا بھی سفرِ آخرت اختیار کر گئے۔ چودھویں سال کو پہنچے تو والدہ بھی عالم جاودانی کو سدھار گئیں۔ (۲)

مولانا موصوف کو چودہ سال کی عمر میں ہی حصول علم کا شوق ہوا، اس زمانے میں امرتسر میں حضرت مولانا احمد اللہ کا سلسلہ درس جاری تھا۔ مولانا مرحوم کا شمار امرتسر کے رؤساء میں ہوتا تھا۔ مولانا ثناءاللہ امرتسری ان کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ مولانا نے وہاں کتب درسیہ میں سے علم نحو کی شرح جامی اور علم منطق کی قطبی تک کتابیں پڑھیں۔

جب امرتسر میں مختلف فنون کی کچھ کتابیں پڑھ چکے تو وزیر آباد مولانا حافظ عبدالمنانؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے علم حدیث اور دیگر کتب درسیہ کی تحصیل کی اور ۱۸۸۹ء میں سند فراغت سے

---

* پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور

** لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور

Marfat.com

بہرہ یاب ہوئے۔ (۳)

یہ وہ وقت تھا جب دہلی میں مولانا سید نذیر حسینؒ کی مشعل علم فروزاں تھی۔ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت حدیث میں گزر رہا تھا۔ (۴) شیخ الکل سے سند و اجازۃ حدیث سے بہرہ یاب ہونے کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔سہانپور سے عازم دیوبند ہوئے۔دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس پر مولانا محمود الحسنؒ فائز تھے،مولانا امرتسریؒ ان کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور ان سے معقولات و منقولات ہر قسم کی کتب درسیہ کی تکمیل کی۔کتب معقولات میں قاضی مبارک،میر زاہد سے امور عامہ،صدرا اور شمس البازغہ وغیرہ کا اور منقولات میں ہدایہ،توضیح تلویح،مسلّم الثبوت وغیرہ کا درس لیا،علاوہ ازیں ریاضی میں ''شرح چغمینی'' وغیرہ کتابیں پڑھیں،دورہ حدیث میں بھی شریک ہوئے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کی سند فراغت کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔ (۵)

مولانا موصوف بہت سی کتب کے مؤلف ہیں۔آپ کی تالیفات میں مندرجہ ذیل چار عدد تفاسیر بھی ہیں:

تفسیر القرآن بکلام الرحمن

تفسیر بیان الفرقان علی علم البیان

تفسیر بالرائے

تفسیر ثنائی

جب کسی نے قرآن،اسلام،اللہ اور اس کے رسولؐ کے بارے میں زبان کھولی یا قلم اٹھایا تو اس کی تردید و ابطال کے لیے سب سے پہلے جو سپاہی آگے بڑھا وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔آریا کے اعتراضات کا جواب مولانا نے ہی دیا۔ (۶) مولانا بڑے بڑے معرکہ آرا مناظروں میں وکیل اسلام کی حیثیت سے پیش ہوتے تھے۔ہندوستان کے جید علمائے کرام و مشائخ عظام سٹیج پر بیٹھ کر آپ کی عالمانہ گفتگو سنتے۔اس لیے کہ آپ کو آریہ،عیسائی اور قادیانی وغیرہ اپنا اصل حریف سمجھتے تھے۔

آپ اسّی سال کی عمر پا کر بروز سوموار بوقت صبح ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو اپنے خالق و مالک حقیقی سے جا ملے اور ان کے جسدِ خاکی کو قیامت تک کے لیے سرگودھا کی سرزمین نے اپنے پہلو میں چھپالیا۔اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ (۷)

Marfat.com

ان کی وفات پر مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) نے بجا طور پر لکھا تھا:

مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے، زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے پہلے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے۔[۸]

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری نے یوں تو اپنی مختلف تصنیفات میں عیسائی تاریخ وروایات اور عقائد واعمال پر بحث کی ہے تاہم انہوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔

۱) تقابل ثلاثہ ۲) توحید، تثلیث اور راہ نجات

۳) جوابات نصاریٰ ۴) اسلام اور مسیحیت

۵) تفسیر یوسف اور تحریف بائیبل اور ۶) برہان التفاسیر

مطالعۂ اہل کتاب (یہودیت وعیسائیت) کے سلسلے میں مولانا ثناء اللہؒ کی جملہ تحریروں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے ان مذاہب کی مختلف کتابوں کی تردید میں قلم اٹھایا، خاص طور پر عیسائیت کے حوالے سے ان کی تحریریں ردعمل کے ذیل میں نظر آتی ہیں۔ کیونکہ ان کا زیادہ تر مقصود اسلامی تعلیمات کا دفاع رہا ہے اس لیے عیسائیت کا بھرپور جائزہ لینا ان کے پیش نظر رہا۔

مولانا ثناء اللہؒ کی تفسیر ثنائی کے ساتھ ان کی دیگر تالیفات مثلاً تقابل ثلاثہ اور اسلام اور مسیحیت ایک ایسی کاوش ہے جو اپنے موضوع پر ازحد قابل قدر ہے۔ مولانا ثناء اللہؒ کا تعلق علماء کرام کے اس گروہ سے تھا جنہوں نے اصلاً دینی مدارس کے ماحول میں تعلیم وتربیت پائی تھی۔ مناظرات کے حوالے سے مولانا ثناء اللہؒ منفرد حیثیت کے حامل تھے۔

برصغیر میں کام کرنے والے مسیحی مبلغوں نے عیسائیت کے تعارف یا اسلام کی تردید میں جو کچھ فارسی یا اُردو میں لکھا، وہ بلاشبہ ان کی نظر میں تھا۔ انہوں نے پادری فنڈر، پادری عماد الدین، پادری صفدر علی، اکبر مسیح اور گولڈزیہر کے حوالے بھی دیئے ہیں۔

مناظرانہ انداز تالیف کے باوجود مولانا ثناء اللہؒ نے تقابل ادیان کے سلسلے میں جو مواد پیش کیا ہے، یہ اتنا اہم ہے کہ تقابل ادیان کے طلباء کے لیے ازحد مفید ہوگا۔ ترتیب جدید میں بطور حواشی عیسائی پادریوں کے وہ جواب بھی پیش نظر رکھ لیے جائیں جو انہوں نے خاص طور پر مولانا ثناء اللہؒ کی تردید میں شائع کیے، تو میرے نزدیک یہ کام مفید تر ہو جائے گا۔

Marfat.com

زیرِ نظر موضوع پر چار پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے گا:

ردِّ یہودیت، عیسائیت کی تحقیق و تردید، ہندوؤں اور آریوں کا رد، ردِّ قادیانیت

یہودیت کی تردید میں مولانا ثناء اللہ کی خدمات

قرآن مجید میں جن ''قدیم مذاہب'' کا ذکر آتا ہے ان میں ''یہودیت'' کی بہت زیادہ تفصیل بیان کی گئی ہے۔

ان کا نام الیهود اکثر ان مقامات پر ہے جہاں ان کی مذمت کا پہلو ہے، مثلاً فرمایا:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ (۹)

اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

یہود کے عقائد و نظریات اور عادات

یہود کے باطل عقائد و نظریات اور بری عادات و صفات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خوب بیان کیا ہے تاکہ مسلمان اس سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب سے بچ سکیں۔

اس کے علاوہ یہود کی تحریف شدہ توراۃ اور ان کی ایک مقدس کتاب تلمود اور ان کے جدید دور کی پروٹوکولات سے ان کے عقائد و نظریات اور عادات و خصائل پر روشنی پڑتی ہے۔ (۱۰)

اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کا عقیدہ صحف آسمانی کی تعلیمات کے برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف وہ ایسی صفات منسوب کرتے ہیں جو عام انسانوں میں پائی جاتی ہیں مثلاً: کبھی وہ اللہ کی نسبت فقر و بخل کی طرف کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ﴾ (۱۱)

اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔

کبھی وہ اسکی طرف تھکاوٹ منسوب کرتے ہیں، مثلاً:

یہودی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں آسمان اور زمین بنانے کے بعد ساتویں دن آرام کیا۔ (۱۲)

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ (۱۳)

Marfat.com

اور تحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہود کے عقائد

یہود نے مختلف انبیاء کی طرف بہت سی غلط باتیں منسوب کیں۔

مثلاً نوح علیہ السلام کے بارے میں سفر تکوین ۹/۲۰ میں لکھا ہے کہ نوح (علیہ السلام) کھیتی باڑی کرتے تھے، انہوں نے انگور بوئے، ان کی شراب بنا کر پی اور اپنے خیمے میں ننگے ہوئے۔

لوط علیہ السلام کے بارے میں سفر تکوین ۳۰ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا اور دونوں سے ایک ایک بیٹا پیدا ہوا، ہارون علیہ السلام کے بارے میں سفر تکوین (۳۲/۱-۲۰) میں لکھا ہے کہ انہوں نے بچھڑے کی پوجا کرنے کی دعوت دی تھی۔ (۱۴)

وہ انبیاء کرام کے قتل کے درپے ہوتے تھے، قرآن حکیم نے ان اس فعل شنیع کو بیان کیا:

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ﴾ (۱۵)

(ان پر ذلت و مسکنت مسلط کی گئی) اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لیے کہ وہ نافرمان اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔

جب وہ انبیاء کرام کے قتل تک کے مرتکب ہوتے تھے تو ان سے اور کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

یوم آخرت کے بارے میں یہود کا نظریہ

یہود اس وقت تک تو یوم آخرت پر صحیح ایمان رکھتے تھے جب تک وہ آسمان سے نازل کردہ شریعت پر کاربند رہے جیسا کہ طالوت اور اس کے ساتھیوں کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور اس میں ان کے ایمان بالآخرۃ اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر ایمان کا ذکر ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوا اللّٰہِ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾ (۱۶)

ان لوگوں نے کہا: جو اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں۔

لیکن ان کی محرف شدہ توراۃ حشر و نشر، جنت و دوزخ کے تذکرہ سے، سوائے چند ایک جملوں

Marfat.com

کے، خالی ہے۔

یہودیوں کا دین حنیف میں تحریف کرنا

یہودی دین حنیف میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کلام الٰہی توراۃ صحیح و سالم حالت میں ان کے پاس موجود نہیں ہے۔

تحریف شدہ توارۃ میں بعض باتیں ایسی پائی جاتی ہیں جن کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نہیں کی جاسکتی مثلاً سفر تکوین (۳۶/۳۱) میں ہے: کہ یہ وہ بادشاہ ہیں جو ارض ادوم میں بنی اسرائیل کے بادشاہ ہو گزرے ہیں۔ عربی عبارت اس طرح ہے:

وَهٰؤُلَآءِ هُمُ الْمُلُوكُ الَّذِيْنَ مَلَكُوْا فِي أَرْضِ أَدُوامَ قَبْلَ أَنْ يَّهْلِكَ مَلِكٌ لِبَنِي اِسْرَآئِيْل (۱۷)

یہ عبارت موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں ہو سکتی کیونکہ بنی اسرائیل کے بادشاہ موسیٰ علیہ السلام کے کافی عرصہ بعد آئے۔ (تقریباً ساڑھے تین صدیاں بعد)

اسی طرح سفر تثنیہ (۳۴-۵) میں موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور دفن کا ذکر ہے:

خداوند کے بندے موسیٰ علیہ السلام رب کے حکم کے مطابق مؤاب کی سرزمین میں فوت ہوئے۔ اس نے ارض مؤاب کے قرب و جوار میں بیت فغفور کے بالمقابل انہیں دفن کیا۔ کسی انسان کو آج تک ان کی قبر کی پہچان نہیں ہے۔

یہ بات موسیٰ علیہ السلام کی لکھوائی ہوئی نہیں ہو سکتی، یہ کیسے ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی موت اور دفن کا ذکر خود لکھائیں کیونکہ کوئی یہ جان ہی نہیں سکتا کہ مرنے کے بعد وہ کہاں دفن ہوگا۔ (۱۸)

خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ یہود نے جانتے بوجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے احکام میں تحریف اور تغیر و تبدل کیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (۱۹)

تم اس سے امید لگائے بیٹھے ہو کہ وہ تمہاری تصدیق کریں حالانکہ ان میں سے ایک فریق ایسا رہا ہے جو اللہ کا کلام سنتا تھا پھر اسے سمجھ لینے کے بعد بدل ڈالتا تھا اور ان کو پتہ ہوتا تھا۔

Marfat.com

مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ﴿وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ﴾[20] کے تحت لکھتے ہیں:

واضح ہو کہ کتب سابقہ، جن کی تصدیق قرآن کریم نے کی ہے، بحیثیت مجموعی یہ نہیں ہیں جو اس وقت متداول ہیں، یہ تو یہ مثل کتب تواریخ کے ہیں، اس ہمارے دعویٰ کا ثبوت ان کا موجودہ طرز ہی بتلا رہا ہے۔ توریت ابتدا سے انتہا تک، انجیل اول سے آخر تک پڑھنے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے لکھوانے والے حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح علیہما السلام کے سوا کوئی اور ہی ہیں۔ چنانچہ موسیٰ اور مسیح علیہما السلام کے بعد کے واقعات کا اس میں درج ہونا اس امر کا بین ثبوت ہے۔ ان جملوں کی موسیٰ اور مسیح علیہما السلام کو خبر تک نہیں۔ کجا یہ کہ خدا کی طرف سے ان پر الہام ہوئے ہوں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور بعد وفات کے واقعات کا ذکر بھی توریت میں مذکور ہے۔ توریت کی پانچویں کتاب استثناء میں لکھا ہے: ”سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مرگیا اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغفور کے مقابل گاڑا، آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس (۱۲۰) برس کا تھا کہ نہ اس کی آنکھیں دھندلائیں اور نہ اس کی تازگی گئی، سو بنی اسرائیل موسیٰ کے لیے موآب کے میدانوں میں تیس دن تک رویا کریں۔“[21]

رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہود نصاریٰ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات کو بچشم خود دیکھنے والے اور ایک دوسرے سے نسلاً بعد نسل سننے والے ہیں، اس پر متفق ہیں کہ حضرت ممدوح سولی دیئے گئے، گو ان کے اتفاق کے نتائج مختلف ہیں یہود کا نتیجہ بموجب تعلیم توریت استثناء ۱۳ باب فتح یابی ہے اور عیسائیوں کا نتیجہ کفارہ گناہ ہے، خیر اس کا یہاں ذکر مناسب نہیں ہماری غرض صرف یہ ہے کہ دونوں فریق اس پر متفق ہیں کہ مسیح سولی ہی دیئے گئے۔ پس ان دونوں گروہوں کے اتفاق سے یہ امر بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ حضرت مسیح موت طبعی سے نہیں مرے ورنہ ممکن نہ تھا کہ دونوں گروہوں سے ان کی موت مخفی رہتی کیونکہ یہود نصاریٰ سے زیادہ اور نصاریٰ یہودیوں سے بڑھ کر ان کے حالات کے متلاشی تھے۔ یہودیوں کی غرض یہ تھی کہ وہ کہیں ملیں تو ان کو موت کا مزہ چکھائیں“۔[22]

﴿مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ﴾[23]

Marfat.com

اس آیت کے تحت رَاعِنَا کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

راعنا کے دو معنی ہیں: 'ہم کو دیکھئے' اور 'ہمارے چرواہے' یہودی دوسرے معنی مراد لیتے اور مسلمان اول سمجھتے۔ (۲۴)

﴿وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ﴾ (۲۵)

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

موجودہ توریت کی دوسری کتاب کے بتیسویں باب میں جو لکھا کہ حضرت ہارون نے خود ہی ان کو بچھڑا بنا کر دیا تھا یہ صریح غلط ہے۔ شانِ نبوت اور شرک اجتماع ضدین؟ (۲۶)

﴿وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی﴾ (۲۷)

اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

بائیبل کی دوسری کتاب میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ برف کی مانند سفید مبروص تھا، مبروص اس بیماری کو کہتے ہیں جس میں خون کی خرابی سے چمڑا سفید ہو جاتا ہے، قرآن میں "من غیر سوء" کا لفظ بڑھا کر بائیبل کے اس لفظ کی تردید یا تصحیح کر دی گئی۔ (۲۸)

قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِ َ الْمَوْتٰی بَلٰٓی وَ اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (۲۹)

یہودیوں کی الہامی کتاب کی دوسری کتاب خروج میں مذکور ہے: "چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔" (باب ۳۱، فقرہ ۱۷) تازہ دم وہ ہوتا ہے جو تھکے اور تھکنا نقصان قدرت پر مبنی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ میں کسی کا نقصان نہیں اس لیے تورات کی اس عبارت کی اصلاح اور یہودیوں عیسائیوں کی غلطی کا اظہار کرنے کو قرآن مجید کی اس آیت میں فرمایا: ﴿وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ﴾ "خدا آسمان وزمین کو پیدا کر کے تھکا نہیں" ...... یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ (۳۰)

عیسائیت کی تحقیق وتردید میں مولانا ثناء اللہؒ کا طریقہ کار

عیسائیت کی تحقیق وتردید میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ کار "اسلام کا دفاع اور فریق مخالف کے عقائد پر تنقید اور ان کا رد" دو بنیادوں پر قائم ہے۔

Marfat.com

دفاعِ اسلام

جو آدمی گہرائی کے ساتھ عیسائی پادریوں کی کتب کا مطالعہ کرنے والا ہے اور ان کے شبہات کو پرکھنے والا ہے وہ جانتا ہے کہ ان کتب میں اسلامی اساسیات کے اصلی مفہوم کو کس طرح مسخ کر دیا گیا ہے، ہمیں تعجب و افسوس اس وقت ہوتا ہے کہ جتنی آراء انہوں نے قائم کیں سب کی تائید کے لیے قرآنی آیات کا سہارا لیا اور آیات قرآنی کی تفسیر اپنی خواہشات اور معتقدات کے مطابق کی مثلاً پادری برکت اللہ کی عبارات کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> اسلام والوں کا رب خوفناک صفات سے متصف ہے کیونکہ وہ قہار و جبار ہے۔ اس کا اپنی مخلوق کے ساتھ باپ اور بیٹے والا تعلّق نہیں ہے جیسے عیسائیت میں ہے بلکہ وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ جب کہ انجیل میں ہے کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عالم سے محبت کی یہاں تک کہ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کر دیا تا کہ اس پر ایمان لانے والا کوئی ہلاک نہ ہو بلکہ اس کے لیے ابدی زندگی ہو۔[۳۱]

یہیں سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ اسلام کی صحیح ترجمانی کی طرف متوجہ ہوئے اور قرآن کی صحیح تشریح فرمائی تا کہ جو گندگی اس پر ڈالی گئی ہے ان سے اسلام کو پاک وصاف کر دیں اور اسی سے ہی مدمقابل کی دلیل کا فساد و بطلان واضح ہو جاتا تھا۔

فریق مخالف کے عقائد پر تنقید

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں خالق، مخلوق کے درمیان جو تعلّق ہے وہ محبت پر قائم ہے اور اس بارے میں بے شمار قرآنی آیات موجود ہیں۔ مثلاً:

۱) ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[۳۲]

بے شک اللہ بندوں کے ساتھ بہت زیادہ شفقت و رحم کرنے والا ہے۔

۲) ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾[۳۳]

کچھ شک نہیں اللہ لوگوں پر مہربانی رکھتا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

۳) ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ﴾[۳۴]

بے شک تمہارا پروردگار لوگوں کو باوجود اُن کی بے انصافیوں کے معاف کرنے والا ہے۔

Marfat.com

۴) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (۳۵)

اللہ، کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا اور اگر نیکی (کی) ہو گی تو اُس کو دو چند کر دے گا اور اپنے ہاں سے اجرِ عظیم بخشے گا۔

بندوں کے ساتھ اللہ کی محبت کے دلائل بیان کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا پادری (برکت اللہ) صاحب نے اپنی آنکھیں ان آیات سے کیوں پھیر لیں۔ اور مولانا نے پادری سے انجیل کی درج ذیل عبارت کی تشریح طلب کی مثلاً:

''جس آدمی نے اپنے بھائی سے کہا کہ اے بیوقوف اس نے جہنّم کو واجب کر لیا۔'' (۳۶)

بڑا تعجب ہے جب کوئی اپنے بھائی کو بیوقوف کہہ دے اُس کا ٹھکانہ جہنّم ہے۔ یقیناً اللہ کی محبت پر عیسائیت میں یہ بڑی پختہ دلیل ہے۔ اب میں بتاتا ہوں اسلام والوں کا رب کیا کہتا ہے:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (۳۷)

اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو! کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا۔ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

مولانا اس خیال اور عقیدہ کی تردید میں متعدد آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں مثلا:

اسی طرح پادری برکت اللہ نے اخوت اسلام پر اعتراض کیا اور کہا:

انجیل کی اخوت انسانی اخوت ہے جب کہ قرآنی اخوت اسلامی اخوت ہے جو فقط مسلمانوں تک محدود ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ باپ اللہ پوری انسانیت کا باپ ہے، اس نے اس کو اپنے اکلوتے بیٹے پر ترجیح دی۔ (۳۸)

مولانا نے اس دعویٰ کو تحریر کرنے کے بعد اخوت اسلام کی تشریح کرتے ہوئے ثابت کیا کہ کیا اخوت انسانی اخوت ہے؟ اور بطور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کیا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى ﴾ (۳۹)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

Marfat.com

جب کہ انجیل تو واضح طور پر نسل پرستی کی دعوت دیتی ہے اور انسان کو ایسے ایسے بُرے کلمات کے ساتھ ذکر کرتی ہے جنہیں زبان سے ادا کرنا گوارہ نہیں اور کان سننا گوارہ نہیں لیکن میں مجبور ہوں۔ تمہیں بتا دیتا ہوں:

پھر یسوع وہاں سے نکلا اور صور اور صیدا علاقہ کی طرف چل پڑا۔ اچانک وہاں خیمہ سے ایک عورت نکلی اور چیخ کر پکارا اے سید! اے داؤد کے بیٹے! مجھ پر رحم فرما! میری بیٹی بہت سخت پاگل پن کا شکار ہے لیکن اُس (یسوع) نے کچھ جواب نہ دیا، اُس (یسوع) کے شاگرد آگے بڑھے اور کہا آپ وہاں تشریف لے چلیں وہ ہمیں پیچھے سے پکار رہی ہے تو اس نے جواب دیا۔ میں تو صرف عمدہ و اعلیٰ نسل کے اسرائیلیوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ پس وہ عورت آئی اور اس نے سجدہ کرتے ہوئے کہا اے سردار میری مدد فرما۔ اس (یسوع) نے جواب دیا (یہ نیکی نہیں ہے کہ) یا نیکی اس بات کا نام نہیں ہے کہ بیٹوں کی روٹیاں چھین لی جائیں اور کتوں کو ڈال دی جائیں۔ (۴۰)

اِس تحریر کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پادری کو چیلنج کیا وہ اور اس کے حواری قرآن کو پڑھیں اور غور سے پرکھیں کہ کہیں پر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول نے غیر قریشیوں کا نام کتا رکھا ہو یا اسی طرح کا کوئی اور نام۔

قرآن مجید ہلاکت و فساد اور لوگوں کو آپس میں لڑانے کی دعوت دیتا ہے جب کہ اناجیل امن و سلامتی پر ابھارتی ہیں۔ مولاناؒ نے پہلے اسلام میں جہاد کے اسباب کی وضاحت کی اور اِس کے اہداف ذکر کیے پھر انجیل کی طرف متوجہ ہو کر پادری سے مسیح کی درج ذیل عبارت کی تشریح طلب کی:

تم یہ خیال نہ کرو کہ میں زمین میں سلامتی پھیلانے کے لیے آیا ہوں، میں سلامتی پھیلانے کے لیے نہیں بلکہ تلوار کو عام کرنے کے لیے آیا ہوں۔ میں اس لیے آیا ہوں تا کہ انسان کو اس کے باپ کے خلاف اور بیٹی کو اس کی ماں کے خلاف اور عورت کو اس کے شوہر کے خلاف کھڑا کر دوں۔ (۴۱)

جب کہ قرآن تو دشمنوں کے لیے بھی سلامتی کا پیغام دیتا ہے، جب وہ سلامتی کی طرف مائل ہو جائیں۔ قرآن کی بات کو سنیے:

Marfat.com

﴿ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ (۴۲)

اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔

تو جنابِ من دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ امن و سلامتی کے داعی ہونے کا زیادہ حقدار ہے؟

ایک کتاب بنام عدم ضرورت قرآن میں ایک تو قرآن کے وحی ہونے کا انکار کیا گیا اور پھر یہ گل افشانی کی کہ لوگوں کو اس کی ضرورت نہیں۔ مولاناؒ اس کتاب کی تردید کی طرف متوجہ ہوئے اور کتاب تقابل ثلاثہ تحریر کی۔ تمہیداً قرآن کے وحی ہونے کے اثبات کے لیے پہلی چند بنیادی باتیں ذکر کیں اور وہ یہ کہ یہ کتاب وحی الٰہی پر مبنی ہے، پھر قرآن مجید کی وہ آیات جن سے قرآن کا وحی ہونا واضح ہوتا ان کی تشریح کی اور توراۃ، اناجیل کا بغور مطالعہ کیا تو ان کو اس دعویٰ میں خالی پایا۔ اس لیے مولاناؒ نے ایک قاری کے لیے تین کتابوں کے دعوؤں کو ایک نقشہ کی شکل میں پیش کر دیا۔

اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی بیان پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ نقد و تبصرہ کر کے یہ ثابت کیا کہ انجیل میں معاملہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ جب کہ اناجیل و توراۃ اس بات کی گواہ ہیں کہ یہ انسانی روایات ہیں وحی شدہ کتب نہیں۔ (۴۳)

اس دعویٰ کو مقرر کرنے کے بعد مولاناؒ فرماتے ہیں:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید نے ان کے منزل من اللہ ہونے کا اقرار کیا ہے لیکن وہ اپنے اوقات میں اصلی تھیں اور قرآن مجید یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اب محرف و مبدل ہو چکی ہیں اور توراۃ و انجیل میں ایسی باتیں ملتی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ وہ کلمات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اونچی آواز سے پہاڑ پر آگ و بادل و گھٹا کے درمیان سے تمہاری جماعت سے کلام کیا تھا۔ اس کو زیادہ نہیں کیا اور پتھر کی سِلوں پر لکھا اور پھر مجھے دے دی۔ (۴۴)

اسی طرح انجیل میں بھی ایسی چیزیں جو اس کے انسانی روایات ہونے پر دلالت کرتی ہیں یا کسی مؤلف کی تالیف ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔ یہ ہے وہ شاگرد جو اس کی گواہی دیتا ہے اور اس نے اس کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس نے اس کے بارے میں جو گواہی دی ہے وہ برحق ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کام یسوع نے کیے ہیں اگر میں اس کو ایک ایک کر کے لکھنا شروع کر دوں۔ میرا خیال ہے جو شخص اس کو ذاتی طور پر جاننے والا (جتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اتنی مزید) کتابیں لکھنے کی وہ گنجائش نہیں رکھتا۔ (۴۵)

ان نصوص کو بیان کرنے کے بعد مولاناؒ فرماتے ہیں جو چیز (کتب) یہود و نصاریٰ کی طرف

Marfat.com

نازل کی گئی تھی وہ تاریخی روایات کے ساتھ خلط ملط ہوگئی ہیں اور ان کو موسیٰ علیہ السلام کے اقوال وافعال لکھنے والوں نے لکھا کیونکہ یہ کتابیں موسیٰ وعیسیٰ علیہما الصلوۃ والسلام کی زندگیوں کے بعد کے واقعات کو بھی بیان کررہی ہیں۔

اسی بنیاد پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہود ونصاریٰ کی حالیہ کتابیں (توراۃ و انجیل) وہ کتابیں نہیں ہیں جو موسیٰ وعیسیٰ علیہما الصلوۃ والسلام کی طرف نازل کی گئی تھیں۔ یہی وہ (تحریف وتبدل) ہے جس کے بارے میں قرآن مجید نے خبر دی ہے۔ یہ کتب مقدسہ کی نصوص پر مولاناؒ کے تنقیدی جائزہ تھا جس سے مولاناؒ نے اپنے مخالفین کے خلاف استدلال اور اسلام اور قرآن کی حقانیت کو ثابت کیا اور اپنے فریق مخالف کو اعتراضات سے پھیر کر دفاع پر مجبور کر دیا۔ (۴۶)

ہندوؤں اور آریوں کا ردّ

ہندوستان میں آریہ قوم نے برخلاف دستور ہندوؤں کے شدھی کا رواج دیا جس سے مطلب ان کا یہ تھا کہ غیر ہندوؤں کو ہندو بنایا جائے۔ اس تحریک سے ہندو اور مسلمان میں جو بدمزگی پیدا ہوئی جو باہمی جنگ وفساد تک نوبت پہنچی۔ اس باہمی جنگ میں ہندوؤں نے طریق جنگ یہ اختیار کیا کہ مسلمان جب ان پر حملہ آور ہوں تو وہ اپنے مکانوں پر سے ان پر اینٹیں برسائیں اور خود دیوار کی اوٹ میں چھپے رہیں۔ (۴۷)

اس زمانہ میں آریوں نے جو شدھی کی تحریک جاری کی جس کی وجہ سے ملک میں بڑے فساد ہوئے اور اس پر آریوں کو بڑا ناز ہے کہ ہم تو مسلمانوں کو مرتد کرنے میں بڑے کامیاب ہوں گے۔ اس کے لیے انہوں نے اور بھی طریقے اختیار کیے۔

ایسے لوگوں کی طرف اشارہ سورۃ الانفال میں بھی ملتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ﴾ (۴۸)

کافر لوگ مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں، وہ مال ان پر حسرت ہوگا، پھر مغلوب ہوجائیں گے اور کافر جہنّم میں جمع کیے جائیں گے۔

جو کتابیں انہوں نے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفت میں لکھیں مولانا نے ان کے جواب بھی تصنیفات کی شکل میں دیئے لیکن نہایت مدلل اور انتہائی متانت وتہذیب کے ساتھ تحریر کیا

Marfat.com

ان تصنیفات میں ایک کتاب مقدس رسول ہے جو مولانا نے رنگیلا رسول کے جواب میں لکھی۔ یہ دراصل آریہ سماجی لیڈر چھوپتی ایم اے (پروفیسر ڈی، اے، وی کالج لاہور) کی تصنیف تھی جو لاہور کے مہاشہ راجپال نے اپنی تصنیف ظاہر کر کے شائع کی، مہاشہ راجپال ہی اس کا ناشر تھا۔

حکومت ہند نے مسلمانوں کے خلاف ایک اور بہت بڑا محاذ آریہ سماج کی صورت میں شروع کیا۔ جس کی قیادت ایک چالاک، شاطر اور متعصب ہندو سوامی دیانند سرسوتی کے سپرد کی، جس نے چالاک لومڑی کی طرح ہندو دھرم کی مذہبی کتابوں، ویدوں اور شاستروں وغیرہ کو حالات حاضرہ کے مطابق اس غرض سے تھوڑا بہت ردو بدل کرنا شروع کیا تاکہ کوئی ہندو مسلمان نہ ہو سکے۔ اس شخص کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ ہندو مذہب کی جڑیں کھوکھلی کرنے والا مذہب صرف اسلام ہی ہے۔ اس لیے اس نے اپنے ہم مذہب ہندوؤں سے تو نوراکشتی کا انداز اپنایا مگر اسلام کے خلاف اس نے خوب زہر اُگلا۔

تالیفات ردّ آریہ مذہب

شیخ الاسلام ثناء اللہؒ کا زبردست علمی وفکری سرمایہ ان کی وہ کتب ہیں جو انہوں نے ہندو مذہب کی تردید میں تالیف کیں۔ ان میں آپ نے ہندو مذہب کا پورا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ (۴۹)

ان کتب کا گہرائی (دقیق نظر) سے مطالعہ کرنے سے یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ مولانا ثناء اللہؒ نے فروعات میں الجھنے کی بجائے بنیادی عقائد و نظریات کے بارے میں بحث کی ہے۔ ہندوازم پر ریسرچ کے لیے آپ کی یہ کتب بحث و مناظرہ کی پیاس کو بجھا دیتی ہیں اور سکالرز کے لیے معلومات و معرفت کو اور زیادہ وسیع کر دیتی ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوازم کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ تقابل ادیان کے محققین کے لیے ان کتب میں کامل علمی خزانہ موجود ہے۔

فرق باطلہ کا ردّ

آپ نے ردِ قادیانیت کے سلسلے میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ۱۲۶۱ھ میں پیدا ہوئے، آہستہ آہستہ سلسلہ وار نبوت تک پہنچے اس لیے انہوں نے اسی آیت: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. (الاحزاب ۳۳: ۴۰) کو اجرائے نبوت کے لیے بطور استدلال پیش کر کے اپنی نبوت کا ثبوت دیا چنانچہ لکھتے ہیں: اپنی ختم رسالت کا نشان قائم رکھنے کے لیے یہ چاہا کہ فیض وحی آپ کی پیروی کے وسیلہ سے

Marfat.com

ملے اور جو شخص امتی نہ ہو اس پر وحی الٰہی کا دروازہ بند ہو سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو خاتم انبیاء ٹھہرایا لہٰذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی کہ جو شخص سچّی پیروی سے اپنا امتی ہونا ثابت نہ کرے اور آپ کی متابعت میں اپنا وجود محو نہ کرے ایسا ہی انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پا سکتا ہے اور نہ کامل ملھم ہو سکتا ہے کیونکہ مستقل نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہوگئی ہے مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی تا کہ انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو اور تا کہ یہ نشان دنیا سے مٹ نہ جاوے کہ آنحضرتؐ کی ہمت نے قیامت تک یہی چاہا کہ مکانات اور مخاطبات الٰہیہ کے دروازے کھلے رہیں اور معرت الٰہیہ جو مدار نجات ہے مفقود نہ ہو جائے۔ (۵۰)

مرزا صاحب اپنی نبوت کا ثبوت اس طرح دیتے ہیں:

جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لیے کہتے ہیں کہ اس شخص (مرزا) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ یہ ان کا سراسر افترا ہے بلکہ جس نبوت کا دعویٰ کرنا قرآن شریف کی رو سے منع معلوم ہوتا ہے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا گیا صرف یہ دعویٰ ہے کہ ایک پہلو سے میں امتی ہوں اور ایک پہلو سے میں آنحضرتؐ کے فیض نبوت کی وجہ سے نبی ہوں اور نبی سے مراد صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالیٰ سے بکثرت شرف مکالمہ و مخاطبہ پاتا ہوں بات یہ ہے کہ جیسا مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اگر چہ اس امت کے بعض افراد مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں اور قیامت تک مخصوص رہیں گے لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کیے جائیں وہ نبی کہلاتا ہے۔ (۵۱)

اب واضح ہوا کہ احادیث نبویہ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ کی امت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا اور نبی کے نام سے موسوم کیا جائے گا یعنی اس کثرت سے مکالمہ و مخاطبہ کا شرف اس کو حاصل ہوگا اور اس کثرت سے امور غیبیہ اس پر ظاہر ہوں گے کہ بجز نبی کے کسی پر ظاہر نہیں ہو سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ (۵۲)

یعنی خدا اپنے غیب پر کسی کو پوری قدرت اور غلبہ نہیں بخشتا جو کثرت اور صفائی سے حاصل ہو سکتا ہے بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو اور یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جس قدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو

Marfat.com

آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔ اگر کوئی منکر ہو تو بارِ ثبوت اس کی گردن پر ہے غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں نہیں پائی جاتی۔ (۵۳)

اس عبارت سے بالکل روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے امور غیبیہ پر اطلاع پانے کی وجہ سے اپنے آپ کو نبی کے نام کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب کے بتائے ہوئے بہت سے امور غیبیہ غلط ثابت ہوئے۔ محمدی بیگم سے نکاح اور انجام آتھم کی پیش گوئی اس کی واضح مثالیں ہیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے مرزائیت کے عقائد باطلہ کا تعاقب ہمہ جہت کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا تحفظ کیا ہے (فجزاہ اللہ خیراً)

خصوصیات تصانیف

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی اہم تر خصوصیات یہ ہیں کہ ان میں گرفت اتنی ٹھوس اور برمحل ہوتی تھی کہ حریف خواہ کتنے ہی ہاتھ پاؤں مارے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوتی تھی، مطلب بالکل واضح اور دوٹوک ہوتا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ دقیق سے دقیق مضمون صرف چند آسان سطروں میں بیان کر دیتے تھے اور وہ بھی اتنی وضاحت اور جامعیت کے ساتھ کہ سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی تھی۔ پھر جگہ جگہ پر ظریفانہ الفاظ یا جملے اور برمحل اشعار۔ تحریر کی لطافت اور شگفتگی کو چار چاند لگا دیتے تھے۔ اور فریق مخالف کی ہرزہ سرائیوں کے جواب میں کوئی ایسا برمحل شعر نقل کر دیتے یا ایسا ظریفانہ جملہ استعمال کر دیتے کہ شرف و وقار پر آنچ بھی نہ آتی اور پڑھنے والا پھڑک اٹھتا۔ مولانا عبدالمجید سوہدروی نے کس قدر بجا فرمایا ہے:

انداز تکلم کی طرح آپ کا طرزِ تحریر بھی بہت شیریں، نرم، جاذب، دلچسپ اور مؤثر تھا کیا مجال کہ کوئی لفظ پایہ ثقافت سے گر جائے، اعدائے بد باطن کی ناپاک کتابوں کے جواب ایسی حلاوت، لینت اور خلق و تہذیب سے لکھے کہ مخالف بھی عش عش کرا ٹھے۔ چنانچہ 'رنگیلا رسول'

Marfat.com

ایسی دلآزار کتاب کا جواب مقدس رسول کے نام سے تحریر فرمایا۔ اور اس انداز میں کہ دشمن بھی داد دینے پر مجبور ہو گئے کہ ''اسلام فی الواقع تہذیب و اخلاق، حلم و محبت کا سرمایہ دار ہے اور ہندو دھرم یکسر اس سے خالی ہے''۔ اسی طرح پنڈت دیانند کی کتاب ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کا جواب حق پرکاش کے نام سے لکھا اور اسلام کے روایتی اخلاق کو اجاگر کر کے ثابت کر دیا کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم زہر کا جواب شہد سے دیتا ہے۔ (۵۴)

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے شرعی دلائل و شواہد کی روشنی میں بھی اور خود مرزا صاحب کے بتلائے ہوئے طریقہ تحقیق کے مطابق بھی ان کے دعاوی کو خوب خوب جانچا، لیکن انہیں ہر معیار پر کھوٹا، غلط اور پر فریب پایا۔

دوسری طرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے مرزا صاحب کے دعاوی کی بابت بحث و مباحثہ کا سلسلہ خاصی گرمجوشی کے ساتھ جاری کر رکھا تھا۔ مولانا نے تعلیم سے فارغ ہو کر مرزا صاحب کی تردید کا محاذ سنبھال لیا تھا۔

مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں کتاب انجام آتھم لکھی، اس میں اپنے مکذبین پر بری طرح برسے، چنانچہ لکھتے ہیں:

> اے بدذات فرقہ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے؟ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت چھوڑو گے؟ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا، وہی عوام کالانعام کو پلایا۔ (۵۵)

اسی سلسلہ میں آگے چل کر مرزا صاحب نے اپنے اشد اور نامی مخالفین میں مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو بہ پہلو مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی لکھا ہے اور ان تینوں کی بابت ارشاد فرمایا:

> یہ جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھاتے ہیں۔ (۵۶)

اس کتاب کے صفحہ ۲۰ کے حاشیہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف سے پہلے ہی مرزائیت کی تردید میں مولانا امرتسری کی سرگرمیاں اس مقام پر پہنچ چکی تھیں کہ مرزا صاحب اور مولانا امرتسری کے درمیان مباہلہ کے لیے سلسلہ جنبانی اور خط و کتابت کا آغاز ہو چکا تھا۔ پھر مرزا صاحب نے

Marfat.com

مولانا امرتسری اور دیگر علماء کرام کو دعوت مباہلہ دی۔ یہ الگ بات ہے کہ جب یہ علماء مباہلہ کے لیے مد مقابل آئے تو مرزا صاحب صاف مکر گئے۔

اسی طرح ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار کے ذریعہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ اور مولانا امرتسری کو دعوت دی۔ (۵۷)

میرے مد مقابل سات گھنٹہ زانو بزانوں بیٹھ کر چالیس آیات قرآنی کی عربی تفسیر لکھیں۔ جو بتقطیع کلاں بیس ورق سے کم نہ ہو۔ پھر جس کی تفسیر عمدہ ہوگی وہ مؤید من اللہ سمجھا جائے گا۔ (۵۸)

اس مقابلہ تفسیر نویسی کی روداد نہایت دلچسپ ہے۔ لاہور میں مقررہ مقام پر مولانا امرتسری اور دیگر علماء تشریف لائے۔ لیکن مرزا صاحب قادیان میں گھر کے اندر ہی دبک کر بیٹھ رہے اور وہیں سے علماء اسلام کے فرار کا اشتہار شائع کر دیا۔

ان چند متفرق واقعات سے مولانا امرتسری کی اس ٹھوس جدوجہد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے ردّ قادیانیت کے سلسلے میں اس فتنے کی نمود وظہور کے ابتدائی ایام ہی سے اختیار کر رکھی تھی۔

ردقادیانیت پر آپ کی متعدد تصانیف ہیں مثلاً:

ماہنامہ مرقع قادیانی، صحیفہ محبوبیہ، فتح ربّانی - مباحثہ قادیانی، نکاح مرزا، تاریخ مرزا، شہادات، مرزا ملقب بہ عشرۂ مرزائیہ وغیرہ۔

مناظرے

مولانا کے سوانح نگار مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی مرحوم نے سیرت ثنائی میں آپ کے مناظروں کی دس خصوصیات قلمبند کی ہیں۔ اگرچہ تمام خصوصیات کی جامع نہیں ہیں۔ لیکن ان سے بڑی حد تک ایک اجمالی خاکہ سامنے آجاتا ہے، مولانا لکھتے ہیں:

آپ کے مناظروں میں جو خصوصیات ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور جو خصوصیات دیگر مناظرین میں بہت کم پائیں وہ درج ذیل ہیں:

۱) آپ فریق ثانی کی کبھی تحقیر یا تذلیل نہ کرتے بلکہ عزت کرتے اور کشادہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔

۲) اعتراض یا جواب میں آپ کے الفاظ ہمیشہ مختصر ہوتے مگر پُر معنی اور پُر مغز ہوتے۔

۳) دقیق سے دقیق مفہوم کو بھی عام فہم طریق پر بیان کرتے اور شعر و اشعار سے اس میں رنگینی پیدا

Marfat.com

کرنے کا آپ کو خاص ملکہ تھا۔

۴) حاضر جوابی تو گویا آپ پر ختم تھی۔ آپ جیسا حاضر جواب کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

۵) آپ پر کسی مناظرہ میں کبھی کوئی گھبراہٹ واقع نہیں ہوئی بلکہ آپ مناظرہ نہایت طمانیت سے ہنس ہنس کر کیا کرتے تھے۔

۶) مناظرہ میں آپ کا انداز ہمیشہ عالمانہ رہا، عامیانہ انداز کبھی اختیار نہیں فرمایا۔

۷) آپ فریق ثانی کو بحث سے کبھی باہر نہ جانے دیتے اور گھیر گھار کر اصل بحث پر لے آیا کرتے تھے۔

۸) آپ مناظرہ میں اصول مناظرہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے اور دیگر علوم وفنون کی طرح مناظرہ بھی علم مناظرہ کے اصول پر کرتے تھے۔

۹) شرائط مناظرہ میں آپ نے ہمیشہ فراخ دلی سے کام لیا اور بارہا فریق ثانی کی ناجائز سے ناجائز شرط کو بھی قبول کرلیا کہ کہیں وہ اس بہانہ سے راہ فرار اختیار نہ کرے۔

۱۰) آپ نے میدان مناظرہ میں کبھی کوئی الزام یا جواب بلاحوالہ یا خلاف حوالہ پیش نہیں کیا۔ بلکہ جو بات کی ہمیشہ دلائل ہی سے کی۔" (۵۹)

قادیانیت ایک باطل گروہ

انیسویں صدی کے آخر میں برصغیر میں اسلام دشمن طاقتوں نے ایسے ہی گمراہ کن فرقے بنائے جنہوں نے مسلمانوں کو اپنے کفریہ عقائد کا ہمنوا بنانے کے لیے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ ان میں خاص طور پر قادیانی تحریک کو انگریز حکومت نے اپنی سرکاری سرپرستی سے اسلام کے خلاف ہمہ پہلو "مسلح" کیا۔ درحقیقت مرزائے قادیان اور اس کے سرپرست مسلمانان ہند کی مذہبی و تعلیمی اور سیاسی بیداری سے گھبرا چکے تھے اور ان کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ اہل اسلام ہمارے قبیح مقاصد کبھی پورے نہ ہونے دیں گے اس لیے انگریزوں نے ہندوستانی نبی اور اُس کے پیروکار تیار کرنا شروع کیے اور ان کے لیے مال و دولت و دیگر وسائل حکومیہ کے انبار لگا دیئے۔

چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا:

مَنْ دَخَلَ فِیْ جَمَاعَتِیْ دَخَلَ فِیْ صَحَابَةِ سَیِّدِیْ خَیْرِ الْمُرْسَلِیْنَ (۶۰)

اس نے حیات مسیح اور رفع مسیح کے اجماعی عقیدے کو تبدیل کر دیا۔ جب کہ اہل اسلام کا بالا

Marfat.com

جماع یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ زندہ آسمانوں پر اٹھا لیے گئے ہیں اور قرب قیامت دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے لہٰذا ابتدا میں مرزا نے جب اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' تالیف کی تو اس میں یہی عقیدہ درج کیا، لکھتے ہیں:

اور جب حضرت عیسیٰؑ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا۔ (۶۱)

پھر اس عقیدے میں اتنی سخت تبدیلیاں کیں کہ ''حیات عیسیٰ'' کو ماننا شرک قرار دیا تو کہیں ''احمدیوں'' اور ''غیر احمدیوں'' کے درمیان قول فیصل۔ لکھتے ہیں:

حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر زندہ ماننا شرک ہے۔ (۶۲)

اور پھر لکھتے ہیں:

ہمارے مخالفین کے صدق وکذب کو آزمانے کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی حیات اور وفات ہے۔ اگر درحقیقت حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں تو ہمارے سب دعوے جھوٹے اور سب دلائل ہیچ ہیں اور اگر وہ درحقیقت قرآن کی رو سے فوت شدہ ہیں تو ہمارے مخالف باطل پر ہیں۔ (۶۳)

پھر ۱۸۹۱ء میں رسالہ ''فتح اسلام'' اور ''توضیح مرام'' میں یہ اعلان کیا کہ عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں اور جو آنے والا ہے وہ میں ہوں، پھر ان کی قبر کی نشاندہی کبھی شام میں اور کبھی سرینگر کی۔ (۶۴)

انگریز سے وفاداری

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں:

میں نے بیسیوں کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے...... اور جو لوگ میرے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں وہ ایک ایسی جماعت تیار ہوتی جاتی ہے کہ جن کے دل اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی سے لبریز ہیں'' (۶۵) ''پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں سرکار انگریز کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات کے روکنے کے لیے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے اور پوری استقامت سے کام لیا گیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے مخالف ہیں کوئی نظیر ہے؟ کوئی نہیں۔ (۶۶)

Marfat.com

مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قادیانی جماعت نے انگریزی حکومت کے لیے بہترین جاسوس تیار کیے جنھوں نے انگریز کے لیے بڑی خدمات انجام دیں حتیٰ کہ جان کی قربانی بھی دینے تک سے دریغ نہیں کیا جیسا کہ ''عبداللطیف قادیانی'' جسے افغانستان کی حکومت نے قادیانی مذہب کی تبلیغ اور مخالفت جہاد کی پاداش میں قتل کیا، ایسے ہی ''ملا عبدالحلیم قادیانی'' اور ملا نور علی قادیانی اسی انگریز حکومت کے لیے افغانستان میں موت کے گھاٹ اترے۔ یہ دونوں برطانوی حکومت کے ایجنٹ تھے اور حکومت افغانستان کے خلاف سازشوں میں مصروف عمل تھے۔ افغانستان کے وزیر داخلہ کا بیان ۱۹۲۵ء، اور اس کی گواہی اخبار الفضل ۳ مارچ ۱۹۲۵ء نے دی جس میں اُن کی اس قربانی پر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ (٦٧)

ہندوستان کے علماء اور ارباب فکر ونظر نے اس قادیانی فتنے کو بہت اندیشے کی نگاہ سے دیکھا اور زبان وقلم اور علم کے ہتھیاروں سے اس فتنہ کی جڑ کاٹنے کی پوری پوری کوششیں کیں...... ان مجاہدین اسلام میں سرفہرست ان چار حضرات کے نام ہیں: مولانا محمد حسین بٹالویؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا انور شاہ کاشمیریؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) اور ابوالحسن علی ندویؒ۔ (٦٨)

منصبِ نبوت کا تقاضا

روزِ اوّل سے منصب نبوت کا ہمیشہ یہ تقاضا رہا ہے کہ ہر رسول نے اپنی امت کو آنے والے نبی کی خوشخبری دی۔ چنانچہ اسی عہد کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دی اور آپ ﷺ کی بعثت کے بعد ''نبوت کی آمد'' کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں قصر نبوت کی آخری اینٹ ہوں'' اگر آپ ﷺ کے بعد نبوت جاری رہتی تو ضرور آپ نبی کے آنے کا اعلان فرما دیتے۔ ختم نبوت کا حقیقی معنی آپ ﷺ نے خود متعین فرما دیا ہے: ((اَنَـا خَـاتِـمُ النَّبِیِّـیْنَ لَا نَبِـیَّ بَـعْدِیْ)) مگر مرزا صاحب نے اپنی جھوٹی نبوت ثابت کرنے کے لیے اس معنی کی لایعنی تاویلات کیں۔ مگر اپنی ''نبوت'' کے لیے یہ پسند کرتے ہیں کہ ''میرے بعد کوئی نہیں آئے گا'' ایسا کیوں ہے اگر مرزا صاحب ''نبی'' بن سکتے ہیں تو اُن کے علاوہ ان سے بہتر تعلیم یافتہ، باصلاحیت، بلند اخلاق وکردار کا مالک نبی کیوں نہیں بن سکتا؟ اس کا جواب قادیانی گروہوں کے ذمہ ہے۔ ہم مرزا

Marfat.com

صاحب اوران کی جماعت کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ اپنی جھوٹی نبوت کو مشتہر کرنے کے لیے قرآن وسنت پر اپنا قبضہ جمائیں۔ اہل اسلام ان کا یہ خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہونے دیں گے (ان شاء اللہ) کیونکہ مرزائی اہل اسلام اور اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر سازش کے بنیادی کردار ہیں۔

قادیانی امت مرزا صاحب کو ''عین محمد'' سمجھتی ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ نام، کام، مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے مرزا صاحب اور محمد رسول اللہ کے درمیان کوئی نہیں ہے۔ قادیانی مرزا غلام احمد کو وہ تمام اوصاف والقاب اور مرتبہ ومقام دیتے ہیں جو اہل اسلام کے نزدیک صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر بقول ان کے مرزا صاحب کی ''بروزی بعثت'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل بعثت سے روحانیت میں اعلیٰ واکمل ہے، آنحضرتؐ کا زمانہ روحانی ترقیات کی ابتدا کا زمانہ تھا اور مرزا صاحب کا زمانہ ان ترقیات کی انتہا کا ہے۔ خلاصہ یہ کہ قادیانیوں کے نزدیک نہ صرف مرزا صاحب کی شکل میں محمد رسول اللہ خود دوبارہ تشریف لائے ہیں بلکہ مرزا غلام مرتضیٰ کے گھر پیدا ہونے والا قادیانی ''محمد رسول اللہ'' اصلی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اپنی شان میں بڑھ کر ہے۔

نبوت انسانی ترقی وکمال کا آخری زینہ اور انسانیت کی معراج اس لیے ہوتی ہے کہ رسولؑ اپنے زمانہ میں ہر لحاظ سے بہترین اور بلند ہوتا ہے، اس کی خوبیوں اور محاسن میں کوئی شخص اس کا مقابل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسولؑ کی زندگی کو ماننے والوں کے لیے کامل نمونہ قرار دیا اور خاص طور پر آخری رسولؐ و نبی محمدؐ کی حیات طیبہ کو امت مسلمہ کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا۔ آپ کی شخصیت اتنی صاف ستھری اور منور تھی کہ آپ جملہ انبیاء سے افضل قرار دیے گئے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے خودساختہ الہامات کے اعلان کے بعد اپنے اخلاق وکردار کے حوالے سے اس بُری طرح پہچانے گئے کہ کوئی بھی ذی شعور انسان اُسے نبی ماننا تو درکنار ایک شریف انسان ماننے کے لیے بھی تیار نہیں۔ علمائے حق شروع دن سے ہی ملت اسلامیہ کو فتنہ قادیانیت کے مکروہ نتائج سے آگاہ کرتے آرہے ہیں اور ہر کارواں یوں ہی اپنی کامیابیوں کی منزلوں پر رواں دواں رہے گا۔ لہٰذا ان کے فتنہ انگیز مقاصد کے خاتمہ کے لیے افرادِ اُمت مسلمہ کی علمی وعملی تربیت بہت ضروری ہے۔

Marfat.com

حوالے اور حواشی

۱۔ مولانا فضل الرحمٰن، ثناء اللہ امرتسری، دارالدعوۃ السلفیہ لاہور، طبع دوم ۱۹۸۶ء، ۲۸
۲۔ عبدالرشید عراقی، سیرۃ ابو لوفاء ۱۸ ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ طبع اوّل ۱۹۸۴ء، ابو یحییٰ، امام خان نوشہروی آثار ابی الوفاء ثناء اللہ ۲۱/۱، ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور
۳۔ آثار ابی الوفاء ثناء اللہ ۲۱/۱
۴۔ تفسیر مقدمہ ثنائی، ۴۰ بلال گروپ آف انڈسٹریز، لاہور، ۱۹۷۷ء
۵۔ ثناء اللہ امرتسری، ۳۶
۶۔ قرآنیات پر خدا بخش جنوبی ایشیائی علاقائی سیمینار ۱۹۸۹ء کے مقالات، قرآن مجید کی تفسیریں ۳۱۵، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، انڈیا، ۱۹۹۵ء
۷۔ تفسیر ثنائی، ۸۴۲ ۸۔ تفسیر ثنائی، ۴۶/۸
۹۔ التوبہ: ۹: ۳۰، تفسیر ثنائی ۳۸/۴
۱۰۔ الیہودیۃ لأحمد شلبی، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ ۵، ۱۹۷۸ء، ۲۳۷
۱۱۔ المائدۃ ۵: ۶۴؛ تفسیر ثنائی ۳/ ۲۷
۱۲۔ سفر تکوین: ۲/۲، سفر خروج، ۱۷/۳۱ ۱۳۔ ق، ۵۰: ۳۸
۱۴۔ دراسات فی الأدیان، ۸۲، ابن قیم ہدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیہود و النصاری، ۱۴۷، تحقیق الدکتور محمد احمد الحاج، دار القلم، دمشق ط ۱، ۱۴۱۶ھ
۱۵۔ البقرۃ: ۲: ۶۱ ۱۶۔ البقرۃ: ۲: ۲۴۹
۱۷۔ دراسات فی الأدیان، ۷۶، اظہار الحق ۳۶۹/۱، الیہودیۃ ۲۶۰
۱۸۔ الیہودیۃ ۲۶۰، دراسات فی الأدیان ۷۶
۱۹۔ البقرۃ: ۲: ۱۰۲ ۲۰۔ البقرۃ: ۲: ۴
۲۱۔ باب ۳۴ فقرہ ۵؛ تفسیر ثنائی، ۲۳/۱ ۲۲۔ تفسیر ثنائی، ۲۴
۲۳۔ النساء ۴: ۴۶ ۲۴۔ تفسیر ثنائی، ۱۲۱
۲۵۔ الاعراف ۷: ۱۴۸ ۲۶۔ تفسیر ثنائی، ۱۴۹/۳

Marfat.com

۲۷۔ طٰہٰ ۲۰:۲۲

۲۸۔ تفسیر ثنائی، ۵/۸۴؛خروج باب نمبر۴فقرہ ۷

۲۹۔ الاحقاف، ۴۶:۳۳

۳۰۔ تفسیر ثنائی، ۷/۱۳۹

۳۱۔ انجیل یوحنا ۱۶/۳، بائیبل سوسائٹی،لندن

۳۲۔ البقرۃ ۲ : ۱۴۳

۳۳۔ البقرۃ ۲ : ۲۴۳

۳۴۔ الرعد ۱۳ : ۶

۳۵۔ النساء ۴ : ۴۰

۳۶۔ انجیل متی ۵/ ۳۸

۳۷۔ الزمر ۳۹:۵۳

۳۸۔ اسلام اور مسیحیت، ۳۴

۳۹۔ الحجرات ۴۹:۱۳

۴۰۔ انجیل متی ۲۱/۱۵-۲۶

۴۱۔ انجیل متی ۱۰/۲۴-۲۶

۴۲۔ الانفال ۸:۶۱

۴۳۔ انجیل لوقا ۱:۳.۱۔

۴۴۔ سفر التثنیہ ۵/۲۲

۴۵۔ انجیل یوحنا ۲۱/۲۴-۲۵۔

۴۶۔ تقابل ثلاثہ، ۷۔۴

۴۷۔ تفسیر ثنائی، ۸/۴۶

۴۸۔ الانفال ۸:۳۶

۴۹۔ اس سلسلے میں ان کی چند کتب یہ ہیں: ہندوستان کے دو ریفارمر، آریوں کی تحریف، ویدوں اور قرآن کے تقابل میں مختلف مباحث، اسلام کی تعلیم، کتاب منزل، رسول مقدس، رسالہ ثنائیہ، نکاح آریہ، اصول آریہ، قرآن اور دیگر کتب مقدسہ، ویدوں میں تذکرہ جہاد، کتب مقدسہ، وید، توراۃ و انجیل سے محمدؐ کی نبوت کا ثبوت، کتاب الرحمن وید ہے یا قرآن، عظمتِ اسلام، ط ۱۹۰۳ء، حدوث وید، شادی بیوگان اور نیوگ ط: ۱۹۰۴ء، حدوث دنیا ط ۱۹۰۶ء، الہام، سوامی دیانند کا علم و عقل، نماز اربعہ، تغلیب اسلام، القرآن العظیم، مرقع دیا نندی، برأۃ اسلام، بحث تناسخ، تناسخ کے ثمرات۔

۵۰۔ غلام احمد قادیانی، حقیقہ الوحی ۲۸، مطبع ریاض ہند میگزین، قادیان، ۱۹۰۷ء

Marfat.com

۵۱۔ یہ آپ پر بہتان ہے۔ دیکھئے مکتوبات ۲/۵۱

۵۲۔ الجن ۷۲: ۲۶-۲۷ ۵۳۔ حقیقہ الوحی ۳۹۰،۳۹۱

۵۴۔ مولانا عبدالمجید سوہدری، سیرت ثنائی ۱۴۴-۱۴۵ (خلاصہ) مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۹۸۹ء

۵۵۔ ایضاً، ۲۱

۵۶۔ مرزا قادیانی، ضمیمہ ۲۵ ۵۷۔ مرقع قادیانی، جنوری ۱۹۳۲ء، ۱۳

۵۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، تاریخ مرزا، ۵۷، مکتبہ سلفیہ، لاہور، ۱۹۷۳ء

۵۹۔ سیرت ثنائی، ۳۸۶-۳۸۷

۶۰۔ مرزا قادیانی، تریاق القلوب: ۴۲، اردو بازار، سٹیم پریس، امرتسر، ۱۹۱۶ء

۶۱۔ مرزا قادیانی، براہین احمدیہ، ۴/ ۴۹۸، ضیاء الاسلام، قادیان، ۱۹۰۵ء

۶۲۔ خبار الفضل، ۹ جولائی، ۱۹۳۸ء

۶۳۔ مرزا قادیانی، تحفہ گولڑویہ: ص: ۱۶۶، ضیاء الاسلام، قادیان، ۱۹۰۲ء

۶۴۔ مرزا قادیانی، اتمام الحجۃ، ۱۷-۱۸، اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور، ۱۸۹۴ء

۶۵۔ تبلیغ رسالت ۶/ ۶۵؛ مجموعہ اشتہارات، ۲/ ۳۶۷، ۳۶۶، عریضہ بحالی خدمت گورنمنٹ عالیہ انگریزی

۶۶۔ کتاب البریہ اشتہار، ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء، ۷، روحانی خزائن ۸/ ۱۳، مجموعہ اشتہارات، ۳/ ۴۶۳، مرزا قادیانی۔

۶۷۔ مولانا ابوالحسن ندوی، قادیانیت، مطالعہ و جائزہ، ص: ۲۷، ۲۸، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۵ء

۶۸۔ ایضاً، ۲۷۔۲۹۔

Marfat.com

تالیفاتِ اساتذہ

شعبہ علومِ اسلامیہ

☆ استحکام مملکت اور بدامنی کا انسداد (تعلیمات نبوی کی روشنی میں)	پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر
☆ مریض کا علاج اور تیمارداری اسلام کی نظر میں	پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر
☆ اسلام کا معاشرتی نظام (نیا ایڈیشن)	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ اقبال اور احیائے دین	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ اقامتِ صلوٰۃ	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ پیغمبرانہ دعائیں	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ اسلام کے اصولِ تجارت	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ خلقِ عظیم	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ نظریۂ پاکستان	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ فہرستِ مقالات 1952 تا 2009ء	ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری، ڈاکٹر حافظ شاہدہ پروین

Marfat.com

مولانا عبدالشکور لکھنویؒ: معروف مبلغ اور مناظرِ اسلام

جناب عاصم نعیم *

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے ایک نئی تہذیب وثقافت اور نئے علوم وفنون کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، مسلم علماء ودانش وروں میں یہاں جو بھی جس خطہ سے آیا وہ اپنے ساتھ وہاں کی علمی خصوصیات اور درس وتدریس کا ایک مخصوص نظام بھی لایا۔ ملک کے مختلف علاقوں میں علمی مراکز قائم ہوئے جہاں ماہرین فن دنیا کے ہر گوشہ سے سمٹ کر جمع ہونے لگے۔ مغلوں سے پہلے سلاطین کے عہد میں ہندوستان کے اسلامی نصابِ تعلیم میں قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ تصوف، فقہ اور اصولِ فقہ کو اہم مقام حاصل تھا۔ اس عہد میں غوری خاندان سے لے کر لودھی خاندان تک جتنے بھی سلاطین سریر آرائے سلطنت ہوئے وہ تقریباً سب ہی مسلکاً حنفی تھے۔ اس لیے سلطنت کا نظامِ تعلیم حنفی مسلک کا ترجمان رہا۔ لیکن عہدِ مغلیہ میں ہمایوں کے زمانے سے ایرانیوں سے روابط زیادہ بڑھنے لگے چنانچہ اس کے بعد جتنے بھی مغل بادشاہ آئے وہ بعض سیاسی حالات کی وجہ سے اپنے کو ایران کا مرہونِ منت سمجھنے لگے۔ اس لیے وہاں سے آنے والوں کو بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ ملک کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ایرانی علماء، ادباء، شعراء اور اہلِ سیاست بڑی تعداد میں ہندوستان آئے اور اپنے ساتھ کچھ مخصوص افکار وخیالات اور اپنے دینی وادبی ذخیرے کو بھی یہاں لائے۔ حکومت کی سرپرستی حاصل ہونے کی وجہ سے انہیں ان چیزوں کے رائج کرنے اور مقبول بنانے میں بڑی مدد ملی۔ [1] اس طرح یہاں ایک ایسا نظام تعلیم وجود میں آیا جس میں منقولات کے بجائے معقولات اور قرآن وحدیث کے بجائے فلسفہ ومنطق اور دوسرے علوم کو فوقیت حاصل ہوئی۔ [2] جن علوم کو قرآن وحدیث کے سیکھنے کا

---

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

Marfat.com

ذریعہ بنایا گیا تھا، اب وہ اصل قرار دیئے جانے لگے۔ جب کہ روزِ اول سے مسلمانوں کا مقصدِ اصلی، قرآن کی تعلیم و تعلم کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہی حالت ایک زمانہ تک قائم رہی۔

شاہ ولی اللہؒ (۱۷۰۳ء تا ۱۷۶۳ء) کے عہد سے قبل نصاب و مقصدِ تعلیم، اپنے مقاصدِ اصلیہ سے اس قدر دور ہو گیا تھا کہ انہیں مدارسِ اسلامیہ کے نصابِ تعلیم اور مقصدِ تعلیم میں ہمہ گیر اور بنیادی تبدیلیاں تجویز کرنا پڑیں۔ شاہ صاحب کے تعلیمی نظریہ کا لب لباب یہی ہے کہ نصاب میں قرآن وحدیث کی تعلیم کو مرکزی حیثیت واہمیّت دی جائے۔ ان کے اس نظریہ کو بعد کے ادوار میں اہمیّت ملی اور برطانوی راج میں قائم ہونے والے مدارس دیوبند، سہارنپور، مراد آباد، تھانہ بھون وغیرہ میں قرآن و سنت کی تعلیم کو نصاب میں مرکزی اہمیّت دی گئی۔ اس قسم کے دینی گہواروں سے تعلیم و تربیت پا کر جو جماعت نکلی اس نے پورے برصغیر میں دینی مدارس کا ایک جال سا بچھا دیا۔ (۳)

برطانوی دورِ حکومت میں مسلمانانِ برصغیر کو مختلف قسم کے بحرانوں کا سامنا ہوا۔ چونکہ ملک کا سیاسی اقتدار ان سے ہی چھینا گیا تھا اس لیے انگریزوں نے مسلمانوں کو ہی اپنا سب سے بڑا حریف سمجھا اور یوں یہ موردِ عتاب اور غیظ وغضب کا شکار ہوئے۔

انگریزی حکومت نے جہاں مسلمانوں کو بہت سے نقصانات پہنچائے وہیں اس نے ایک چال یہ بھی چلی کہ ان باطل اور مبتدع فرقوں کو جو اسلام کا نام لے کر اسلام کو نقصان پہنچا رہے تھے، ان کو در پردہ ترغیب دے کر اور کئی طرح سے کمک پہنچا کر حقیقی اسلام کے مدمقابل لا کر کھڑا کر دیا۔ (۴)

اس طرح یہ دور مذہبی نقطۂ نظر سے بڑا نازک دور تھا۔ چاروں طرف سے کفر والحاد، بدعات و ارتداد اور مخالفین اسلام کے منظّم حملے ہو رہے تھے۔ ناواقف مسلمان عیسائی مشنریوں اور شدھی سنگھٹنوں کے شکار ہو رہے تھے، مزید برآں بابی اور قادیانی فتنے بھی مسلمانوں کو مرتد بنانے میں پوری طرح سرگرم عمل تھے، جدید تعلیم یافتہ نوجوان دہریت کی طرف مائل ہو کر عقلیت اور اشتراکیت کو اپنا مسلک قرار دینے لگے تھے۔ ایرانی اثرات کے تحت بدعتی فرقے بھی سوادِ امت کے بالمقابل برسرپیکار ہو گئے اور مختلف طریقوں سے مسلم عوام کو ان کے عقائد سے بدظن و بدگمان کرنے لگے اور اپنی مذہبی مجالس میں علماء اہل سنت کو برملا مناظروں کا چیلنج دینے لگے۔ (۵) اس سنگین صورتحال میں مدارس اسلامیہ کا مروجہ طریقہ کار اور نظام تعلیم پوری طرح ہم آہنگ نہ تھا اور ملت کے پاس ایسے افراد کی معقول تعداد نہ تھی جو حق و باطل کے معرکہ میں نڈر اور بے خوف ہو کر حق کی ترجمانی کر سکے۔ دین حق کی حفاظت وصیانت کے لیے اگرچہ

Marfat.com

کئی عظیم المرتبت رجال ہر دور میں موجود رہے جو اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ سرانجام دیتے رہے تاہم وہ ذاتی طور پر، اپنی ملی حمیت وغیرت اور اپنے ذاتی ذوق ووجدان کے تحت ہی اس فریضہ کو انجام دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں کوئی باضابطہ تنظیم یا کوئی ایسا ادارہ نہ تھا جو اس ملی ضرورت کو پورا کرتا۔

ان حالات میں قدرت نے ایک مردِ جلیل کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ اہلِ حق کی منظم راہ نمائی کا فریضہ سرانجام دے۔ یہ مردِ جلیل مولانا عبدالشکور لکھنوی تھے جن کو اہلِ علم امامِ اہل سنت کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

مولانا عبدالشکور لکھنوی: مختصر حالاتِ زندگی اور خدمات

مولانا عبدالشکور لکھنوی کی پیدائش ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۹۳ء مطابق ۱۸۷۶ء میں قصبہ کاکوری میں ہوئی۔ اتر پردیش صوبے کے دارالخلافہ لکھنؤ کے قصبہ کاکوری میں مولانا عبدالشکور لکھنوی کا خاندان کئی نسلوں سے آباد تھا۔ آپ کے والد مولوی حافظ محمد ناظر علی (۱۸۴۴ء تا ۱۹۱۱ء) عربی اور فارسی سے گہری واقفیت ومہارت رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد فارسی کی تعلیم مکمل کی۔ درس نظامی کی بقیہ کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ آپ کے والد نے آپ کی تعلیم وتربیت کے لیے متدین اور قابل اساتذہ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے لکھنؤ گئے اور مولانا سید عین القضاۃ (خصوصی شاگرد مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ) کی خدمت میں رہ کر مسلسل سات سال تک باضابطہ بقیہ علوم وفنون کی تکمیل فرمائی۔ تمام اہم کتب درسیہ درس نظامی کی پڑھیں۔ اور ان کے نمایاں طالب علموں میں سے رہے۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد لکھنؤ کو اپنا مستقر بنایا اور اپنی تدریسی علمی اور اصلاحی ودعوتی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ درس وتدریس اور علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف کردی اور زندگی کے آخری سانس تک اسی کام میں مشغول رہے۔ چنانچہ آپ نے روزانہ صبح کے وقت قرآن مجید کا آسان اور عام فہم ترجمہ بیان کرنے کی ابتدا کی۔ جس کا سلسلہ سالہا سال تک جاری رہا۔ پھر کچھ عرصہ بعد تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔ اسی طرح اپنے استاذ محترم مولانا عین القضاۃ کی ایما پر مولانا نے تقریروں کا سلسلہ شروع کیا جو عوام میں بہت پسند کیا جانے لگا۔[(۶)]

انیسویں صدی عیسوی میں لکھنؤ اور اس کے گردونواح میں اہلِ سنت کے عقاید کے خلاف، بیانات ومجالس کے ساتھ ساتھ متعدد اخبارات ورسائل بھی نکل رہے تھے۔ ان جرائد میں اسلامی

Marfat.com

معتقدات کی تضحیک کے علاوہ اکابر اہل سنت پر رکیک حملے کیے جاتے تھے۔ علمائے اہل سنت اپنی عمومی وسعتِ نظری اور رواداری کے پیش نظر ان مفاسد کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دیتے تھے۔ تاہم صورتحال کی سنگینی اور لکھنؤ کے مخصوص ماحول کے تقاضے کے طور پر تحریک مدحِ صحابہ شروع ہوئی۔ اس تحریک کی بنیاد میں مولانا لکھنوی نے اہم کردار ادا کیا۔ تحریک کے ابتدائی ایام میں جلسوں میں آپ کی طویل تقریریں ہوتی تھیں۔ جلسہ گاہ میں ہزاروں کا مجمع چھ چھ گھنٹے تک مسلسل گوش بر آواز ہوتا تھا۔ یہ تقریریں انتہائی پُر وقار اور عالمانہ شان لیے ہوتی تھیں۔ ان میں کوئی ظاہری جوش و خروش، آواز کا اتار چڑھاؤ اور خطیبانہ اشاروں، کنایوں کا کوئی شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ آپ مستند دلائل اور حوالوں کے ساتھ بات کرتے۔ اکثر تقاریر میں کتابوں کے اوراق مع صفحہ نمبر برجستہ پڑھتے چلے جاتے تھے۔ ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ ہزاروں کے مجمع کو آپ بغیر لاؤڈ اسپیکر کے خطاب کیا کرتے تھے۔ تقریروں میں کبھی مشتعل نہیں ہوتے تھے اور کسی کی شان میں کوئی گستاخانہ الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ تقریروں کے بنیادی موضوعات سیرت مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، فضائل و مناقب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین، عقاید و تعلیماتِ اسلامیہ اور بزرگان دین کے کارنامے ہوتے تھے۔ (۷)

آپ کے پاس ایک بہت بڑا ذاتی کتب خانہ تھا جس میں مختلف علوم وفنون سے متعلق نایاب و نادر کتابیں تھیں۔ اس کتب خانہ میں مختلف فرقوں کی بالخصوص مذہب شیعہ کی تقریباً تمام ہی اہم اور بنیادی کتابیں موجود تھیں۔ (۸)

تدریس کا آغاز اور ماہنامہ ''الفقہ'' کا اجراء

آپ نے درس وتدریس کا آغاز سب سے پہلے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے کیا۔ دار العلوم کی ملازمت میں مولانا کی تنخواہ بیس روپیہ ماہوار تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی، مولوی ضیاء الحسن کاکوری اور مولانا منظور الحسن سہارن پوری وغیرہ اس دور میں دار العلوم کے طلبہ میں تھے۔ بعد ازاں دار العلوم سے از خود استعفیٰ دے کر ہمہ وقت اپنے تصنیفی وتالیفی کاموں میں مصروف ہوگئے۔

۱۸۹۹ء میں مولانا نے لکھنؤ سے ایک فقہی ماہنامہ مجلّہ ''علم الفقہ'' جاری کیا۔ یہ رسالہ خاص فقہی مضامین پر مشتمل ہوتا تھا۔ روزمرہ کے مسائلِ فقہیہ کو ایک خاص نظام اور ترتیب کے ساتھ اردو میں مرتب کرنے کی یہ پہلی کوشش تھی۔ اس کو ابتدا ہی سے بڑی مقبولیت ملی۔ (۹)

Marfat.com

اسی زمانہ میں مرزا حیرت دہلوی نے دہلی میں آپ کو اپنے مطبع میں تصنیف و تالیف کا کام کرنے کے لیے ایک معقول مشاہرہ پر دعوت دی، جو آپ نے قبول کر لی۔ اس کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ باطل فرق و مذاہب کی تردید اور مقامِ صحابہؓ کا تحفظ، دونوں حضرات کا مشترک موضوع تھا۔ آپ ۱۹۰۲ء۔۱۹۰۴ء تک دہلی میں رہے۔

لکھنؤ دوبارہ آمد اور ماہنامہ ''النجم'' کا اجراء

۱۹۰۴ء کے قریب کا زمانہ تھا کہ مولوی مقبول احمد شیعی دہلوی (م ۱۹۲۱ء) مجلسیں پڑھنے لکھنؤ آنے لگے۔ انہوں نے اپنی دل آزار شعلہ بیانیوں اور تبرائی تقریروں سے لکھنؤ کے پرسکون ماحول کو درہم برہم کر دیا۔ مذہبی چھیڑ چھاڑ، بلند بانگ دعوے اور اہل سنت و جماعت پر فقرے بازی ان کا وطیرہ تھا۔ موصوف، اپنی تقریروں میں بزعم خود، اہل سنت پر کچھ اعتراضات وارد کرتے اور پھر علماء اہل سنت کے متعلّق کہتے کہ کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ میرے مقابلے میں آئے اور میرے اعتراضات کے جواب دے۔ دوسری طرف ملک کے مختلف حصوں میں شیعہ اخبارات و رسائل نے مذہبی چھیڑ چھاڑ کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ ان جرائد میں نت نئے طریقوں سے اہلِ سنت کے عقائد کی تردید اور صحابہ کرامؓ پر کھل کر تبرا کیا جاتا تھا۔ ان احوال کا تقاضا تھا کہ اسلامیانِ ہند کی طرف سے کوئی ایسا اخبار نکلے جو معاندین کے پیہم تحریری حملوں کا دفاع کر سکے اور مسلم عوام کو گمراہی اور شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے سے بچائے۔ اہلِ تشیع کی طرف سے متعدد رسائل و جرائد شائع ہو رہے تھے، جن میں کچھ ایسے تھے جو دس پندرہ سال سے رداہل سنت میں نکل رہے تھے، ان کے بنیادی مقاصد تین تھے۔ اول: مسلمانوں کے اس طبقہ کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنا جو اپنے مذہبی عقائد کے بارے میں زیادہ واقفیت نہیں رکھتا تھا۔ دوم: شیعہ عوام میں خود اعتمادی پیدا کرنا، نیز ان کے جارحانہ عزائم کی حوصلہ افزائی کرنا، اور سوم مسلم عوام کی جہالت، غربت اور مذہبی شعور کے فقدان سے فائدہ اٹھا کر شیعیت کی تبلیغ کرنا وغیرہ۔ (۱۰)

ان باتوں سے لکھنؤ میں شیعہ سنی کشیدگی پیدا ہو گئی۔ سنی عوام ان باتوں سے بہت ملول اور رنجیدہ ہوتے تھے۔ لہٰذا لکھنؤ کے سرخیل علمائے اہل سنت کے باہم مشورہ سے مولانا عبدالشکور لکھنوی کو بلایا گیا اور اہل حق کی مدافعت کا فریضہ سونپ دیا گیا۔ آپ نے ان کے مناظروں کے چیلنج کو قبول کر لیا۔ یہاں ۱۹۰۴ء ہی میں آپ مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے وابستہ ہو گئے۔ تدریس و تالیف کے ساتھ ساتھ مدرسہ کے

Marfat.com

معاملات میں انتظامی معاونت شروع کردی۔ مدرس اور مفتی مدرسہ رہے اور ۱۹۱۵ء تک یہ تعلق قائم رہا۔ (۱۱)

مولانا لکھنوی کو تصنیف و تالیف سے مناسبت بچپن ہی سے تھی، چنانچہ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ نے لکھنؤ کے مشہور شیعہ مجتہد مولوی حامد حسین (م ۱۸۸۸) کی کتاب استقصاء الافہام واستیفاء الانتقام فی نقض منتھی الکلام کے بعض حصوں کے جواب میں ایک رسالہ فارسی زبان میں انتصار الاسلام بجواب استقصاء الافہام تحریر کیا تھا۔ جس کا اردو ترجمہ بعد میں النجم میں شائع ہوا۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء میں ہفت روزہ اخبار ''النجم'' شروع کیا گیا۔ جس کے مقاصد یہ تھے:

النجم کے مقاصد

۱۔ حمایت اسلام اور نصیحتِ مسلمین

۲۔ مسلمانوں کے عقائد وخیالات، عادات وخصایل اور عبادات ومعاملات کی اصلاح اور ہر امر میں اتباع شریعت محمدیہ کی ترغیب

۳۔ غیر مذاہب کے حملوں سے اسلام کی حفاظت اور اسلام کی حقانیت کا تمام مذاہب پر اظہار۔

۴۔ مسلمانوں کے عقاید واعمال کی اصلاح

۵۔ اہل سنت کی طرف سے دفاع کا فریضہ انجام دینا۔ (۱۲)

''النجم'' کے اہم عنوانات واسلوب:

تقابلِ ادیان اور تقابلِ مسالک کے اس اہم اور اولین اردو مجلّہ کے چند مستقل عنوانات درج ذیل تھے:

۱۔ العقائد الحقة: اسلامی عقائد کی تشریح وتوضیح اور عام مسلمانوں کے بعض فاسد عقائد کی تصحیح کے لیے سلف صالحین کی مفید اور مختصر تصنیفات ترجمہ کے ساتھ شائع کی جاتی تھیں۔ اسی عنوان کے تحت بعض مشائخ کے حالات اور ملفوظات بھی شائع کیے جاتے تھے۔ خاص طور سے حضرت مجدد الف ثانی، مرزا مظہر جان جاناں، شاہ احمد سعید مجددی وغیرھم کے اہم مکتوبات ترجمہ وغیرہ۔

۲۔ التقریظ والانتقاد: جس میں مختلف ہم عصر اخبارات ورسائل پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔ اسی ضمن میں صحابہ کرامؓ کی زندگی کے بعض اہم پہلو اور ان کے فضائل ومناقب کا بھی ذکر ہوتا تھا۔

۳۔ اِنَّ كَلِمَةَ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا: کے ذیل میں غیر مسلم حضرات میں اسلام کی مقبولیت اور بعض

Marfat.com

کے اسلام قبول کرنے کے واقعات ہوتے تھے۔

۱۹۳۲ء کے بعد النجم کی دیکھ بھال اور اس کی ترتیب وتسوید کی اکثر ذمہ داری مولانا کے صاحبزادے مولانا عبدالمومن فاروقی (م ۱۹۶۷ء) کے سپرد ہوئی۔ یہ زمانہ مولانا فاروقی کی نوجوانی کا تھا، اور اسی زمانہ میں وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے لکھنؤ آئے تھے۔ ان کے پرجوش اور ولولہ انگیز قلم نے النجم کے حلقہ میں ایک ہلچل مچا دی۔ النجم جواب تک محض دفاعی مضامین افہام وتفہیم اور معاندین کے اعتراضات کے مدلل علمی جوابات تحریر کرنے ہی پر کاربند تھا، اب اس نے ایک ہمہ گیر تحریک کی شکل اختیار کر لی اب تک اس کا حلقہ خواص اور اہل علم تک ہی محدود تھا، مگر اس نوجوان اور نئی ابھرتی صحافتی اقدار نے اسے عوام کے ہاتھوں پہنچا دیا۔

اہل سنت کی ترجمانی میں انہوں نے زیادہ پُرجوش رویہ اختیار کیا۔ صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب میں بہت مؤثر اور سبق آموز مضامین شائع کیے۔ نعتیہ اور مدحیہ نظموں کو بھی شامل اشاعت کرنا شروع کر دیا۔ ''النجم'' میں منظومات کی اس شمولیت کے نتیجہ میں ملک میں شعراء کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آنے لگا جو نعت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کی شان اقدس میں خالص منقبتی نظموں میں بھی طبع آزمائی کرنے لگا۔ اس طرح بہت سے شعراء اب صرف مدح صحابہؓ کے شاعر ہونے کی حیثیت سے متعارف ہونے لگے۔ (۱۳)

النجم کا طرز تحریر آسان، سلیس اور شگفتہ تھا۔ خالص علمی اور فقہی مسائل کو آسان کر کے لکھا جاتا تھا۔ اس طرح سیرت نبوی، حالات صحابہؓ، اسلامی فقہ اور بزرگان دین کے فضائل ومناقب کی دولت سے اردو زبان کو سب سے پہلے مالا مال کرنے کی سعادت النجم کو حاصل ہوئی۔

رفض، قادیانیت، عیسائیت، اہلِ بدعت، اور آریہ سماجی تحریکات ''النجم'' کے مقابلہ میں صف آرا ہو گئیں۔ تاہم اس کا ایک خاص امتیاز رہا کہ مناظرانہ مضامین اور شدید اعتراضی حملوں کا جواب دیتے وقت بھی اس کا لب ولہجہ اور طرز تحریر مہذب اور شائستہ ہوتا تھا، اس کی نگارش میں تلخی، غصہ اور اشتعال کی کوئی مثال ملنی مشکل ہے جب کہ مخاطب کا رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا تھا۔ النجم مسلمانوں کے ہر طبقہ میں پڑھا جاتا وہ ان حلقوں میں بھی پڑھا جاتا تھا جو مناظرانہ تحریروں کے پڑھنے کے عادی نہیں ہوتے تھے۔ اس کے قلمی معاونین میں مولانا عاشق الٰہی بلند شہری، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا عبداللہ عمادی، حبیب احمد کیرانوی، وغیرھم قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات مذہب روافض پر مکمل عبور رکھنے والے اور

Marfat.com

ان کے شافی جوابات دینے والے تھے۔(۱۴)

دارالمبلغین کا قیام

برصغیر میں تقابلِ ادیان کا اولین ادارہ دارالمبلغین قائم ہوا۔ مذکورہ بالا حالات میں ضرورت تھی کہ تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ علماء کی ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو علومِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ ادیان و فرق باطلہ کے مذہبی و سیاسی افکار و خیالات سے پوری طرح واقف ہو اور دانستہ پھیلائی گئی گمراہیوں کے جواب میں اسلام کی صحیح اور سچّی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ بھی انجام دے سکے۔

اس مقصد کی تکمیل کے لیے مولانا عبدالشکور لکھنوی نے ۱۹۲۲ء میں ادارہ دارالمبلغین کی بنیاد رکھی۔(۱۵) ادارہ کے خشتِ اول درس قرآن سے رکھی گئی اور درس قرآن کے لیے سورۃ فاتحہ کا انتخاب کیا گیا۔

دارالمبلغین کے بنیادی مقاصد

ادارہ کے منتظمین کے پیش نظر اہم مقاصد یہ تھے۔

۱۔ قرآنی تعلیمات کا شعور و صحیح فہم اور درس قرآن کی تربیت

۲۔ علماء کی جماعت کا قیام جو دعوت اسلام کے ساتھ ساتھ مسلک اہل سنت و جماعت کے عقائد حقہ کی نشر و اشاعت اور فرق باطلہ کے الزامات کی تردید کر سکے۔ اور تحریر و تقریر کے ذریعے اسلام کے محاسن و مکارم کی اشاعت کر سکے۔

۳۔ اہل سنت کے اندر صحیح مذہبی واقفیت پیدا کر کے ان کو پابند مذہب بنانے کی سعی کی جائے۔

۴۔ غیر شرعی اعمال کی وجہ سے مسلم عوام میں پیدا ہو جانے والی دینی، اخلاقی اور سماجی خرابیوں سے ان کو محفوظ رکھنے کی جدوجہد کی جائے۔(۱۶)

مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے سب سے پہلے قرآنی تعلیمات کو بنیاد بنایا گیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بانی ادارہ تحریر فرماتے ہیں:

دارالمبلغین نے اپنا مقصد وحید یہ قرار دیا کہ مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل ذی استعداد لوگ لیے جائیں اور ان کو سبقاً سبقاً قرآن مجید کی من اوّلہ الیٰ آخرہ۔ تعلیم دی جائے۔ اس سلسلہ میں طرز تعلیم وہ رکھا گیا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے وصیت نامہ میں ذکر

Marfat.com

فرمایا ہے اور اس کی خاص تاکید کی ہے نیز اس کو اپنی بے نظیر کتاب ازالۃ الخفاء میں بھی جا بجا بیان فرمایا ہے۔ (۱۷)

دارالمبلغین کا نصاب تعلیم

دارالمبلغین کے قیام کا بنیادی مقصد تعلیماتِ قرآنیہ کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنا تھا۔ چنانچہ نصاب میں ان دونوں مقاصد کو پیش نظر رکھا گیا۔ چونکہ یہ مدارس کے فضلاء کے لیے ترتیب دیا گیا تھا اس لیے اس کا شمار تخصص اور مطالعاتِ عالیہ میں کیا جا سکتا ہے۔ کم از کم ہندوستان میں اس طرز کا مدرسہ اور نصاب کہیں رائج نہ تھا۔ تعلیم کا دورانیہ دو سال پر مشتمل تھا۔ تکمیل تعلیم کے بعد تقابل ادیان کے مطالعہ میں مہارت کی سند دی جاتی تھی۔ (۱۸)

مذکورہ بالا نصاب میں شامل کتب دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دو سالہ مدت تعلیم میں قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کو بہت اہمیت دی گئی۔ مختلف مذاہب کی کتب کو شامل درس کیا گیا۔ قادیانیت اور اہلِ تشیع کے افکار و عقائد پر بھی خاص توجہ دی گئی۔

دوران تعلیم طلباء کو تحریر و تقریر کی مشق کرائی جاتی تھی اور بالخصوص مذکورہ بالا فرقوں سے مذہبی مسائل پر گفتگو کرنے اور ان پر احقاق حق اور اتمام حجت قائم کرنے کی تربیت دی جاتی تھی۔

دارالمبلّغین اور النّجم کی خدمات واثرات

دارالمبلغین کے مختلف شعبوں نے تعلیمی، مذہبی اور سماجی نقطہ نظر سے کئی اہم خدمات سرانجام دیں۔

۱۔ تعلیمی حوالے سے قرآن حکیم میں تدبر و تفقہ اور مختلف ادیان و فرق کا مطالعہ قابل ذکر ہے۔

۲۔ اشاعت و تبلیغ دین کے حوالے سے لکھنؤ شہر پر خصوصی توجہ مرکوز کی گئی کہ یہ آس پاس کے متعدد قصبات و قریات کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں بے دینی کی بہت سی رسمیں جاری تھیں۔ خصوصاً محرم کے مہینے میں تعزیہ داری وغیرہ رسوم کی شرعی حیثیت اور اس کے مضمرات سے عوام الناس کو آگاہ کیا گیا۔ عبادات خصوصاً نماز باجماعت اور صومِ رمضان کی تاکید کی گئی۔

۳۔ مسجدیں جو اب تک ویران و سنسان تھیں، آباد ہو گئیں۔ لکھنؤ کی فضا بدل گئی اور وہاں لہو و لعب اور رفض و بدعت کے مرکز کے بجائے علم دین کی ہوائیں چلنے لگیں۔

۴۔ عیسائی مشنریز کا زور توڑنے کے لیے دارالمبلغین نے مختلف محلوں میں اپنی شاخیں کھولیں جس

Marfat.com

میں بچوں کو دینی تعلیم دینے کے علاوہ بالغوں میں تبلیغ اسلام کا کام بھی کیا جانے لگا، جس میں خاطر خواہ کامیابی ملی۔ لکھنؤ کے علاوہ ہندوستان کے دیگر شہروں میں ادارہ کے فضلاء اور اساتذہ نے اپنے مواعظ سے یہی فریضہ سرانجام دیا۔

۵۔ دارالمبلغین کے شعبہ نشر و اشاعت نے بڑے مفید کام سرانجام دیئے۔ اس شعبہ کی طرف سے متعدد اہم کتب اور رسائل شائع کئے گئے، جن میں خاص طور سے ''فتنہ ابن سبا'' قابل ذکر ہے۔ دوسری کتاب ''تحفۃ الایمان لاھل قادیان'' تھی جس کے مولف مولوی عبدالرزاق پشاوری تھے۔ ایک رسالہ ''تحفۃ الاسلام لجمیع الاقوام'' ہے جس میں اسلام کے آفاقی اور فطری مذہب ہونے کے دلائل اور اس کی خصوصی برکات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ''اچھوت کدھر جائیں'' اس نام سے ایک رسالہ ایک غیر جانب دار ہندو قانون دان بابو جگ ناتھ پرشاد ایڈووکیٹ لکھنؤ نے تحریر کیا تھا۔ جس میں مؤلف نے تمام مذاہب کا موازنہ کرتے ہوئے یہ بتلایا کہ اسلام ہی وہ سچا مذہب ہے جس کی پیروی کر کے موجودہ پست اقوام باعزت اور ترقی یافتہ معاشرے کے دوش بدوش زندگی بسر کرسکتی ہیں۔

۶۔ ''النجم'' نے امت مسلمہ میں ایک تحریک پیدا کی۔ اس نے نہ صرف مخالف حملوں سے مدافعت ہی کی بلکہ بہت سی ایسی غلط فہمیوں کا بھی ازالہ کیا جن میں عوام تو عوام، خواص اور بعض اہل علم حضرات بھی مبتلا تھے۔ النجم نے روافض کے ان عقائد سے باخبر کیا، جو اب تک ان کی بنیادی کتابوں میں ہی پوشیدہ تھے، ان عقائد کے سامنے آنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے بعض مسلمات سے وہ کس قدر دور ہیں۔ یہی معاملہ دوسرے فرق باطلہ کے سلسلہ میں بھی ہوا۔ النجم نے ان اختلافات کی گہرائی و گیرائی کو آشکارا کیا۔ (۱۹)

۷۔ دارالمبلغین نے عام مسلمانوں کی سماجی فلاح و بہبود کے لیے بھی مفید کام انجام دیئے۔ یہاں مسلم یتیم بچوں اور بیواؤں کو وظائف دیئے جاتے خاص طور سے ان خاندانوں کی دیکھ بھال پر توجہ دی جاتی تھی، جو کسی دینی کاز کے تحفظ میں مخالف مذہب کے ہاتھوں شہید یا زخمی ہو گئے ہوں۔ اس سلسلہ میں قانونی چارہ جوئی، بے گناہوں کی ضمانتیں اور مقدمات کی پیروی وغیرہ کا بھی اس ادارے کے اراکین بندوبست کرتے تھے۔ قدرتی آفات، سیلاب، وبائی امراض کے پھوٹنے کی صورت میں ہر قسم کی امداد بلا امتیاز مذہب وملت بہم پہنچائی جاتی تھی۔

Marfat.com

۸۔ کچھ عرصہ تک ایک اور شعبہ بھی کام کرتا رہا جس میں انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کو باقاعدہ داخلہ دے کر تبلیغ دین کی تربیت دی جاتی تھی اور ایسے طلباء کو مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرایا جاتا تھا۔ اس شعبہ کے بعض فارغ التحصیل طلباء نے بڑی نمایاں خدمات انجام دیں۔

۹۔ علاوہ ازیں انجمن تحفظِ ملت اور مدحِ صحابہؓ کمیٹی کی جانب سے متعدد رسالے شائع ہوئے، جو دارالمبلغین کے اساتذہ و طلباء کی کاوشوں کا نتیجہ تھے۔ شعبہ نشر و اشاعت کے زیر اہتمام مختلف ادوار میں ماہنامہ خورشید، الداعی، او ہفت روزہ ندائے سنت جاری کیے گئے یہ ادارہ دارالمبلغین کے ترجمان رسالے سمجھے جاتے تھے۔ [۲۰]

دارالمبلغین کے اہم اساتذہ و رفقاء اور تلامذہ

ادارہ کو مختلف ادوار میں دینی اعتبار سے بڑی معتبر اور مستند شخصیات کی علمی سرپرستی و تعاون حاصل رہا۔ جن میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مشہور عالم دین اور صحافی مولانا محمد منظور نعمانی (مدیر ''الفرقان'' لکھنؤ)، معروف خطیب ابوالوفا شاہ جہان پوری، مشہور مناظر اور فقیہ، سید مرتضیٰ حسن چاند پوری، محقق و مصنف مولانا عبدالحلیم کان پوری، مولانا عبدالسلام فاروقی اور مولانا عبدالحلیم فاروقی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

دارالمبلغین کے اولین مدرس و مبلغ، مولانا عبدالشکور لکھنوی سے استفادہ کرنے والے حضرات کی ایک کثیر تعداد ہے۔ ان میں سے چند حضرات حسب ذیل ہیں۔ حکیم عبداللطیف فلسفی، سابق پرنسپل اجمل خان طبیہ کالج علی گڑھ، مولانا مصطفیٰ حسن علوی، رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند، واستاد عربی لکھنؤ یونیورسٹی، مولانا احمد علی مونگیری (ندوۃ العلماء)، مولانا صوفی عبدالحمید سواتی، مفسر تفسیر معالم الفرقان، مولانا عبدالحق بلیاوی سابق پیش کار، دارالعلوم دیوبند، مولانا سید نور الحسن بخاری، مولانا اللہ یار خان، مشہور مناظر، مولانا لال حسین اختر، مشہور مناظر، مولانا عبدالستار تونسوی، مشہور مناظر۔ [۲۱]

مؤخر الذکر چار شخصیات کو قیامِ پاکستان کے بعد مناظر کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل ہوئی۔ دارالمبلغین آج بھی ہندوستان کے اہم اداروں میں شامل ہے اور اپنے اس مشن کو، جس کے لیے اسے قائم کیا گیا تھا، کامیابی کے ساتھ برقرار رکھے ہوئے ہے۔

۞۞۞

Marfat.com

حوالے وحواشی

۱۔ برصغیر میں شیعیت کے فروغ کی روداد کے لیے ملاحظہ کیجیے: ایس۔ ایم۔ اکرام: رُودِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۷ء، ۶۱۶ تا ۶۴۰، نیز حسین عارف نقوی: تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان، دار التبلیغ امامیہ، اسلام آباد

۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: عبدالحیٔ حسنی: الثقافۃ السلامیہ فی الہند، جس کا اردو ترجمہ مولانا ابوالعرفان ندوی نے اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں کے نام سے کیا ہے، ناشر۔ دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۶ء، ۲۱ تا ۴۵، نیز ایس ایم اکرام: وہی کتاب، ۳۹۹ تا ۴۰۵

۳۔ دیکھیے! اشتیاق حسین قریشی: برعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ، شعبہ تصنیف وتالیف، کراچی، ۱۹۹۹ء، ۲۴۲ تا ۲۴۷، نیز ایس ایم اکرام: وہی کتاب، ۵۵۶ تا ۶۱۵

۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو! خورشید رضوی: اسبابِ بغاوتِ ہند (روداد جنگِ آزادی ۱۸۵۷)، ساگر پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۱، ۳۸۰ و ۳۸۱، نیز محمد الیاس برنی: قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، ملتان، ۲۰۰۱ء، ۶۵۴ تا ۶۹۷

۵۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں شمالی ہندوستان میں شیعیت کا سب سے اہم مرکز لکھنؤ تھا۔ ہندوستان میں اہلِ تشیع کے ہاں، سمجھے جانے والے پہلے مجتہد سید دلدار علی (۱۷۵۳ تا ۱۸۲۰) نے شمالی ہند میں اشاعت وتبلیغِ شیعیت پر بھرپور توجہ دی۔ کئی کتب ورسائل اپنے مذہب کی تائید میں لکھے۔ شاہانِ اودھ کے عہد میں یہ سیاہ وسفید کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ ان کی اولاد نے بعد ازاں ان کا مشن سنبھالا، اور اہلِ سنت کے ساتھ مباحثے اور مناظرے کیے۔ سرکاری سرپرستی حاصل ہونے کے بعد کئی دیگر شیعہ علماء بھی شیعہ سنی مباحث میں بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے، اور عقائدِ اہلِ سنت کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بناتے تھے۔ (دیکھیے: ایس ایم اکرام: رُودِ کوثر، ح س، ۶۳۲ تا ۶۳۹)

۶۔ یہ تفصیلات محمد عبدالحیٔ فاروقی، کی کتاب امام اہلِ سنت علامہ محمد عبدالشکور لکھنوی۔ حیات وخدمات، دار الکتاب، لاہور، ۷۵، ۷۸ اور

Marfat.com

قاضی مظہر حسین کے مقدمہ ذیلِ کتاب، تحفۂ خلافت از مولانا عبدالشکور لکھنوی، اشاعت، جہلم، ۳ تا ۷ سے ماخوذ ہیں۔

۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد عبدالحیٔ فاروقی: امام اہلِ سنت علامہ محمد عبدالشکور لکھنوی۔ حیات و خدمات، دارالکتاب، لاہور، ۸۰، ۸۱، نیز محمد منظور نعمانی: تحدیثِ نعمت، ملتان، ۲۳

۸۔ یہ کتب خانہ اب دارالمبلغین لکھنؤ کی اندرونی دوسری منزل کے ایک ہال میں محفوظ ہے۔

۹۔ دیکھیے: محمد عبدالحیٔ فاروقی: امام اہلِ سنت علامہ محمد عبدالشکور لکھنوی۔ حیات و خدمات، دارالکتاب، لاہور، ۱۱۷۔۱۱۸

۱۰۔ دیکھیے: قاضی مظہر حسین کا مقدمہ ذیلِ کتاب، تحفہء خلافت از مولانا عبدالشکور لکھنوی، اشاعت، جہلم، ۳ تا ۷ نیز محمد عبدالحیٔ فاروقی: امام اہلِ سنت علامہ محمد عبدالشکور لکھنوی۔ حیات و خدمات، دارالکتاب، لاہور، ۱۲۴ تا ۱۲۶

۱۱۔ محمد عبدالحیٔ فاروقی: امام اہلِ سنت علامہ محمد عبدالشکور لکھنوی۔ حیات و خدمات، دارالکتاب، لاہور، ۱۱۹، نیز محمد منظور نعمانی: تحدیثِ نعمت، ملتان

۱۲۔ مقاصد کے لیے دیکھیے، محمد عبدالحیٔ فاروقی: امام اہلِ سنت علامہ محمد عبدالشکور لکھنوی۔ حیات و خدمات، ۱۲۹

۱۳۔ یہ تفصیلات النجم کے چند شماروں سے ماخوذ ہیں۔ النجم کی مکمل فائل سرگودھا کے عالم مولانا محبوب حسنین کے پاس محفوظ ہے۔ نیز دیکھیے، محمد عبدالحیٔ فاروقی: امام اہلِ سنت علامہ محمد عبدالشکور لکھنوی۔ حیات و خدمات، ۱۲۷۔۱۲۸

۱۴۔ وہی کتاب، ۱۳۱

۱۵۔ Peter Hardy: *The Muslims of British India,* Cambridge University Press, 2000, 245

۱۶۔ وہی کتاب، ۱۴۳۔۱۴۴

۱۷۔ پنج سالہ سرگزشت از مولانا لکھنوی بحوالہ حیات مولانا عبدالشکور لکھنوی از پروفیسر عبدالحیٔ فاروقی، ۱۴۴

Marfat.com

۱۸۔ دیکھیے: محمد عبدالحیٔ فاروقی: امام اہلِ سنت علامہ محمد عبدالشکور لکھنوی۔ حیات و خدمات، دارالکتاب، لاہور، ۱۴۶ تا ۱۴۹

۱۹۔ دیکھیے: محمد عبدالحیٔ فاروقی: امام اہلِ سنت علامہ محمد عبدالشکور لکھنوی۔ حیات و خدمات، دارالکتاب، لاہور، ۱۳۰

۲۰۔ دیکھیے وہی کتاب، ۱۴۹ تا ۱۵۴، نیز قاضی مظہر حسین کا مقدمہ ذیلِ کتاب، تحفۂ خلافت از مولانا عبدالشکور لکھنوی، اشاعت، جہلم، ۳ تا ۷

۲۱۔ ماہنامہ نصرۃ العلوم، مفسرِ قرآن نمبر، شمارہ: اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸ء، ۱۳/۷۸

Marfat.com

یکساں اخلاقی نصب العین اور بین المذاہب ہم آہنگی
(فکر اقبال کی روشنی میں)

ڈاکٹر زاہد منیر عامر *

معاشرے کو مذہب کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے، کسی خاص مذہبی نظام کی تشکیل کیوں کی جاتی ہے اور انسانی تاریخ میں اس کا کیا مقام ہے، کیا مذہب کی بنیاد جغرافیائی ہوتی ہے، لوگوں کی سماجی اخلاقی اور سیاسی احتیاجات میں مذہب کیا کردار ادا کرتا ہے......؟

یہ ہیں وہ سوالات جو علمی ادب اور فلسفے کی دنیا میں اٹھائے جاتے رہے ہیں اور ایک دوررس نگاہ رکھنے والے فلسفی اور مفکر کی حیثیت سے اقبال کی فکر میں بھی کروٹیں لیتے دکھائی دیتے ہیں۔ [1] ایک خیال انگیز مفکر کی حیثیت سے وہ ان سوالوں سے اعتنا کرتے ہیں لیکن یہ اعتنا مدرّسانہ انداز میں نہیں ہے، اقبال کے نزدیک مذہب زندگی کی ایک زندہ اور متحرک قوت ہے جو تاریخی ارتقا کے عمل میں انسانوں کو تہذیب آشنا کرنے والے ایک ادارے کا کام کرتی ہے۔ [2] یہ محض عقائد و عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ زندگی کے ایک مربوط نظام کا درجہ رکھتا ہے۔ جب مذہب کو دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کی دوئی کے خانوں میں الگ الگ تقسیم کیا گیا تو نتیجہ خرابی ہی نہیں بلکہ اس کے خاتمے کی صورت میں سامنے آیا اقبال کا کہنا ہے کہ ''اگر مذہب کو محض آخرت سے متعلق سمجھا جائے گا تو اس کا انجام وہی ہوگا جو یورپ میں عیسائیت کا ہوا'' [3] اور ایسا ہونا ایک قدرتی عمل ہے۔ ان کی رائے میں دنیا میں مذہبی تاثیر ہی حقیقت میں تمام علوم وفنون کی محرک ہوتی ہے'' [4]

---

* پروفیسر مسند ظفر علی خان، ادارہ علوم ابلاغیات، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

Marfat.com

یہی جذبہ انسان کے خیالات اور افکار کی دنیا کو وسعت عطا کرسکتا ہے۔ مذہب دنیائے قدیم کا عطا کردہ رویہ سہی لیکن یہی رویہ ہے جس کی مدد سے انسان جدید دنیا کے مسائل اور اس کی پیچیدگیوں کو حل کرسکتا ہے ان پر قابو پاسکتا ہے اور اپنے لیے عمل کے نئے جہان دریافت کرسکتا ہے۔ اقبال کے خیال میں مذہب نہ تو محض عقیدہ ہے نہ محض پیشوائیت یا رہبانیت، اور نہ کچھ ظاہری عقائد و افکار کا مجموعہ بلکہ یہ ایک رویّہ ہے۔[۵] ایسا رویہ جس کی مدد سے انسان اس لمحہ لمحہ بدلتی اور انسانی شخصیت کو کچلتی دنیا میں اپنی شخصیت کو پاسکتا ہے اس کی حفاظت کرسکتا ہے اور اس کے نو بہ نو امکانات دریافت کرسکتا ہے۔ جدید زمانے کی سائنسی ترقیات نے زندگی کو سہولت آشنا ہی نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ اس کی پیچیدگیوں میں اضافہ بھی کیا ہے ان پیچیدگیوں سے عہدہ برآ ہونے کی راہ بھی مذہب ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ صرف یہی نہیں کہ مذہب اس دنیا کے مسائل سے نبرد آزما ہونے اور ان پر قابو پانے میں ہماری مدد کرتا ہے بلکہ ہماری زندگی میں مذہب کی معنویت اس سے بھی زیادہ ہوجاتی ہے جب مذہب اس دنیا کے بعد آنے والی زندگی کے مراحل کی گرہ کشائی اور ان میں بھی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

جدید دنیا اور اس کے سائنسی اور اقتصادی تصورات نے انسان سے اس کی باطنی کائنات کو چھین کر بے سکونی کا تحفہ عطا کیا ہے جس کے نتیجے میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کچلی جارہی ہیں اور زندگی اکتاہٹ اور بیزاری کی سمت تیزی سے سفر کررہی ہے زندگی اپنے عمق سے کٹ کر مادے کی سطحیت پر اتر چکی ہے۔ اقبال کے خیال میں منظّم مادیت انسان کی توانائیوں کو کچل رہی ہے۔ اس باطنی اور روحانی خلا کو پورا کرنے کے لیے جدید انسان نئے تصورات کی سمت گامزن ہے لیکن اس کے ساختہ نئے تصورات اسے سکون اور روحانی رفعت کی دولت سے آشنا کرنے والے نہیں ہیں روحانی رفعت اور سربلندی کے لیے انسان کو کسی روحانی نظام فکر ہی کی ضرورت ہے اور یہ روحانی نظام فکر مذہب ہی عطا کرسکتا ہے۔[۶]

اقبال نے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ یہ مذہب ہی ہے جو اخلاقی اقدار کے مطلق اصولوں کو اپنی گرفت میں لاکر شخصیت کی قوتوں کو متحد کرتا ہے لیکن مغربی مفکرین اور جدید نفسیات اس حقیقت سے بے خبر ہی رہے ہیں۔ جرمن مفکر فریڈرک نطشے (۱۸۴۴ء......۱۹۰۰ء) خدا سے بغاوت پر آمادہ ہے، اور انسانی مساعی کو دوامی تکرار سے تعبیر کرتا ہے۔ سگمنڈ فرائڈ (۱۸۵۶ء......۱۹۳۹ء) اور سی جی ینگ (۱۸۷۵ء......۱۹۶۱ء) مذہب کی بنیاد خوف میں تلاش کرتے ہیں، برٹرنڈ رسل (۱۸ مئی ۱۸۷۲ء......

Marfat.com

۲ فروری ۱۹۷۰ء) جیسا مفکر مذہب کو برائی کی قوت قرار دیتا ہے جدید نفسیات انسانی شخصیت کو محض حیاتیاتی مظاہر کا کرشمہ گردانتی ہے تو یہ سب حقیقت سے دور قیاس آرائیوں کے میدان میں جادہ پیما دکھائی دیتے ہیں۔ نطشے کے اس خیال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ انسان اب ارتقا کے جس مرحلے پر پہنچ چکا ہے اس سے آگے ترقی کی کوئی منزل نہیں ہے اقبال نے اسے انسانوں کا سوچا ہوا مایوس کن ترین تصور قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس اقبال کا تصور یہ ہے کہ انسانی ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہے جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا جائے گا انسانی ترقی کے امکانات کھلتے چلے جائیں گے۔ اگر انسان کی ساری مساعی کو تکرار محض قرار دے دیا جائے تو انسانوں میں آگے بڑھنے کی امنگ ختم ہو جائے گی جس کا لازمی نتیجہ جمود کی صورت میں نکلے گا اور جمود موت ہی کا دوسرا نام ہے۔(۷)

یہاں اقبال کے تصور حرکت کو ذہن میں لانا چاہیے اور پیام مشرق کا وہ بے مثل مکالمہ جس میں انھوں نے گوئٹے (۱۷۴۹ء......۱۸۳۲ء) کی نظم 'حور و شاعر' کا جواب دیتے ہوئے شاعر کی جانب سے چنگاری سے ستارے اور ستارے سے آفتاب کی جانب بڑھنے کی تمنا کو دلآویز اسلوب میں بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ جب میری نگاہ کسی حسین محبوب سے قرار پانے لگتی ہے تو میرا ذوقِ طلب کسی حسین تر محبوب کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے اس لیے کہ قرار موت ہے اور تحرک زندگی:

چو نظر قرار گرد بہ نگار خوب روی
تپد آن زمان دل من پیِ خوب تر نگاری
ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابی
سر منزلی نہ دارم کہ بمیرم از قراری (۸)

اقبال کا تصور یہ ہے کہ نہ صرف زندگی ایک مسلسل وحدت کا نام ہے بلکہ اس میں آزاد انسانی خودی ہر لمحے نئے اور روشن جہانوں کی تخلیق کر رہی ہے اانسان حقیقت مطلقہ سے لحہ لحہ مستنیر ہوتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے لیکن انسان کا یہ اکتساب انفعالی اکتساب نہیں ہے۔ خود حقیقت مطلقہ بھی ہر لحظہ نئی شان سے ظاہر ہو رہی ہے۔ آزاد خودی کا ہر عمل ایک نئی صورت حال کی تخلیق کرتا ہے اور اس طرح تخلیقی انکشاف کے نئے امکانات پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔(۹)

سگمنڈ فرائڈ (۶ مئی ۱۸۵۶ء......۲۳ ستمبر ۱۹۳۹ء) نے کہا تھا کہ مذہب ابتداً خوف اور ثانیاً ان

Marfat.com

دیکھے کی دہشت پر مبنی ہے۔سی جی ینگ (۲۶ جولائی ۱۸۷۵ء......۶ جون ۱۹۶۱ء) اس باب میں فرائڈ سے متفق ہے۔[۱۰] اقبال کا تصور مذہب جرات مندانہ ہے وہ کسی دائمی خوف کو نہیں بلکہ خوف سے نجات کو مذہب کی عطا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام میں کسی انسان کی روحانی ترقی کی معراج یہ ہے کہ وہ ہر طرح کے خوف سے مطلقاً آزاد ہو جاتا ہے۔وہ فطرت میں چھپے خوف کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کے نزدیک اسلام کا مقصود انسان کو اس خوف سے نجات عطا کرنا ہے۔[۱۱]

اقبال اپنے مخاطب سے کہتے ہیں کہ وہ مادّہ سے گزر کر روحانیت کی سمت آئے کہ مادّہ نگاہوں کو کثرت میں الجھا دیتا ہے اس کے مقابلے میں روحانیت اسے نورانیت، وحدت اور یکسوئی عطا کرتی ہے یہ روحانیت ہی ہے جس کی حدود میں داخلے کے بعد انسان نرمی شفقت اور رافت جیسی صفات سے آشنا ہوتا ہے اور عجب، کبر نخوت جو باہمی انسانی روابط کو کچل دینے والے اوصاف ہیں جاتے رہتے ہیں ۔صفات رذیلہ کا کچلنا اور صفات محمودہ کا پیدا کرنا ہی انسانی معاشرے میں نرمی اور تحمل و برداشت جیسی صفات کو فروغ دیتا ہے۔اسلام اسی روحانیت کا دین ہے جس کا زندگی بخش تخیل انسان کی پراگندہ قوتوں کو مجتمع کر کے نتیجہ خیز بنا دیتا ہے۔

مذہب کے حوالے سے اقبال شروع ہی سے یہ خیال رکھتے ہیں کہ مذہب انسانوں میں باہمی عداوت کی تعلیم نہیں دیتا کلام اقبال کے ابتدائی دور سے دور آخر تک یہ مضمون دیکھا جا سکتا ہے۔بانگ درا کے دوراول سے لے کر جس میں انھوں نے کہا کہ مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا (۱۲) دورِ آخر کی عظیم تصنیف جاوید نامہ تک میں ان کا یہ رویہ دیکھا جا سکتا ہے،وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نفس مذہب کو مٹانا انسانیت کے حق میں نیک فال نہیں۔اقبال کے نزدیک اسلام کسی رسمی اور رواجی مذہب کا نام نہیں، بلکہ یہ تاریخ عالم میں نمو پانے والے ان رسمی اور روایتی مذاہب کے برعکس ایک رویے کا نام ہے جو انسان کو دنیا کی غلامی سے نجات عطا کرتا ہے انھیں برا اور گناہوں کا پتلا نہیں سمجھتا انسان کو اس کائنات یا فطرت کا تابع اور غلام نہیں سمجھتا بلکہ اس کی شخصیت کی تکمیل کر کے اس میں اتنی جرات اور جسارت پیدا کرتا ہے کہ وہ کائنات کے ساتھ حریفانہ کشاکش کر سکے اسلام انسان کو اس کے باطنی امکانات سے روشناس کرواتا ہے اور بتاتا ہے کہ انسان اس دنیا میں راکب نہیں مرکب بن کر آیا ہے اور یہی ''انسان کا حقیقی انکشاف ہے''۔[۱۳]

اسلام نے بنی نوع انسان کو ایک وحدت قرار دیا اور کہا کہ تمام نوع انسانی نفس واحدہ سے پیدا

Marfat.com

کیے گئے تھے۔قرآن کریم کی سورہ نسا میں ارشاد ربانی ہے:

یـٰٓاَیُّھَـا النَّـاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُمْ مِّن نَّفسٍ وَّاحِدَۃٍوَّ خَلَقَ مِنھَا زَوجَھَا وَ بَثَّ مِنھُمَارِجَالًا کَثِیرًا وَّ نِسَاءً وَّاتَّقُوااللّٰہَ الَّذِی تَسَاءَ لُونَ بِہٖ وَالاَرحَامَ اِنّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیکُم رَقِیبًا۔ (۱۴)

اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

اس تصور کے نتیجے میں انسان خدا کا کنبہ قرار پائے اور ایک انسان کا دکھ بنی نوع کا دکھ اور ایک انسان کی خوشی بنی نوع کی خوشی۔اس تصور ہی نے باہمی انسانی روابط میں استواری اور استحکام کی راہ کھولی یہ ایک انقلابی تصور تھا جس سے دنیا کو صرف اسلام نے متعارف کروایا۔اقبال کا کہنا ہے:

اسلام ایک تحریک ہے عالم انسانی کے ربط وضبط، اسکے اتحاد اور حفظ واستحکام کی۔لہٰذا اسلام ہی اخوت عامہ اور حریت ومساوات کی عملی ترجمانی کا واحد ذریعہ ہے۔ (۱۵)

اسی تصور کی توسیع میں اقبال نے کہا ہے:

حرف بد را بر لب آوردن خطاست
کافر و مومن ہمہ خلق خدا ست (۱۶)

اَلخَلقُ کُلُّھم عِیَالُ اللّٰہِ (الطّبرانی: المعجم الکبیر: ۱۹۸۹)

یعنی تمام بنی نوع انسان خدا ہی کی مخلوق ہیں۔

اس لیے کسی کی نسبت برائی کی طرف کرنا صحیح ہے نہ ہی انسان برائی کا مجسمہ ہے جیسا کہ بعض دوسرے تصورات میں انسان کو شر کا پتلا قرار دیا گیا اور شر سے نجات کے لیے دنیا سے گریز کی راہ تجویز کی گئی تھی۔اسلام میں مذہب کا مفہوم کیا ہے حقیقتاً اسلام میں کلیسائی نظام نہیں ہے، اقبال نے سماج کے تاریخی عمل کی روشنی میں بتایا ہے کہ اسلام جس معاہدہ عمرانی کی تشکیل کرتا ہے وہ روسو (۲۸ جون ۱۷۱۲ء۔۲ جولائی ۱۷۷۸ء) کے معاہدہ عمرانی سے قدیم تر ہے اور یہ معاہدہ عمرانی اخلاقیات کی بنا پر استوار ہے اس معاہدے

Marfat.com

کی بنا ایسا اخلاقی تصور ہے جو کسی خاص علاقے کی حد بندی سے بلند تر ہے۔ بقول اقبال ''یہ ایک ایسی ریاست ہے جس کا اظہار روسو سے بھی بہت پہلے معاہدہ عمرانی کی صورت میں ہو چکا تھا اس کے پیچھے ایک اخلاقی نصب العین ہے جو انسان کو کسی خاص علاقے کی سرزمین سے وابستہ نہیں سمجھتا بلکہ وہ ایک روحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی معاشرتی نظام کا زندہ و متحرک جز و اور چند حقوق و فرائض کا حامل ہے۔''(۱۷)

اسلام کا آغاز تخلیق آدم کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اور اس کے عالم گیر تصور کو مختلف انبیا اپنے اپنے وقت میں وسعت آشنا کرتے رہے حضرت عیسیٰ بھی اسلام کے جلیل القدر پیغمبر ہیں انھوں نے عالم گیر انسانی اخوت کی بات کی تھی لیکن بعد میں جن مصلحین نے مذہب کی وحدت کو توڑا انھوں نے دراصل عالم گیر انسانی وحدت کے تصور کو توڑا اور اسے قوموں خطوں اور گروہوں کی محدود حدود میں محصور کر دیا اقبال اس پر تنقید کرتے ہیں اور لوتھر (۱۰ نومبر ۱۴۸۳ء......۱۸ فروری ۱۵۴۶ء) اور روسو جیسے مفکرین کے طرز فکر سے اختلاف کرتے ہیں ان کی رائے میں اس طرز فکر نے حضرت عیسیٰ کے تصور کی روشنی میں انسانی اخوت کی تشکیل کی بجائے اس تصور کو برباد کر دیا وہ کہتے ہیں:

> اگرچہ میرے خیال میں خود لوتھر کو اس امر کا احساس نہ تھا کہ یورپ میں جو مخصوص حالات پیدا ہو گئے تھے ان سے اس کی بغاوت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ کے عالم گیر اخلاقی نظام کی بجائے بے شمار قومی نظام پیدا ہو جائیں گے جن کا حلقہ محدود ہوگا اسی لیے روسو، اور لوتھر جیسے لوگوں کی روشن خیال تحریکوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوع انسان کی وحدت کو توڑ کر غیر مربوط اور منتشر کثرت میں تبدیل کر دیا۔ (۱۸)

قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ تمام انسان نفس واحدہ سے پیدا کیے گئے ہیں اس لیے بنی نوع انسان کی حیثیت جسد واحد کی ہے۔ کسی ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی اس نے گویا پوری انسانیت کی جان بچائی۔ ارشاد ربانی ہے:

> اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا، وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا. (۱۹)

اسلام نے نہ صرف انسانیت کی اس بے مثل وحدت کو قائم کیا بلکہ اس کی بقا کے لیے بھی غیر معمولی اقدامات کیے اسلام نے انسان کو روح و بدن کی ثنویت میں الجھائے بغیر اسے ایک کل قرار دیا

Marfat.com

بعض دوسرے تصورات کی طرح اسلام میں یہ وحدت مادے اور روح کی دوئی میں منقسم نہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کا وجود ناپاک نہیں وہ ایک اعلیٰ اور برتر وجود لے کر دنیا میں آیا ہے وہ اشرف المخلوقات ہے اس کی طبیعت کو نیکی کے لیے ہموار کیا گیا ہے۔ نیکی اسے قوت اور صلابت عطا کرتی ہے اور اس کی شخصیت اسی کی مدد سے استحکام پاتی ہے۔ بقول اقبال:

According to the tenets of Islam man is essentially good and peaceful. Virtue is power, force, strength; evil is weakness. (۲۰)

اور انسان اس زمین پر خدا کا نائب اور فطرت کے مقاصد کا امین ہے۔ اس کی عظمت اس بات سے ہویدا ہے کہ اس کے امکانات کے سامنے یہ دنیا اور اس کے مظاہر کم تر ہیں دنیا ایک انسانی وجود میں سما سکتی ہے جبکہ انسان کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ اس کی سمائی کے لیے یہ وسیع و عریض دنیا کم پڑ جاتی ہے اور تمنا کا دوسرا قدم اٹھانے کا تمنائی انسان یہ پکار تا رہ جاتا ہے کہ ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا، پایا۔

آنچہ در آدم بگنجد عالم است
آنچہ در عالم نگنجد آدم است (۲۱)

یہ ہے وہ سطح جہاں اقبال نے انسان کو دیکھا ہے اسلام اس سطح کے انسان کی عظمت کو چار چاند لگاتا ہے اسلام جس کا معنی ہی سلامتی اور ایمان جس کا مادہ امن ہے خیر و شر کے معرکے میں اس بلند تر ہستی انسان کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں اور اسے تکمیل فطرت کی راہ دکھاتے ہیں

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر (۲۲)

تکمیلِ فطرت وہ بلند مقصد ہے جس کے سامنے فرقہ وارانہ اور گروہی اختلافات ماند پڑ جاتے ہیں اور بنی نوع انسان جسے ایک کنبہ قرار دیا گیا ہے مل جل کر اس مقصد کی تکمیل کے لیے کوشاں ہوتے ہیں اس مقصدِ عزیز کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے جب انسانی معاشرہ میں امن اور سکون ہو ایک ایسا معاشرہ جس میں افراتفری اور بے سکونی ہو روزمرہ کے فرائض بھی انجام نہیں دے سکتا کجا تکمیل فطرت کا بلند مقصد انجام پذیر ہو۔ بقول اقبال:

The ideal of Islam is to secure social peace at any cost. All methods of violent change in society are condemned in the most unmistakable language.

Marfat.com

اقبال یہاں سپین کے ایک مسلمان ماہر قانون طرطوشی کا ایک قول نقل کرتے ہیں جس نے کہا تھا کہ بدامنی کی ایک ساعت (ایک گھنٹہ) کے مقابلے میں چالیس سال تک آمریت کا عذاب سہہ لینا بہتر ہے۔ (۲۳)

انسانی مساوات کے قیام اور معاشرے میں امن وسکون کے قیام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر ایک حبشی غلام کو بھی تم پر حاکم بنادیا جائے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ (۲۴)

اس تلقین کا مقصد اطاعت امیر کے علاوہ معاشرتی امن وسکون کا قیام ہے۔

اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی کے خیال کو قلوب میں جاگزیں کیے بغیر انسانیت کی وحدت کا تصور پختہ نہیں ہوسکتا۔ انسانیت کی وحدت اقوام عالم کی انجمنیں بنانے سے بھی عظیم ادارہ ہے بیسویں صدی میں جب لیگ آف نیشنز قائم کی گئی تو اقبال نے بہت اہم سوال اٹھایا تھا۔ اس سوال کا عنوان ''مکہ اور جنیوا'' ہے مراد یہ ہے کہ مکہ سے وحدت آدم کی آواز بلند ہوئی تھی جنیوا سے وحدت اقوام کی آواز اٹھ رہی ہے جسے دور حاضر کا انسان بلند نصب العین سمجھ رہا ہے وہ اسلام کے ڈیڑھ ہزار سال قبل عطاء کردہ تصور سے کم تر ہے۔ اسلام انسانیت کو اقوام وملل کی تقسیم سے بلند کرتے ہوئے وحدت آدم کی منزل عطاء کرتا ہے:

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم
تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم
مکّے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم (۲۵)

وحدت انسانیت اور معاشرتی امن وسکون کا قیام تحمل و برداشت کے بغیر ممکن نہیں یہ تحمل جہاں افراد معاشرہ کے درمیان مطلوب ہے وہاں ایک مذہب اور دوسرے مذہب کے درمیان بھی اس کی انتہائی ضرورت ہے باہمی تعاون اور برداشت کی ایک سطح تو وہ ہے جس کا مظاہرہ ایک معاشرے کے

Marfat.com

افراد کرتے ہیں دوسری سطح وہ ہے جس کا مظاہرہ بین الاقوامی سطح پر مطلوب ہوتا ہے یہ سطح ربط ضبط باہمی تعاون و برداشت اور معاملات کی سطح ہے اقبال کہتے ہیں: ''انسانی معاملات اور ربط وضبط یعنی تہذیب و تمدن اور عمران و اجتماع کی دنیا میں اسلام اور غیر اسلام کی تفریق نہ صرف انسان دوستی اور وسیع المشربی کے منافی بلکہ اسلام کی حقیقی روح کے بھی خلاف ہے حالانکہ اس باب میں اسلام کے احکام نہایت صاف اور واضح ہیں اور وہی فی الحقیقت انسان دوستی اور وسیع المشربی کا سرچشمہ''۔ (۲۶)

یہ تصور بھی وحدت انسانیت ہی کے تصور کا ثمر ہے......اقبال مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:اس (تصور) کی حیثیت محض ایک خیال کی نہیں رہی بلکہ ایک موثر فعال اور فیصلہ کن عنصر کی تا کہ بطور ایک حقیقت حیات فرد اور معاشرے کی زندگی میں اس کا اظہار ایک عملی اور واقعی شکل میں ہوتا رہے لہذا امت محمدیہ کی تشکیل ہوئی اور سب امتیازات باطل ٹھہرے۔ جو انسان اور انسان میں حائل اور اس کی وحدت کے منافی ہیں۔اقبال نے واشگاف انداز میں واضح کیا ہے کہ جب تک انسان وحدت انسانیت کے تصور پر عمل پیرا نہیں ہو جاتے اس وقت تک دنیا درندوں کی بستی بنی رہے گی۔انھوں نے سپین کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ وہاں کے عوام نے قوم زبان اور مذہب کے ایک ہونے کے باوصف ،محض معاشی نظریے کے اختلاف پر،ایک دوسرے کا گلا کاٹا جس سے ظاہر ہوا کہ قومی اور علاقائی اتحاد کو نہیں صرف انسانی وحدت کے تصور کو دیگر تمام تصورات پر برتری حاصل ہے۔اس لیے وہ بڑی شدت کے ساتھ کہتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے عمل سے یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ پوری دنیا کو اللہ کا کنبہ سمجھتا ہے اور جب تک رنگ ونسل کے امتیازات کو مکمل طور پر ختم نہیں کر دیا جاتا اس وقت تک ایک خوش وخرم اور مطمئن زندگی مساوات اور اخوت کے خوب صورت تصورات حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ (۲۷)

وحدت آدم کی بنیاد احترامِ آدم پر استوار ہے۔اسلام احترام آدم کی تعلیم دیتا ہے تمام دنیا کو ایک کنبہ قرار دینے والے دین اور اس کے نبی نے ایک اسلامی مملکت میں اہل اسلام ہی کی نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کی بھی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی نجران کے عیسائیوں کے وفد نے جب مسجد نبوی میں مذاکرات کے بعد عبادت کے لیے جگہ دریافت کی تو رسول اللہ نے انھیں مسجد نبوی ہی میں عبادت کرنے کی اجازت دی۔ (۲۸) فتح مکہ کے بعد آپ نے عیسائیوں اور یہودیوں کی املاک اور جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا۔جس کا مظاہرہ بعد میں آپ کے پیروکاروں کی حکومتوں میں بھی دیکھا گیا۔اس کی

Marfat.com

بہترین مثال رسل جیسے مذہب مخالف مفکر کا یہ اعتراف ہے:

The Empire of the Caliphs was much kinder to Jews and Christian than Christian States were to the Jews and the Muhammadans. It left the Jews and the Christian unmolested, provided they paid tribute. (۲۹)

رسول اللہ نے دین کو خیر خواہی قرار دیا الدین النصیحۃ۔ (۳۰) خیر خواہی کا کلمہ دین اور دنیا کے تمام امور کا جامع ہے۔ ایک سچّا خیر خواہ دوسروں کو گھٹیا نہیں سمجھتا ان کے احترام میں کمی نہیں کرتا ان کے رسوم ورواج کو نشانہ تضحیک بناتا ہے نہ ان کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کی دینی ودنیوی صلاح وفلاح کے لیے کوشش کرتا ہے۔ وسیع المشربی کے حامل اس اسلامی رویے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے لکھا ہے:

''جو فرقہ دوسرے فرقوں کی طرف بدخواہی کے جذبات رکھتا ہو وہ نیچ اور ذلیل ہے میں دوسری قوموں کے رسوم، قوانین، معاشرتی اور مذہبی اداروں کا بے حد احترام کرتا ہوں، یہی نہیں بلکہ قرآنِ پاک کی تعلیم کے مطابق ضرورت پڑے تو ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی میرا فرض ہے۔'' (۳۱)

شاعری میں بھی اقبال کا یہی رویہ ہے جہاں وہ کہتے ہیں:

آدمیت احترام آدمی
با خبر شو از مقام آدمی
بندۂ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق
کفر و دین را گیر در پہنای دل
دل اگر بگریزد از دل وای دل
گرچہ دل زندانی آب و گل است
این ہمہ آفاق آفاقِ دل است (۳۲)

آدمیت انسانوں کے احترام کا نام ہے اگر انسانی شرف کا احترام نہیں تو پھر آدمیت بھی نہیں ہے، اس لیے آدمیت کے مقام سے آگاہ ہونے کی ضرورت ہے۔ عشق کی راہ کو اختیار کرنے والا یعنی دین کی اصل کو سمجھنے والا خدا کے طریق کار کو اختیار کرتا ہے۔ خدا کا طریق کار یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے

Marfat.com

والے اور اپنا انکار کرنے والے، دونوں پر شفیق اور مہربان ہے اسی طرح خدا کا سچّا پیرو کار بھی کافر و مومن دونوں پر شفیق و مہربان ہوتا ہے۔ اقبال اپنے مخاطب سے کہتا ہے کہ کفر اور دین کو اپنے دل کی گہرائی میں رکھ۔ اس دل پر افسوس ہے جو دلوں سے گریز کرنے والا ہو، اگر چہ دل آب و گل کے زندان میں (پانی اور مٹّی کی قید میں) اسیر ہے لیکن اس کی دنیا اتنی وسیع ہے کہ سارا آفاق دل کے زیرِ نگیں ہے۔ یہ اشعار جاوید نامہ کی آخری نظم خطاب بہ جاوید (سخنی بہ نژادِ نو) سے لیے گئے ہیں جو اقبال کا فنی شاہ کار اور ان کی فکر کے پختہ ترین دور کی تخلیق ہے۔ اسی نظم میں اقبال نے یہ بھی کہا ہے کہ انسانوں سے بغض رکھنے والا دین کی حقیقت۔ سے ناواقف ہے اس لیے انسان کو اہلِ کین (بغض رکھنے والے) اور اہلِ دین میں امتیاز کرنا چاہیے اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے جو اہلِ حق یعنی اہلِ دین ہوں اور انسانوں کے لیے بغض کے نہیں، محبت کے جذبات رکھتے ہوں:

بی خبر از سرّ دین اند این ہمہ
اہلِ کین اند اہلِ کین اند ایک ہمہ
اہلِ دین را باز دان از اہلِ کین
ہم نشین حق بجو با او نشین (۳۳)

اقبال ہر گروہ کو یہ حق دینا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی تہذیبی روایات کے مطابق آزادی سے زندگی گزار سکے انھوں نے اس خیال کا اظہار اپنے مشہور خطبہ الہ آباد میں کیا تھا، یہ وہی خطبہ ہے جس میں انھوں نے برصغیر میں ایک آزاد اسلامی مملکت کا تصور پیش کیا جس کی بنیاد پر بعد میں اپنے وقت کی سب سے بڑی مسلم ریاست اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

آج دنیا جن حالات سے دوچار ہے ان میں پاکستان ہی نہیں عالمِ اسلام بلکہ نفسِ اسلام ہی کو چیلنج درپیش ہے حقیقت میں یہ چیلنج نیا نہیں تاریخی تجزیہ کیا جائے تو اس کی جڑیں ماضی میں دور تک دیکھی جا سکتی ہیں، اقبال کا انتقال ۱۹۳۸ میں ہوا یوں انھیں دنیا سے رخصت ہوئے ستّر برس سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن انھوں نے اپنے عہد میں اس چیلنج کو محسوس کر لیا تھا انھوں نے ۱۹۲۵ء میں لکھا تھا:

''میری ناقص رائے میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ (۳۴)

Marfat.com

اقبال اسلام کے مبلغ ہیں لیکن ایسے مبلغ نہیں جس نے اسلام کو بند آنکھوں کے ساتھ قبول کیا ہو بلکہ ایسے مبلغ جس نے کھلی آنکھوں کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ دنیا کی فلاح اخوت انسانی اور مساوات کے تصورات میں ہے اور دنیا کو ان تصورات کا سبق اسلام ہی نے دیا ہے چنانچہ اقبال نے واضح کیا ہے کہ میرا مقصد سیاسی نہیں بلکہ اخلاقی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ صرف مسلمان نہیں بلکہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور انسانوں کی نجات مساوات میں ہے رنگ ونسل کا تصور انسانیت کے اتحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اسلام اس کا سب سے بڑا مخالف ہے اور میرا مقصد ایک عالمی سماجی نظام کی تشکیل کرنا ہے اس راہ میں سفر کرتے ہوئے اگر ایک ایسا نظام پہلے سے موجود مل جائے جس کا مقصد ہی ذات پات، رنگ ونسل اور انسان ساختہ رتبوں کے امتیازات کا خاتمہ ہو اور جو دنیوی معاملات میں بہت باریک بین ہو اور جو ایثار کا سبق بھی دیتا ہو اور جو ہمسایوں کے حقوق کی تلقین بھی کرتا ہو تو اس کی طرف مائل ہونا چاہیے اقبال کے الفاظ ہیں:

My aim is simply to discover a universal social reconstruction and in this Endeavour, I find it philosophically impossible to ignore a social system which exists with the express of object of doing away with all the distinction of caste, rank and race; and which while keeping a watchful eye on the affairs of the world, fosters a spirit of unworldliness so absolutely essential to man in is relations with his neighbours. This is what Europe lacks and this is what she can still learn from us. (۳۵)

اسلام کو بنی نوع کی صلاح وفلاح کا ضامن سمجھتے ہوئے اقبال اس بات کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ تحریر ہو یا تقریر دونوں میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ گروہ بندیاں، فرقہ وارانہ سرگرمیاں اور دوسروں کی دلآزاری کے سامان بنی نوع کی کوئی خدمت نہیں اس کے مقابلے میں تحمل برداشت اور باہمی انسانی روابط میں قرب کی ضرورت ہے۔

وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامہ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ کوئی دل دکھ نہ جائے تری تقریر سے (۳۶)

Marfat.com

ابھی چند برس قبل سیموئل پی ہنٹنگٹن نے تہذیبوں کے تصادم کا تصور پیش کیا تھا[۳۷] حال ہی میں امریکی صدر باراک حسین اوباما نے مصر کی مشہور یونی ورسٹی جامعہ قاہرہ میں عالم اسلام کو مخاطب بنا کر مغرب اور اسلام کے درمیان پائے جانے فاصلوں کو کم کرنے کی کوشش کی اور مغرب کی نسبت عالم اسلام کے خیالات اور عالم اسلام کی نسبت مغرب کے رویوں کا تجزیہ کیا اور مشرق ومغرب کو قریب لانے کی خواہش ظاہر کی۔[۳۸] اگر ان واقعات کو قران کے آئینے میں دیکھا جائے تو کوئی تصادم باقی نہیں رہتا قرآن نے بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے ایک دستور العمل وضع کر دیا ہے اسے بنیاد بنا کر دنیا کو کشمکش اور جنگ کی موجودہ صورت سے نجات دلوائی جا سکتی ہے۔ قرآن نے کہا ہے:

قُل یٰا ھلَ الکتاب تَعالَوُا اِلیٰ کَلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم اَلّا نعبُدَ اِلا اللّٰہَ وَلا نُشرِکَ بہٖ شَیْـًا وَّلا یَتخِذَ بعضُنابعضاً اَربَا بًا مِنْ دُونِ اللّٰہِ، فَاِن تَوَلّوا فَقُولُوا اشھَدُوا بِاَنَّا مُسلِمُون۔[۳۹]

آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

یہ آیت اس امر کی طرف نشان دہی کرتی ہے کہ توجہ ان امور کی جانب مرتکز کرنی چاہیے جو مشترک ہوں نہ کہ ان امور کی جانب جو مختلف ہوں یہ ایک مثبت زاویہ نظر کی طرف راہ نمائی کرنے والی آیت ہے اقبال نے اس آیہ مبارکہ کو یکساں اخلاقی نصب العین رکھنے والوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کی دعوت قرار دیا ہے انھوں نے لکھا ہے:

حقیقت میں اسلام نے پہلا قدم انسانیت کے اتحاد کی طرف اٹھایا وہ یہی تھا کہ جن لوگوں کا اخلاقی نصب العین ایک سا تھا انھیں اتحاد و اتفاق کی دعوت دے، قران پاک کا ارشاد ہے...... یا اہل الکتاب...... الخ مسلمانوں اور عیساؤں کی جنگوں اور اس کے بعد مختلف صورتوں سے یورپ کی جارحیت کے باعث دنیائے اسلام میں اس آیت کے لامحدود معنوں میں عمل نہ ہو سکا۔[۴۰]

آج اگر ایک عالم گیر انسانی معاشرے کا قیام پیش نظر ہو تو اس کی بنیاد یہی قرانی دعوت بن سکتی

Marfat.com

ہے ایک ایسا معاشرہ جس میں تحمل برداشت بردباری اور عفو و درگزر جیسی صفات نمایاں ہوں جہاں بنی نوع سے محبت کا جذبہ ہو ان کی دنیوی و اخروی فلاح پیش نظر ہو۔ یہ معاشرہ احترام آدم کے تصور کی بنا پر ہی قائم ہو سکتا ہے یہی اصل تہذیب ہے اقبال نے جاوید نامہ میں "محکمات عالم قرآنی" میں خلافت آدم کے زیر عنوان سو باتوں کی ایک بات کہہ دی ہے:

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصلِ تہذیب احترامِ آدم است (۴۱)

تحمل، برداشت، درگزر عفو، ان تمام کا سرچشمہ احترام آدم ہے۔ فکرِ اقبال میں عظمت و احترامِ آدم کے سوتے جذبۂ عشق سے پھوٹتے ہیں۔ عشق کے مبحث میں ایک جگہ اقبال نے کہا ہے کہ اصلِ تہذیب دین ہے اور دین سراسر عشق ہے، گویا ان کے نزدیک احترامِ آدم ہی دین ہے، جہاں احترام آدم نہیں وہاں دین بھی نہیں گویا عشق کے جذبے کی نمود ہی تحمل و برداشت کے رویے کو جنم دے سکتی ہے اور آج دنیا عدم تحفظ کے جس شدید احساس کا شکار ہے اسے اس سے نجات عطا کر سکتی ہے۔

مذہب عصر نو آئینی نگر
حاصل تہذیب لادینی نگر
زندگی را شرع و آئین است عشق
اصل تہذیب است دیں دین است عشق
ظاہر او سوزناک و آتشیں
باطن او نورِ ربّ العلمیں
از تب و تاب درونش علم و فن
از جنون ذو فنونش علم و فن
دیں نگردد پختہ بی آداب عشق
دیں بگیر از صحبت ارباب عشق (۴۲)

❁ ❁ ❁

Marfat.com

حوالے و حواشی

۱۔ اقبال نے اپنے مضمون Islam as a Moral and Political Idea میں یہ سوالات اس طرح اٹھائے ہیں؛

Why should a particular religious system be produced by a particular people? What is the real significance of a religious system in the history of the people who produced it, and in the history of mankind as whole? Are there any geographical causes which determine the original the locality of a religion? How far does it reveal the in-most soul of a people, their social, moral and political aspirations? What transformation, if any, has it worked in them? How far has it contributed towards the realization of the ultimate purpose revealed in the history of man?

Syed Abdul Wahid (Editor) *Thoughs and Reflections of Iqbal Lahore:* Sh Muhammad Ashraf Publishers 1992 30

۲۔ Civilizing agency among the forces of historical evolution (Loc-Cit)

۳۔ Allama Muhammad Iqbal's Presidential Address delivered at the 21st Annual Session of the All-India Muslim League, Held at Allahabad on 29th December, 1930.

مشمولہ: ندیم شفیق ملک علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء ایک مطالعہ لاہور: فیروز سنز ۱۹۹۸ء، ۱۲۱

۴۔ خط بنام مولوی انشاء اللہ خان در اخبار وطن لاہور نمبر ۴۹/۵ مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۰۵ء بحوالہ عطاء اللہ، شیخ (مرتب) اقبال نامہ یعنی مجموعہ مکاتیب اقبال لاہور: شیخ محمد اشرف تاجر کتب ۱۹۵۱ء، ۲/۶۹

۵۔ Religion which in its higher manifestation is neither dogma nor priesthood nor ritual can alone ethically prepared the modern man for the burden of the great responsibility which theadvancement of modern science necessarily involves and restore to him that attitudeoffaithwhich makeshimcapable of winning a personality here and retaining it hereafter."

Muhammad Iqbal, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam,*

Marfat.com

edited and annoted by: M Saeed Sheikh. Lahore: Institute of Islamic Culture 2006, 149

۶۔ "Method of spiritual renewal which alone brings us into touch with the everlasting fountain of life and power by expanding our thought and emotion, the modern Muslim fondly hopes unlock fresh sources of energy by by narrowing down his thought and emotion." *The Reconstrution of Religious Thoughts in Islam,* 149

۷۔ "Our modern psychology has given us quite a plethora of new theories which proceed on a complete misunderstanding of the nature of religion as reveled in its higher manifestation and carry us in an entirely hopeless direction. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam,* 151

۸۔ محمد اقبال پیام مشرق لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز س۔ن ۱۲۷ مشمولہ کلیات اقبال فارسی، ۲۹۷

۹۔ Life is one and continuous. Man marches always onward to receive ever fresh illuminations from an Infinite Reality which 'every moment appears in a new glory'. And the recipient of Divine illumination is not merely a passive recipient. Every act of a free ego creates a new situation, and thus offers further opportunities of creative unfolding Reconstruction of Religious Thought in Islam, 98

۱۰۔ Religion is primarily based upon fear, partly at least upon the terror of the un known Russell B. *Why I Am Not A Christian* London:George Allen and Unwin 1957, 16

۱۱۔ The highest stage of man's ethical progress is reached when he becomes lutely free from fear......There is fear in nature, and the object of Islam is to free man from fear. *Reconstruction of Religious Thought in Islam.*35

۱۲۔ محمد اقبال بانگ درا لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۹۶، ۸۳ مشمولہ کلیات اقبال اردو مصغر (نظم ترانہ ہندی)

۱۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر زندہ رود لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۸۹ء (ہر سہ جلد یکجا) جلد سوم، حیات اقبال کا اختتامی دور، ۵۴۱

۱۴۔ القرآن ۴:۱

۱۵۔ سید نذیر نیازی (مرتب) اقبال کے حضور۔ نشستیں اور گفتگوئیں (ایک بیاض یادداشت) لاہور اقبال اکادمی پاکستان، طبع چہارم ۲۰۰۷، ۳۳۴

Marfat.com

۱۶۔ محمد اقبال، جاوید نامہ در کلیات اقبال فارسی، ۲۰۵/۷۹۳

۱۷۔ علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء ایک مطالعہ، ۱۲۹

۱۸۔ علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء ایک مطالعہ، ۱۲۱

۱۹۔ القرآن ۵:۳۲

۲۰۔ *Thoughts and Reflections of Iqbal,* 35

۲۱۔ محمد اقبال جاوید نامہ در کلیات اقبال فارسی، ۶۸/۶۵۶

۲۲۔ محمد اقبال بال جبریل در کلیات اقبال اردو مصغر، ۵۹/۳۵۱

۲۳۔ Forty years of tyranny are better than one hour of anarchy .*Thoughts and Reflections of Iqbal,* 49

۲۴۔ صحیح بخاری، الجامع الصحیح، باب السمع والطاعة للامام مالم تکن معصیة (الطبعة الثالثة تحقیق د۔ مصطفیٰ دیب البغا) بیروت: دارالنشر دار ابن کثیر الیمامہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء، ۶/ ۲۶۱۲ رقم ۶۷۲۳

۲۵۔ محمد اقبال: ضرب کلیم لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۹۶ء، ۵۷ مشمولہ کلیات اقبال اردو مصغر، ۵۱۹

۲۶۔ اقبال کے حضور۔ نشستیں اور گفتگوئیں (ایک بیاض یادداشت) ۳۳۴، ۳۳۵

۲۷۔ *Thoughts and Reflections of Iqbal,* 375

۲۸۔ قال ابن حجر: روی ابن اسحق قال حدثنی محمد بن جعفر بن الزبیر ،قال: قدموا علی رسول اللہ المدینہ۔یعنی: وفد نجران۔، فدخلوا علیہ مسجدہ حین صلی العصر، علیھم ثیاب الحبرات: جبب واردیة ،قال: یقول بعض من رآھم من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مارایناا بعدھم وفدا مثلھم ،وقد حانت صلاتھم، فقاموا فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلون، فقال رسول اللہ: (دعوھم)، فصلوا الی المشرق

فتح الباری فی شرح صحیح البخاری تحقیق: ابو معاذ طارق بن عوض اللہ بن محمد، الدمام (السعودیة) دارالنشر دار ابن الجوزی ١٤٢٢ه الطبعة الثانیة ٢/٤٣٩

۲۹۔ *Why I Am Not A Christian,* 176

Marfat.com

۳۰۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب بیان الدین النصیحۃ ...... تحقیق محمد فواد عبد الباقی، بیروت: دار النشر دار احیاء التراث العربی، ۱/۷۴

۳۱۔ علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء ایک مطالعہ، ۷۔۱۲۶

۳۲۔ محمد اقبال جاوید نامہ در کلیات اقبال فارسی، ۲۰۵/۷۹۳

۳۳۔ ایضاً، ۲۰۷/۷۹۵

۳۴۔ صوفی تبسم کے نام خط مورخہ ۲/ستمبر ۱۹۲۵ء در اقبال نامہ یعنی مجموعہ مکاتیب اقبال، ۲/ ۹۹

۳۵۔ ڈاکٹر نکلسن کے نام خط مورخہ یکم جنوری ۱۹۲۱ء در

Thoughts and Reflections of Iqbal, 97-99

۳۶۔ محمد اقبال بانگ درا در کلیات اقبال اردو مصغر، ۵۲ (نظم: سید کی لوح تربت)

۳۷۔ Huntington Samuel P. The Clash of Civilizations and the Remaking of the world order Newyark: Simon and Schuster 1998

۳۸۔ Mr. Obama's Speech is widelypublished for nearest reference The Egyptian Gazette Cairo May 5, 2009

۳۹۔ القرآن ۳:۶۴

۴۰۔ علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء ایک مطالعہ، ۱۴۳

۴۱۔ جاوید نامہ در کلیات اقبال فارسی، ۶۹/ ۶۵۷

۴۲۔ ایضاً، ۱۱۲/ ۷۰۰

Marfat.com

شرکاء کا تعارف

مرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

ڈاکٹر سفیر اختر

پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر قلمی نام اختر راہی، ملک کے مختلف کالجز میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۱۹۸۱ء میں بین الاقوامی یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے اور تا ریٹائرمنٹ اسی ادارے میں مختلف النوع خدمات انجام دیتے رہے۔ یہاں تدریس کے علاوہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں بطور ایڈیٹر بھی کام کیا۔

۹۵-۱۹۹۴ میں فل برائٹ سکالرشپ پر Pennsylvania یونیورسٹی فلاڈلفیا (امریکہ) میں تحقیق و تدریس کا کام کیا۔ ۲۰۰۵ میں مختصر مدت کے لیے James Madison یونیورسٹی ورجینیا (امریکہ) میں بطور استاد زائر خدمات سرانجام دیں۔ ملکی و غیر ملکی سطح پر ایوارڈ حاصل کیے۔ ملک و بیرون ملک کالجز اور یونیورسٹیوں میں بطور مہمان مقرر لیکچر دیئے۔ بیس (۲۰) اہم تالیفات کے مؤلف اور ملک میں شائع ہونے والے متعدد کتب و مجلّات کے ایڈیٹر رہے۔ عالمی اور ملکی سطح پر منعقدہ کانفرنسوں/ورکشاپوں میں شرکت کی اور مقالات بھی پیش کیے۔

ڈاکٹر حافظ محمد عبدالقیوم

شیخ زاید اسلامک سنٹر میں ۲۰۰۰ء سے بطور لیکچرار کام کر رہے ہیں۔ دورانِ تعلیم علمی اور ہم نصابی سرگرمیوں میں اعزازات حاصل کیے۔ طلبہ بی ایس کے مقالات کی نگرانی کی۔ ملکی و غیر ملکی مجلّات میں پندرہ (۱۵) سے زیادہ تحقیقی مقالات شائع ہوئے۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور اور بین الاقوامی اسلامی

Marfat.com

یونیورسٹی اسلام آباد کے زیرِ اہتمام عالمی کانفرنسوں میں مقالات پیش کیے۔متعدد عالمی اور ملکی سطح پر منعقدہ کانفرنسوں میں شریک بھی ہوئے۔

ڈاکٹر ساجد اسد اللہ داودی

گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سمن آباد فیصل آباد میں بطور لیکچرار خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ملکی اور غیر ملکی مجلّات میں سات (۷) تحقیقی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔متعدد کانفرنسوں میں شریک ہوئے۔مطالعہ کا خصوصی میدان Dead Sea Scroll ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر

ڈین کلیہ علومِ اسلامیہ وصدرِ شعبہ علومِ اسلامیہ ہیں۔۳۵ علمی وتحقیقی مقالات ملک کے مؤقر مجلّات میں شائع ہوئے۔علمی وتحقیقی دلچسپی کے خصوصی موضوعات قرآن مجید، سیرت طیبہ اور استشراق ہیں۔قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی اور مقالات پیش کیے۔ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح کے علمی وتحقیقی مقالات کی راہنمائی کر رہے ہیں۔دو کتابیں قومی سطح پر ایوارڈ حاصل کر چکی ہیں۔

جناب عبدالستار غوری

۱۹۳۵ء میں پٹیالہ میں پیدا ہوئے۔اعلیٰ تعلیم پاکستان میں حاصل کی۔مختلف مناصب پر فائز رہے بالخصوص نیشنل ریویو کمیٹی اور نیشنل کریکولم ڈویلپمنٹ، وزارت تعلیم پاکستان کے ممبر رہے۔مطالعہ کا خصوصی میدان بائبل ہے۔مطالعہ بائبل کے مختلف پہلوؤں سے متعلق تحقیقی مضامین اور پانچ اعلیٰ درجے کی تصانیف کے مؤلف ہیں۔

ڈاکٹر احسان الرحمٰن غوری

شعبہ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی میں ۲۰۰۴ء سے بطور اسسٹنٹ پروفیسر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔شعبہ علومِ اسلامیہ سے ۲۰۰۴ء میں پی ایچ ڈی کی۔خصوصی دلچسپی کے مضامین تقابلِ ادیان اور بائبل کی استنادی حیثیت ہے۔بارہ سے زیادہ تحقیقی مقالات ایچ ای سی سے منظور شدہ مجلّات میں شائع ہو چکے ہیں۔دو کتب کے شریک مصنف ہیں۔

Marfat.com

جناب عثمان احمد

۲۰۰۹ء سے شعبہ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی میں بطور لیکچرر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ بی اے آنرز شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی سے کیا، ایم بی اے انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن، پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ ادیب، شاعر، محقق اور ناقد، متعدد کتب کے مؤلف۔ ایچ ای سی سے منظور شدہ جرائد میں متعدد تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں، سابق ایڈمن آفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ اکرام

پروفیسر مسند اقبال پنجاب یونیورسٹی۔ ایران سے ڈاکٹریٹ کیا۔ سابق چیئر مین شعبہ فارسی و ڈین کلیہ علومِ اسلامیہ و شرقیہ اور پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کے پرنسپل رہے۔ متعدد پی ایچ ڈی اور ایم فل مقالات کی نگرانی کی۔ بہت سی عالمی و قومی کانفرنسوں میں شریک ہوئے اور مقالات پیش کیے۔ ایک قادر الکلام شاعر اور نثر نگار۔ سنجیدہ محقق، ماہر اقبالیات متعدد علمی و ادبی کتب کے مؤلف۔ آج کل ''دائرہ معارف و اقبال'' کی ترتیب و تدوین و تحریر میں مصروف۔

ڈاکٹر غلام علی خان

شعبہ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی سے بطور لیکچرار ۱۹۹۱ء میں وابستہ ہوئے۔ اس وقت بطور اسسٹنٹ پروفیسر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی اور گلاسگو یونیورسٹی (برطانیہ) سے پوسٹ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ دو درجن سے زیادہ تحقیقی مقالات مختلف مجلّات میں شائع ہوئے۔ ملکی و غیر ملکی سطح پر متعدد کانفرنسوں میں شریک ہوئے۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلبہ کے تحقیقی مقالات کی نگرانی کر رہے ہیں۔ ان کے خصوصی مطالعے کے میدان تقابل ادیان، اسلام کا معاشرتی نظام اور دعوۃ و ارشاد ہیں۔

مسفرہ محفوظ

شعبہ علومِ اسلامیہ کی پی ایچ ڈی کی طالبہ ہیں۔ تحقیقی مقالہ آخری مراحل میں ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب۔ پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی اور ملائیشیا سے پوسٹ ڈاکٹریٹ کیا۔ فاضل درس نظامی۔ صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان۔ ریڈیو اور مختلف ٹی وی چینلز کے دینی پروگراموں میں شرکت۔ حدیث، تفسیر سیرۃ اور فقہ سے متعلق متعدد تحقیقی مقالات تحریر کیے۔ چار علمی و تحقیقی کتب کے مئولف۔ سابق ریسرچ آفیسر قائداعظم لائبریری، لاہور۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ پی ایچ ڈی کا مقالہ، ''مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی علمی خدمات'' تھا۔ سیرت پر مضمون نویسی میں کئی ایوارڈ حاصل کیے۔ ملکی سطح پر متعدد کانفرنسوں، سیمینارز میں شرکت کر چکے ہیں۔ دو بین الاقوامی کانفرنسوں نئی دہلی، انڈیا نومبر ۲۰۰۸ء اور استنبول ترکی میں اکتوبر ۲۰۱۰ء میں مقالات پیش کیے ہیں۔ علمی و تحقیقی مجلہ ''القلم'' ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۷ء تک معاون مدیر کے فرائض سرانجام دیئے۔ کلیہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے مجلہ ''جہات الاسلام'' کے ۲۰۰۹ء سے تاحال مدیر ہیں۔ مقالات سیرت زیر ترتیب ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

پروفیسر امیریطس شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی۔ کنویز ارمغان کمیٹی۔ کیمبرج (برطانیہ) سے پی ایچ ڈی کی۔ سابق پروفیسر و چیئرپرسن شعبہ علوم اسلامیہ، ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی اور ڈین اورینٹل اینڈ اسلامک فیکلٹی پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ ایم۔اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلباء کے تحقیقی مقالات کی نگران۔ علمی و تحقیقی مضمون ملک و بیرونِ ملک کے مئوقر مجلات میں شائع ہوئے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسرائیل فاروقی

یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے شعبہ علوم اسلامیہ کے پروفیسر اور صدرِ شعبہ ہیں۔ دینی اور علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ متعدد تحقیقی مقالات ملک کے مئوقر جرائد و مجلات میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی مطبوعات میں سے چند یہ ہیں: ''قرآنِ حکیم اور سائنس''، ''مقالات فاروقی'' اور کتاب ''الجامع'' (ترجمہ و شرح بلوغ

Marfat.com

المرام)۔ متعدد سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی۔

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

انجینئرنگ یونیورسٹی کے شعبہ علومِ اسلامیہ میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم اے اور ایم فل کیا۔ پی ایچ ڈی پنجاب یونیورسٹی سے کی۔ بعض علمی مجلات کے ادارتی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ کئی کتب کے مؤلف اور مترجم بھی ہیں۔ آپ کے تحقیقی مقالات مختلف مجلّات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

جناب عاصم نعیم

۲۰۰۹ء سے شعبہ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی میں بطور لیکچرر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ایم فل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے کیا۔ پی ایچ ڈی شعبہ علومِ اسلامیہ سے کر رہے ہیں اور مقالہ آخری مراحل میں ہے۔ تفسیر، حدیث اور تاریخ سے خصوصی تعلّق اور شغف رکھتے ہیں۔ قومی سطح کے معروف مجلّات میں مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ دس سے زائد تحقیقی مقالات بین الاقوامی اور قومی سطح پر کانفرنسوں میں بھی پیش کیے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر زاہد منیر عامر

۱۹۹۵ء میں شعبہ اردو میں بطور لیکچرر تعیناتی ہوئی۔ ۱۹۹۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔ دو سو سے زیادہ علمی و ادبی مقالات و مضامین ملک و بیرون ملک کے معروف مجلّات میں شائع ہوئے۔ قومی اور عالمی سطح پر کانفرنسوں میں شریک ہوئے اور مقالات پیش کیے۔ سنجیدہ فکر ادیب، محقق، شاعر اور باصلاحیت منتظم ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پروگراموں میں باقاعدہ شرکت کرتے ہیں۔ برادر اسلامی ملک مصر کی الازھر یونیورسٹی میں کئی سال بطور استاد زائر خدمات سرانجام دیں۔ اس وقت ادارہ ابلاغِ عامہ میں مسند ظفر علی خاں پر فائز ہیں۔

Marfat.com

تالیفاتِ اساتذہ

شعبہ علومِ اسلامیہ

☆ شرح اربعین نووی	پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ
☆ سید علی ہجویریؒ حالات و خدمات	پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
☆ Studies in Hadith	ڈاکٹر جمیلہ شوکت
☆ Ishaq b. Rahawayh: Life and Works	ڈاکٹر جمیلہ شوکت
☆ حدیث نبوی اور مستشرقین	ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر
☆ اللؤلؤ والمرجان (ترجمہ و تشریح)	ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر
☆ اللہ میاں کے نام اداس خطوط	حافظ عثمان احمد
☆ ریت کے گھروندے	ڈاکٹر شاہدہ پروین

Marfat.com

اساتذہ شعبہ علوم اسلامیہ - پنجاب یونیورسٹی

کھڑے ہوئے پہلی لائن میں (دائیں سے بائیں)
ڈاکٹر برہان احمد فاروقی (ایم ۔ اے ۔ پی ایچ ڈی) پروفیسر علاؤ الدین صدیقی (ایم ۔ اے ۔ ایل ایل ۔ بی ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ) پروفیسر محمد شفیع ایم ۔ اے (Cantab) ۔ کے ۔ بی ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (ایم ۔ اے ۔ پی ایچ ۔ ڈی ۔) سید نذیر نیازی

دوسری لائن میں (دائیں سے بائیں) ڈاکٹر شجاع ناموس ایم ۔ اے ۔ ایم ۔ ایس سی ۔ پی ایچ ۔ ڈی ۔
ڈاکٹر عبداللہ چغتائی پی ایچ ۔ ڈی ۔

Marfat.com

آل ایشیا اسلامک کانفرنس

پروفیسر علامہ علاؤالدین صدیقی (صدر شعبہ علوم اسلامیہ) پروفیسر حمید احمد خان (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی) کے ساتھ

Marfat.com

اساتذہ و تلامذہ شعبہ علوم اسلامیہ ۔ پنجاب یونیورسٹی

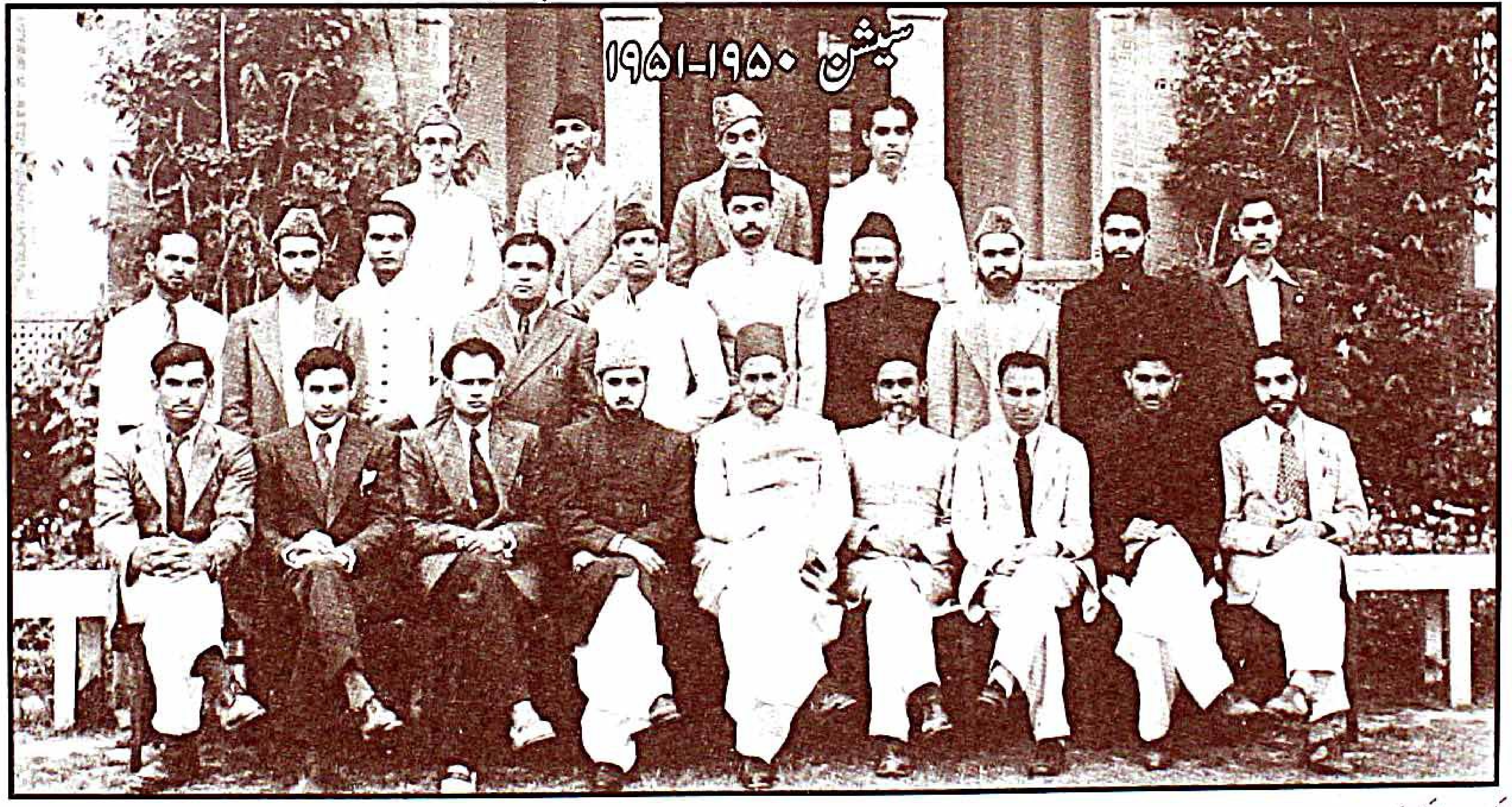

کرسیوں پر براجمان (دائیں سے بائیں)

عبدالقادر قریشی، اسسٹنٹ سیکرٹری سوسائٹی آف اسلامک سٹڈیز ، نصیر احمد مصری، وائس پریذیڈنٹ سوسائٹی آف اسلامک سٹڈیز ، ایم۔اے ماجد، ایم۔اے۔ پریذیڈنٹ سوسائٹی آف اسلامک سٹڈیز ، علامہ علاؤالدین صدیقی، ایم۔اے۔ایل ایل۔بی۔ ہیڈ آف یونیورسٹی ڈیپارٹمنٹ آف اسلامیات ، کے۔بی مولوی محمد شفیع ایم۔اے۔ (Cantab) چیف ایڈیٹر اردو انسائکلوپیڈیا آف اسلام

ڈاکٹر۔برہان الدین فاروقی ایم۔اے، پی ایچ ڈی ، قاضی ظاہرالدین ایم۔اے ، افتخار احمد چشتی سیکرٹری سوسائٹی آف اسلامک سٹڈیز ، عبدالواحد یوسفی ٹریژرر سوسائٹی آف اسلامک سٹڈیز

کھڑے ہوئے پہلی لائن میں (دائیں سے بائیں)

نذیرالدین رحمان، ملک ظفراللہ خان، سیّد حبیب اللہ حسینی، حسین الدین صدیقی، ضیاء الدین احمد صدیقی، آفتاب احمد خان، حافظ سمیع اللہ، انور علی شاہ، طاہر قادری، محمد اشفاق

کھڑے ہوئے دوسری لائن میں (دائیں سے بائیں) محمود احمد عارفی، حفیظ الرحمٰن، محمد افضل چوکیدار ، محمد احمد

Marfat.com

9- *Al-Qur'an*, 4:1

10- Tabraizi, *Mishkat al-Masabih*, III/72, Dar al-Fikr, Beirut, 1421A.H

11- *Al-Qur'an*, 91:7-10

12- *Al-Qur'an*, 2:38

13- *Al-Qur'an*, 35:24

14- *Al-Qur'an*, 16:36

15- *Al-Qur'an*, 4:164, *Al-Qur'an*, 40:78

16. *Al-Qur'an*, 10:47

17- *Al-Qur'an*, 16:36

18- *Al-Qur'an*, 2:256

19- *Al-Qur'an*, 22:39-40

20- *Al-Qur'an*, 2:190

21- *Al-Qur'an*, 16:36

22- *Al-Qur'an*, 2:4

23- *Al-Qur'an*, 2:136

24- *Al-Qur'an*, 2:285

25- *Al-Qur'an*, 3:63

26- *Al-Qur'an*, 2:62

27- *Al-Qur'an*, 3:63

28- *Al-Qur'an*, 7:158

29- *Al-Qur'an*, 2:115

30- *Encyclopedia of Britannica*, article, Bible

31- *Al-Qur'an*, 2:115

32- *Al-Qur'an*, 22:40

33- Muslim, *al-jami*, *K.al-Masajid*, II/63

34- *Al-Qur'an*, 72:18

35- Ibn Hajar, *Fath al-Bari*, ix/63; Zurqani, *Sharh al-Mawahib*, IV/41

36- *Al-Qur'an*, 2:256

37- *Al-Qur'an*, 6:108

38- Tirmidhi, *al-Sunan*, *bab ma yaqul...*, II/96,97

Marfat.com

exceeding the limits they abuse Allah through ignorance. Thus to every people we have made their deeds fair seeming; then to their Lord is their return, so He will inform them of what they did. (37)

Conclusion

In conclusion it may be stated that through its teachings regarding fundamental unities, viz., the unity of creation, the unity of mankind, the unity of Divine guidance and the unity of purpose of life, Islam initiated an era of inter-religious, interfaith, international toleration and goodwill. Islam as its Arabic form denotes is Religion of Peace-peace with the Creator and peace with the creation. It's primary consideration and ultimate goal are to bring about peace in the world. The recognition of one Creator, and one cosmically well-knit and well-organized universe, one fraternity of mankind, one sisterhood of religions, and one purpose of life, means peace for all. Islam aims at bringing about a society which would live with open eyes, open mind, open heart and open avenues of progress towards the goal of universal peace. Islam is the religion of peace, stands for peace, works for peace and aims at peace. The well known prayer which is recited by all Muslims so many times during the day says:-

> O Lord you are Peace, from you comes Peace, and to you returns Peace, make us, O Lord, live in Peace and allow us to enter the house of Peace. O Lord of Glory and Grace thine is the Bliss and Elevation. (38)

۞ ۞ ۞

References

1- *Al-Qur'an*, 95:4
2- *Al-Qur'an*, 2:30
3- *Al-Qur'an*, 67:1-2
4- *Al-Qur'an*, 23:115
5- *Al-Qur'an*, 59:24
6- *Al-Qur'an*, 20:15, 87:2-3
7- *Al-Qur'an*, 87:1-3
8- *Al-Qur'an*, 95:4

Marfat.com

Here protection of the places of worship to whatever religion they belong is described as helping God, i.e. serving the cause of God the cause of peace and general welfare of Humanity. Thus Islam not only inculcates the spirit of tolerance towards temples of other religions but also makes it a bounden duty of the Muslims to protect them. The Muslims have generally been following this policy during the days of their glory.

As for the Muslim places of worship, the Prophet of Islam is reported to have said that "the whole world has been made a mosque for him,"(33) meaning thereby that God can be worshipped anywhere and everywhere. But when particular places of worship are raised in the name of Allah, which are called the Masajids or the mosques, they are only to be used for His and only His worship(34). Mosque could be thrown open to members of other faiths for Divine whorship, provided that did not create any awkward situation for any one of the two concerned faiths. It is a well-known fact that the Holy Prophet of Islam, (peace be on him), permitted the deputation of Najran to hold their service in the Masjid-e-Nabawi at Madina which is one of the most sacred mosques of Islam. (35)

In conclusion, Muslims are required to respect all places of worship, whether they belong to their own religion or other religions.

Islam and Freedom of Religious Practice for other Religions

Islam does not interfere with anyone's faith or conviction. It opens new vistas of religious understanding for believers of other faiths, but "there can be no compulsion in religion", says the Holy Qur'an(36). A non-Muslim under no circumstance can be forcibly converted to Islam or can be victimized for his adherence to any other religion. Non-Muslims are free to believe in whatever they like or to practice whatever they deem fit. The difference of faith or creed does not hamper any one's chances of progress of development in a country where Islam wields power. Islam strictly prohibits the disparagement of any faith whether true or false. Even false gods cannot be abused as the following verse reveals:

And abuse not those whom they call upon besides Allah, lest

Marfat.com

revelation given to their respective founders, but these have not been properly preserved and in their present from they are not without the impress of the vicissitudes of time. This statement though very seldom properly appreciated by the followers of other religions, is historically and scientifically very very true and correct.[30] Latest researches in comparative religion have led to the same conclusion as arrived at, through revelation, by the Prophet of Islam.(Peace be on him)

Islam thus respects Divine guidance and revelation, but is cautious enough to discriminate between the authentic records and the less correct versions. But whatever form or contents religious scriptures may have taken, a Muslim is duty-bound to show respect to these books because they are respected by others.

Islam and places of worship of other religions:

Islam does not believe that one particular geographical spot is sacred; or one particular direction is specifically the direction towards Allah. The Qur'an says, "To Allah belong the East and the West" and therefore to whatever side you turn you will find God there"[31]. God is omnipresent and because He is omnipresent the sanctity of His presence makes the whole universe holy and sacred. Monopolies of sanctity and holiness are not acknowledged. There may be certain places which are sacred on account of their association with prophets and Holy personalities, but so far as Divine presence is concerned, God does not particularly live or dwell in a particular place. The places of worship that men have raised for the worship of God and glory of His name all deserve people's respect, provided such places are not used for the glorification of beings other than the Supreme Being. Muslims are duty bound to protect these places of worship whether they are synagogues, Churches, temples or Mosques which are used for the glorification of the Divine Name of Allah. The Holy Qur'an says:

> And if Allah did not repel some people by others, cloisters, and synagogues, and Mosques in which Allah's name is much remembered, would have been pulled down. And surely Allah will help him who helps Him.[32]

Marfat.com

Islam and standard of acceptance with God:

Islam is a liberal religion, and has, therefore not denied rewards to the followers of religions other than itself, for right beliefs and good actions.

> Those who believe in Islam, and the Jews, and the Christians, and the Sabians whoever believe in Allah and the last day and do good they shall have their reward from their Lord, and there is no fear for them, nor shall they grieve. (26)

Religions talk about salvation. The door of salvation is considered by Islam, to be open for all people who have believed and acted rightly.

A question naturally springs up there, that if all religions are acceptable, what is the need for the Islam of Muhammad (Peace be on him). We have already explained that Islam recognises all religions in their true form to be Islam. Muhammad (Peace be on him) according to Islam is one of the Prophets. He preached the true religion of God like hundreds of his predecessors. He invited the followers of religions to a common platform(27), reminding them that was the real understanding of religion is behind date. It is this need which purpose of revealed religion. It is this universal invitation for co-operation in righteousness and piety" that make him a "Universal Teacher"(28) and a "Mercy for all nations"(29). The Muslim point of view is that without accepting this universal invitation real understanding of religion is behind date. It is this need which necessitates the acceptance of the teacher, who stood for the final collaboration of the work of the great teachers before him. By accepting Muhammad (Peace be on him) all Prophets are accepted and respected. To a Muslim the belief would be incomplete if all are not accepted.

Islam and Scriptures of other Religions:

Having accepted the universality of Divine revelation Islam respects the revelations given to other religions. The position in this connection needs a bit of explanation. Islam believes that before it, other religions had their scriptures, which were the records of Divine

Marfat.com

have not been mentioned in the Qru'an:

And verily we sent messengers before thee, of them were those we have mentioned to thee and of them are those we have not mentioned to thee. (21)

The revelation given to the Prophet of Arabia seems to mention by name only those Prophets with those names and fames the Arabs were fully conversant. There is a tradition of the Holy Prophet which describes the number of Prophets in thousands. A Muslim has to believe in all these Prophets and to revere and respect their sacred memories. The Qur'an says:

They (the Muslims) believe in what has been revealed unto you, and also in that which was revealed before you. (22)

There are other verses too which repeat the purport and substance of this verse. A Muslim cannot be a Muslim unless and until he respects the memory of all the Prophets, the great leaders of religious thought.

Say: We believe in Allah and (in) that which has been revealed to us, and (in) that which was revealed to Ibraham, and Ismael and Isaaq and jocob and the tribes, and (in) that which was given to Moses and Jesus, and in that which was given to the Prophets from their Lord, we do not make any distinction between any of them and to Him do we submit. (23)

The messenger believes in what has been revealed to him from his Lord and (so do) the believers. They all believe in Allah, make no difference between any of His messengers. (24)

This teaching of accepting truth in its universal form, and respecting the great teachers of truth provides an opportunity to the Muslims to extend the hand of goodwill and co-operation to religions other than their own.

Say: People of the Book, come to a word common between us and you, that we shall not worship anyone, but Allah and that we shall not associate aught with him, and that some of us shall not take others for Lords besides Allah. (25)

Marfat.com

clearly distinct form error. So whoever disbelieves in the devil, and believes in Allah, he indeed lays hold on the firm handle which shall never break.[18]

Islam and Religious Wars:

Islam never fought against any religion. Muhammad, (peace be on him) never fought any battles against Judaism or Christianity or any other religion. He was always prepared to let them live, provided they let Islam and its followers live also. So the battles that we have in Islam in its earliest period were not battles between religion and religion. They were battles between the followers of other religion and the followers of other religions, while the former were tormented and tortured to the extremist extent. One can clearly say that Islam never fought, but its followers were forced to fight against those who fought against them. The permission was definitely based on self-defense. The Qur'an Says:

> Permission (to fight) is given to those on whom war is made, because they are oppressed. And surely Allah is able to assist them those who are driven from their homes without a just cause except that they say: Our Lord is Allah.[19]
>
> And fight in the way of Allah against those who fight against you, but be not aggressive. Surely Allah loves not the aggressors.[20]

Islam and Prophets of other Religions:

As already explained, Islam teaches that revelation is a universal phenomenon and that Divine Guidance has never been, and is not the monopoly of one particular nation. The rays of the sun of revelation have been illuminating the paths of life of various nations in the world. Those whom Divine Mercy selected specially to guide others, and to whom the Divine message was given directly, are the real benefactors of Man, who learnt morality, law and ethics through them. The Holy Book of Islam mentions by names less than 30 of such Prophets. But has at the same time stated that there were other Prophets whose names

Marfat.com

Creation, the Unity of Mankind, the Unity of Guidance and the Unity of Purpose, Islam puts a joint responsibility on man to realize and understand the plan of the Creator, and to help and serve His creation. "What is Religion? It is respect for the Commandments of God and mercy and kindness for His Creation." Religion is the Code of selfless service to the whole of Divine creation, especially man.

With this realisation of joint and collective responsibility, a Muslim cannot disparage any system of life and guidance, and cannot hate any specimen of Divine Creation. This brings us to the very specific attitude of Islam towards other religions. Islam believes that true religion is one in origin. It is the emanation of the one Eternal Light.

Islam, therefore, inculcates an understanding and realization of the basic truth. A Muslim, if he understands what Islam is, can never talk of any religion disparagingly. He has to respect all religions, and the Prophets of all religions. He has to show respect to the leaders of religious orders. In respecting religions the question of true and untrue and good or bad does not arise. Man is respected in Islam as Man, and Religion is respected as Religion. Just as we have good men and bad men in spite of that fact the dignity of man does not lose its importance and respect, similarly there may be religions which retain their original intrinsic truth and there may be religious systems which unfortunately through circumstances have swerved away from the original pattern. As religions they have to be respected. This was the ultra noble tradition of religious toleration and mutual understanding imitated by the great Prophet of Arabia. (Peace be on him)

Islam and Tolerance of religious differences:

This basic toleration of differences of opinion underlies the complete goal of life set by Islam. The Prophet and his immediate followers acted according to this spirit and the light of Islam spread out in the world. Islam spread out in the world through its golden teachings, which included basically the respect of Religion and the respect of Man. Compulsion in religion is prohibited in Islam.

There is no compulsion in religion. The right way is indeed

Marfat.com

Serve Allah and shun the devil. (14)

And verily We sent messengers before thee, of them are those we have mentioned to thee, and of them are those we have not mentioned to thee. (15)

And for every nation there has been a messenger. (16)

Thus Islam believes that Prophets were raised for the guidance of mankind wherever it lived. Not only this but it stresses that the main object in raising Prophets was also basically one, i.e.

Allah be worshipped and evil be shunned! (17)

This gives us the third unity according to Islam that is the unity of Divine Guidance. The Creator being one, and the nature being one, there could not be two guidances. So according to Islam the basic guidance behind all true religions, and underlying the messages of all true Prophets was one. True religion in its essence is one and the same everywhere. The difference in form is either on account of the geographical environment or the immediate human circumstances. This would explain the variety of juristic details in the theologies of various religions. In Islamic Phraseology this is called *Sharia* or *Minhaj*. Hundreds of Sharias are found in history but the basic religion behind them all is one.

Islam and Unity of purpose of life

We have already explained that according to Islam there is one Creator of the whole creation., There is a well-knit, well-integrated, cosmic unity behind all orders of existence. Man, the soul of all creation, has one origin, has one source of maintenance and again one source of guidance. Having had one origin of existence and guidance man has to possess essentially one purpose of life. That purpose of life has been very definitely given by the Qur'an, as the realization of the supremacy of the Supreme Being, and the effort to avoid all evil so that the Universe and the Mankind both move according to the Divine Plan.

Respect for Religion and Religions

With the aforesaid four fundamental unities, i.e. the Unity of

Marfat.com

"Mankind is the family of God."(10) As there are not two Gods there could be no two families. Humanity is basically one. The nature of man is one. It's fundamental needs and urges are one. This unity of mankind, socially and politically enables us to appreciate the common origin of man in the East and the West, and the South and the North. It also throws light on the fact that mankind while spreading out in the world acquired various habits and customs on account of its different geographical and anthropographical environments.

Islam and Unity of Guidance

Human nature being one, the basis of internal demands of man always remains unswervingly one, but the immediate needs under pressure of circumstances and environments remain changing. The way of life for man, thus had to bear a stamp of permanent basic unity plus transitional environmental demands. Wherever man lived, his cravings and longings had two aspects. The basic urges of man were similar everywhere, but besides these, there were cravings cropping up from immediate local needs of his life. Islam says that the basic guidance was given by the Creator Himself.

> And the soul and its perfection! So he revealed to it, its way of evil and its way of good; he is indeed successful who keeps it pure, and he indeed fails who buries it.(11)

Mankind with this basic guidance spread out in the vast world. Whenever the basic guidance was ignored or lost sight of, the Creator Lord sent reminders to revive the forgotten guidance.

> Surely there will be coming from me guidance to you, then whoever follows my guidance, no fear shall come upon them, nor shall they grieve. (12)

This guidance was sent through those chosen ones whom we generally call Prophets. Prophets, according to Islam, were raised in all nations. The Qur'an says:

> Verily we have sent thee with the Truth, a bearer of good tidings and a warner; and there hath not been a nation but a warner hath passed among them. (13)

And certainly We raised in every nation a messenger, saying:

Marfat.com

The Qur'an repeatedly says:

Our Lord is He who gave to everything its creation (i.e. created it) and then guided it. (6)

Glorify the name of the Lord, the most high. Who created, and perfected, and who measured and guided (Everything). (7)

God brought this Universe into existence from non-existence. All creation had its source and origin in the creative powers of the Supreme Being. All that we see and observe and all that exists whether we see it or not, has been brought about by God. This Unity of Creation is the fundamental belief about the relation of God and the Universe in Islam. God created this Universe and has not severed relations with it, but is maintaining and retaining it by providing facilities of progress and evolutionary development. This attribute of God is called *Rububiyat*. There is one *Rabbul Alamin* that is the Maintainer of the Universes. This again leads to the same conclusion that the Universe is the outcome of one creative power and is being maintained in development by the same power. Islam, therefore, takes all existence as one whole, and thus prepares itself to consider all problems regarding the Universe as pivoted upon one central power.

Islam and Unity of Mankind

After the Unity of Creation, Islam invites attention to the Unity of Mankind. Man, as already mentioned, has been described as the vice gerent of God, and the Masterpiece of His creative capacities. The Qur'an Says:

Verily we have created man in the best make. (8)

This masterpiece of creation, although found in various colours and shades in the expanse of this vast inhabited world, has had one origin. The Holy Qur'an says:

O people of the world be mindful of your duties towards your Lord, who created you from a single being, and created its mate from the same kind and spread from these two, men and women.(9)

This verse of the Qur'an definitely throws light on the common origin of mankind. The Holy Prophet of Islam is reported to have said

Marfat.com

Islam and the plan of life of man

In order to ascertain the relation that Islam as a religion wants to maintain with 'other religions, it is essential that the basic theory of life and its social responsibilities as enunciated by Islam should be studied. Islam attaches very great importance to man, The Qur'an says:

> Certainly we created man in the best make. (1)

Man is the vice-gerent of God in this world. The Qur'an declares:

> And when thy Lord said to the angels, I am going to appoint on earth a vice-gerent. (2)

Man has to deputize for the Almighty Lord in this world according to the plan of life, and the plan of the working of the universe, as given by God himself. He has a goal and a destination definitely set before his eyes. He is duty bound to move towards that destination with a clear intention and definite struggle. Allah says:

> Blessed is He in whose hands is the Kingdom, and He is possessor of power over all things. Who created death and life that He might try you which of you is best in deeds. (3)

The Holy Book again and again affirms that life has not been created aimlessly. There is a definite purpose of life, and a very specific goal set before it. It says:

> Do you then think that we created you in vain, and that you will not have to return to us. (4)

Life has thus a plan behind it. Let us, therefore, study it from the point of view of Islam.

Islam and Unity of Creation

The basic plan of life is explained by Islam by the pronouncement of certain unities. The first and the basic unity described by Islam is the Unity of Creation. The Holy book of Islam says:

> He is Allah, the Creator, the Maker, the Fashioner. His are the most beautiful names. Whatever is in the heavens and the earth declares His glory; and He is the Mighty, the Wise. (5)

Marfat.com

intolerance. But history says that the record of religion, itself is not without stigma. Haven't we fought battles in the name of religion. To quote one instance, which has not yet, unfortunately, submerged into oblivion, one can mention the crusades. Didn't the followers of two great religions kill each other in the name of the "Religion of Peace" and the "Prince of Peace." Have other religions not fought against each other for the supremacy of one over the other, and has humanity not seen massacres at the hands of those followers of religions, who have been afterwards extolled to the eminent positions of national heroes and defenders of faith. The charge does not seem to be wholly unfounded. Apparently Religions have broken peace. May be that an unbiased and unprejudiced scrutiny of the case might refute the charge, and say it wasan't Religion. It was misuse of Religion. All good things can be put to wrong use. Religion was intended to be a means to Peace. In fact religions never clashed. Misunderstanding and exploitation in the name of religion created clashes.

Religion has to be distinguished from what is not Religion.

Study of attitude

In order to ascertain the utility of religion in present or future pattern of life, a study of original attitudes is essential. May be that will enable suffering humanity to find out ways and means to sit together, and agree to live together, in a much more agreeable atmosphere than the one we are living in. It is beyond the scope of this paper to deal with all or even the major living religions of the world. The present study is devoted only to the attitude of Islam towards other faiths.

Islam - the significance of the name

One peculiar feature of Islam is that its name is not based on an attachment with a person (as we find in most of other religions). The word Islam, which means "Peace" or "Submission" has always been explained to be a system aiming at peace between "Man and God" and "Man and Man" or a system of thought and action based on "Submission" to the overall Divine plan of life.

Marfat.com

Apprehended clashes

The great struggle for existence and supremacy that exists today has crystallised and serious clashes. Sometime one shudders to imagine the magnitude of harm which these clashes might lead to. There are clashes between ideologies and methods both. Some people have very rightly begun to foresee the catastrophies and disasters that these clashes in the thought and action might entail. The sound of a clash between science and humanities is dinning deep in every body's ears. The efforts to recover from the shock have also begun. The inclination to set the balance again is very marked. One fortunate feature of this inclination in thought is that, having realised that science in the name of progress is heading towards the cliff of disaster, greater attention than before has begun to be paid to humanities.

Turn towards Religion

Jealousies and rivalries seem to be cutting mankind to pieces. But some branches of learning in the field of humanities are trying to bring about peace between the warring camps. The alarming situation has necessitated reinforced keen interest in the study of Religion and Philosophy. Perhaps this may enable mankind to ward off the impending clash and disaster. More attention is being devoted to the study of Religion. Religions of late, have begun to review their records, to dig out their originals, study their rivals, and to find out the way to mutual understanding if possible. To the writer of these lines it seems to be a healthy sign - a right step in the right direction, but the results would depend on right intentions and right method. Religions have preached peace. Why cannot they, working together, bring about Peace? That is serious question before everyone who believes in Religion.

Misunderstandings

We have mentioned Religion as one of the means which can be usefully employed for bringing about the much coveted and long desired peaceful atmosphere in which nations of the world can live healthily without apprehension of suffocation through ignorance and

Marfat.com

THE ATTITUDE OF ISLAM TOWARDS OTHER RELIGION

Man on the move

With new advancements in learning new avenues of research are opening before scholars and new branches of knowledge are cropping-up before scholars rapidly. The chief demand of the time seems to be that all possible resources be exploited for progress and advancement. Man seems to be very enthusiastically devoted to the idea of progress. Though this idea is not new, yet the favour and enthusiasm shown today in this field seems to be surpassing previous records. While it is very useful and beneficial for the general interests of human progress that man should devote very great attention to his physical self and material progress, one unfortunate feature of our present day advancement sometime looks very alarming, and that is the apprehension of spiritual and moral values getting absolutely ignored. We cannot say that too much of materialistic progress has not yet had its reaction. It is there, both in the East and in the West, there is a marked craving for keeping up the balance between the material and the non-material aspects of human progress.

Cycles of cultural advancement

Cultures and civilizations have always moved in cycles. One or two particular races always supersede the rest in the race of advancement. In history we find that very often knowledge and supremacy went with one particular people in a particular age or era. At present, we find that the West stands highest on the horizon of intellectual advancement. Our eyes see more than one nation struggling to supersede each other, but sooner or later time will determine which one of them wins the race.

Marfat.com

In short, according to the original claims of the Founder, Islam is the perfect and universal system of guidance, and Muhammad (peace be on him) is the universal Teacher for mankind.

O Allah, send your choicest blessings on Muhammad, and on those who loved and followed him.

۞ ۞ ۞

References

1- *Al-Qur'an,* 35:24

2- *Al-Qur'an,* 2:4

3- *Al-Qur'an,* 25:1

4- *Al-Qur'an,* 21:107

5- *Al-Qur'an,* 1:1

6- *Al-Qur'an,* 12:104

7- *Al-Qur'an,* 21:107

8- *Al-Qur'an,* 7:157

9- *Old Testament,* Deut, 33/2

10- *Gospel of St. John,* chapter 1

11- *Al-Qur'an,* 61:6

12- *Mishkat al-Masabih*, III/72, Dar al-Fikr, Beirut, 1421A.H., 2001A.D.

13- *Encyclopedia of Britannica,* article on Muhammad

14- *Al-Qur'an,* 2:201

15- Imam Malik, *Mawatta', K. Husn al-Khulq*, 605, Dar al-Fikr, 1989.

16- *Al-Qur'an,* 33:21

17- *Al-Qur'an,* 5:3

Marfat.com

under all circumstances and war, when pressed and dragged towards it, is the teaching of Muhammad. He was dragged to the scene of battle, and has left indelible marks of mercy and forgiveness on pages of History. In the field of economics, via media again is the teachings of the prophet. Extremes of capitalism and communism are deprecated, and socialistic adjustments in the interest of man in general are inculcated. It is high time that capitalism opened its eyes to see its impending disaster, which must come in spite of the monstrous bribes of the 'master capitalist's. It is time for communism to realize that it had succeeded in destroying 'peace' but had been able to provide a balm to the wounds of suffering humanity. It is high time that the solutions brought by the universal prophet were tried dispassionately to heal the sores of humanity.

The practical equality and fraternity preached by the universal prophet looks anxiously towards the 'segregation problems' of the new civilizations. There is a lesson which only Muhammad (peace be on him) can teach. Under the glamour of modern culture and civilization the world may ridicule today the strong stand taken by the Universal Teacher against drinking, gambling and womanizing, but the moral and the cultural downfall of the modern man will soon make him shudder at the enormous loss that humanity has incurred on account of its immorality. Muhammad (peace be on him) said:

I have been sent to complete good morals and good actions. (15)

He preached and practiced thought and action based on them, which will always procure to humanity frank and straightforward solutions of the problems of life. Islam is a practical and practicable religion. It is the only religion which claims finality, and in this finality lies its universality, because only the final form of guidance can be advocated for all. Islam also claims that the life struggle of the prophet can serve as an excellent model of life for all. Verily in the prophet of Allah you have the best example. (16) says the Qur'an. Thus the final and universal message of guidance was given to the world by Muhammad (peace be on him). Allah says:

Today I have perfected your religion for you, and have liked Islam (the religion of peace) for you. (17)

Marfat.com

co-operation was extended to all 'lovers of truth' and 'worshippers of God'. Unity of God is the foundation-stone of true religion. The Prophet preached unity dauntlessly against severe opposition and hostility, and along with 'unity of God' he stressed 'unity of human race' and 'unity of Divine guidance'. He called mankind 'the family of God'[12] and laid foundation of human fraternity, based on a specific acceptance of the dignity of man'. Man as man was respectable to Muhammad (peace be on him), irrespective of artificial distinctions. He believed in, and worked for "the rise of man". "Fall of man" was no external handicap in his programme of "peace with His creation. The Prophet taught to live for peace, and to crave and pray for peace in this life, and in the life to come.

What imparts a unique importance to the universality of Islamic teachings, in their natural simplicity and practicability. Muhammad was not a dreamer. According to the description of Encyclopedia Britannica,

> Of all the religious personalities of the world Muhammad was the most successful. [13]

His success which was undoubtedly a great divine favour was basically due to the practical solutions of the problems of life which he taught. He preached neither extreme other-worldliness nor a passionate and selfish attachment to the materialistic gains. His message was a via media between extreme actions. He taught the prayer "Our Lord, grant us good in this world, and good in the next and save us from the torment of fire". [14]

Muhammad's mission was to enable humanity to live nobly and dignifiedly, and to co-operate for common good of the human race. Against this perspective, place his practical reforms, and you will realize the greatness of his vision in suggesting solutions for human ills and evils. What the prophets, philosophers, and saints taught in thousands of years, humanity is out, now, to ruin in no time. Suffering humanity is groaning under the rushing pressure of immoral politics. Hypocritical pacific utterances with crocodile tears conceal the worst devastating designs in the field of politics. The world needs the frank and straightforward teachings of the prophet of Islam, inculcating fair and honest deals, despite repeated treacheries from the other side. Peace

Marfat.com

Arabia was foretold in the previous scriptures. "They find him described in the Torah and the Gospel" says the Holy Book [8], the Muslims who accept the original intrinsic truth of the Bible believe that some of its verses point towards the prophethood of Muhammad (peace be on him). For instance, the book of Deuteronomy says:

> The Lord came from Sinai, and rose up from Seir to them; he shined forth from mount Paran, and he came forth with ten thousands of saints; from his right hand went a fiery law for them. [9]

The Muslims believe that Sinai, Seir and Paran stand for the places where Divine light shone through Moses, Jesus and Muhammad peace be on them. According to the Gospel of St. John (Chapter I), John, the Baptist when asked by the Jewish priests and levites, whether he was Christ, Elias or "that prophet," [10] he denied being any one of these. This shows that Christ, Elias and "that prophet" were expected by the Jews. The Muslims believe that Jesus was "the Christ," and Muhammad was "that prophet," for whom Beni Israel were anxiously waiting. These two references have been quoted just to show that the Muslims, on the evidence of the Bible and the Qur'an, have been believing since the beginning of their history, that a prophet was awaited by nations and that Muhammad was "that Prophet" mentioned in the Gospel of St. John. The Muslims call him "the prayer of Abraham" and "the promise of the Messiah". The Holy Qur'an mentions the prophecy of Jesus (peace be on him) about the prophet in the following words:

> When Jesus, son of Mary, said: O Children of Israel, surely I am the messenger of Allah to you, verifying that which is before me of the Torah, and giving the good news of a messenger who will come after me, his name will be Ahmad. [11]

Universality of the Prophet's Teachings

The prophet of unity and universality preached, like his glorious predecessors, the message of universal truth, and announced a common platform for spiritual amity and religious unity. This offer of

Marfat.com

Acceptance of a prophet is not acceptance of his biographical data, but it is acceptance of his fundamental claims and their historicity. It is important to know whether he himself claimed certain things or his followers and admirers haloed him with afterthought glamour. It is one of the unique features of the life of the prophet of Islam that authentic original material is available about the details of his life and mission.

The Qur'an is the most authentic source of acceptable details of his claims. Those who study his life with the zeal of a devoted admirer, or with the scrutiny of a seeker after truth or even with the prejudice of one brought up in an atmosphere of dire animosity owing to political tussles of the Muslims and the non-Muslims they would all do well, if they turn to the Qur'an the original contemporary and comprehensive evidence of the claims and teachings of the prophet. For instance it will be the Qur'an which will establish, that even in the earliest Makkan revelations, which came in a period of dire adversity and helplessness, the prophet was declared by God to be a universal teacher and a universal guide.

And we have not sent you but mercy to the nations. (4)

This is a very well known verse declaring the universality of his message, and the merciful and clement nature of his mission. It occurs in a Makkan chapter of the Qur'an, and was revealed in that period of his life when apparently the chance of his success seemed very remote.

Basic Concepts

It is a noteworthy fact that the basic concepts of the Islamic religion all point towards the universality of divine guidance. *Allah is Rabb-ul-Aalamen* (5) (Lord of the Worlds) and not the Lord of a particular race or a nation. The Qur'an, is a *Zikrun-lil-Aalameen* (6) or a program for the worlds, and Muhammad (peace be on him) is the *Rahmatul-lil-Aalameen* (7) or the embodiment of divine mercy to the worlds. Rahmat or divine mercy, is the most dominant attribute of God, and the prophet is declared to be an embodiment of Rahmat.

The Promised Prophet

The Qur'an stresses repeatedly that the advent of the prophet of

Marfat.com

MUHAMMAD (SAW)
THE UNIVERSAL PROPHET

Islam believes in the universality of Divine guidance, which means two things. One, that revelation has been a universal phenomenon and no nation has been deprived of it. The other, that Muhammad (peace be on him) (as corroborator of the previously delivered divine messages, is a universal teacher, whose message of 'unity of God' and 'unity of mankind' is a universal message, for the whole human race, irrespective of colour, class or creed.

The Holy Qur'an stresses again and again that Prophets were raised in all nations and that no nation was left without a warner.(1) It is a bounden duty of each believer to accept along with the last one, the truth of previous revelations. The Holy Book describes Muslims as "believers in that which has revealed before you (i.e. the other prophets).(2) Islam recognizes revealed wisdom, as a universal asset, and accepts the complete galaxy of prophets, as a line of benefactors of human race. Recognition of the divine favour shown to others was an essential step for brining about understanding between nation and nation, race and race, and man and man.

False Notions

It was necessary to remove the false notions of 'spiritual monopolies' and 'chosen races'. This was the greatest contribution of Islam, and the prophet of Islam who preached this universal message invited all to unite and co-operate in the 'worship of God' and 'service of humanity'. His message was for all without any exception. The Qur'an says:

> Blessed is He who revealed the message of discrimination (between right and wrong) to His servant, that he might be a warner to the nations. (3)

Marfat.com

10- Cecil Roth, *Jewish Encyclopeadia,* 10-11.
11- *Encyclopeadia Biblica,* I , Column 25
12- Ibid. I, Column26.
13- *Historians' History of the World,* II/168.
14- *Peakes' Commentary on the Bible,* 14.
15- *Encyclopaedia of Britannica,* Article, Bible
16- *Al-Qur'an,* 2:124.
17- *Al-Qur'an,* 16 :120-123.
18- *Al-Qur'an,* 6:162.
19- Prof. H. Graetz, *History of the Jews,* III/71.
20- *Historians History of the World,* II/56
21- O.T, *Gen.* XV.5.
22- O. T. *Gen.* XXII.17.
23- O.T, *Matt.* III/ 9.
24- N.T. *Luke* XVI/22.

Marfat.com

Religions, viz: Judaism, Christianity and Islam. Abraham is according to Jewish tradition the progenitor of their race and founder of Jewish religion, [21] and it is the promise of God with him to bless his progeny, that is keeping alive the enthusiasm of Beni Israel. [22] Jesus, the great founder of Christianity, is accepted by the Christians to have come in fulfilment of the prayers and prophesies of the Jews, the descendants of Abraham and the claimants of the promise made by God to their ancestor regarding his progeny who were to be as numerous as "the stars in the sky "and "the sand on the sea shore" "in the New Testament it is declared that God can raise up children unto Abraham from stones". [23] To rest in Abraham's bosom, the bosom of the progenitor of the race, was the summit of eternal peace. [24]

After the Christians comes the turn of the Muslims, who claim their Prophet to be one of the descendants of Abraham, who is asked by God to follow and preach the religion of Abraham, which was Islam itself. The world owes a great deal to Semitic though, and the influence of the Bible and the Qur'an has been changing the course of history since the days of their appearance in the world. Is not all that influence, in turn the influence of Abrahamic traditions on world history? It certainly is.

References

1- O.T, *(Genesis)* :Al-Qur'an (repeated reference); *Al-Khutuba al-Arab was- seerat al-Muhammadiya* (al-Khutba tul Ula).
2- O.T, *(Genesis)*
3- *Encyc. of Britannica,* II Art. Bible
4- *Encyc.of Religion and Ethics,* VI/657.
5- M. Rollins *Ancient History of the Egyptians,* I/250.
6- *Historians History of the World,* II/56.
7- Ibid. 8- Ibid. 9- Ibid.

Marfat.com

house of worship of Allah, raised by Abraham and Ishmael, the ancestors of the Prophet (Peace be on all of them). Hajj is performed in commemoration of the sacrifices made by the house of Abraham. Thus we see that Abraham, his personality, his faith and his miralces are a part and parcel of the Islamic religious tradition.

For the Muslim historians Abraham is a historic personage, but their detailed histories are mostly based on the history and folklore of the Israelites. It was natural that the Muslims should be asking details from the Jews and Christians, about persons and events, which belonged to their history and were mentioned in the Qur'an. The Qur'an had mentioned some names, but natural curiosity to know more turned the Muslims to the Jewish traditions, which were not always reliable, and about the acceptance of which the Prophet had given word of warning.

Muslim historians like Tabari, Ibn Khaldun and others who have generally critically weighed the historical versions available to them, in respect of Jewish history, except for the sacrifice of Ishmael of Isaaq, simply quote from Jewish sources, and we have already discussed Jewish sources and their position in historiography.

In this respect, one is constrained to say that the following remarks, through certainly not true in all cases, do certainly apply to our historians in connection with Jewish history.

> Even to this day, Arabic historian, for example, has no hesitancy in putting together the works of various of his predecessors and contemporaries with the most airy disregard of the fact that his various authorities are often quite contradictory". [20]

This is no way a correct appraisal of the historical contributions made by Muslim historiographers, but throws some light on their attitude towards the people of Scriptures.

Conclusion:

Thus we see whether all the available documents about Abraham are correct, partially correct, or mythological, one thing is established that the name and fame of Abraham has influenced a major part of human population of the globe through the three great Semitic

Marfat.com

a river and preacher of the same.

Abraham was an exemplar, obedient to Allah (and)upright; and he was not of the polytheists. He (i.e. Abraham)was grateful for Allah's favors. He chose him and guided him on the right path. (Allah says)

1. We gave him good in this world, and in the hereafter he will surely be among the good. Then (O Prophet) We revealed to three: "Follow the faith of Abraham the upright one; and he was not of the polytheists". (17)
2. Say (O Prophet) My Lord has guided me to the right path, (and) the right religion, the faith of Abraham, the upright one, and he was not of the polytheists. (18)

This high opinion about Abraham expressed in the Qur'an has perhaps moved Prof. H. Graetz to say:

> Judaism not only won over to its side many tribes in Arabia and taught the son of the desert certain indispensable arts, but it also inspired the founder of a religion, who played an important part in the great drama of the World's history, and whose influence survives to this day. Mahomet, the prophet of Mecca and Yathrib, was it is true, not a loyal son of Judaism, but he appreciated its highest aims , and was induced by it to give to the world a new faith, known as Islam, founded on a lofty basis. This religious has exercised a wonderful influence on the course of Jewish history and on the evolution of Judaism. (19)

Prof. Graetz is not a Muslim, and is thus not expected to agree essentially with the Muslim view of revelation. He has been quoted just to show the link of traditions.

Next to the Qur'an in Muslim lore comes the position of Hadith. The authentic traditions go in the wake of the Qur'anic assertions about Abraham. In these he is described as one of the best creatures. The prayer which is suggested to be recited in the daily regular prayer service, before ending it with a salaam, specially invokes divine bliss for Muhammad and his people, like the bliss which was sent to Abraham and his people. Hajj or prilgrimage to Ka'aba in Mecca is one of the five fundamental practices of Islam. Ka'aba is believed to be the

Marfat.com

Testament as their book and found in it the confirmation of their faith. It is more remarkable that the Old Testament in its Greek dress appealed to the Gentile world and became a valued weapon in the armoury of the Christian evangelist.

Abraham and the Islamic Tradition:

The fundamental source of Islamic information is the Holy Qur'an, Hadith and History come after that. So far as the Qur'an is connected, it does not give, and does not claim to give, connected historical accounts of events. It mentions incidents from the lives of the Patriarchs and the Prophets and hints at isolated events in the history of nations by way of illustration of some moral precepts or for bringing home some ethical lessons. It is, therefore, not expected to get a coherent biographical data concerning Abraham from the Qur'an. It describes Abraham to be a friend of Allah, His prophet and apostle, and a very true and obedient servants of His Will. He is mentioned as the ancestor of the Jews. Christians and the Arabs. His devotion to the cause of monotheism and repulsion from shrik (Polytheism) and idolatry are stressed repeatedly. His father whose name or title Adhar is mentioned in the Qur'an, is described as an idolater, but his sons Isaac and Ishmael, Jacob and great grand son Joseph, are all monotheists and Prophets of Allah. Moses, and Jesus through Mary, and Muhammad through Ishmael, (Peace be on all Prophets)are descendents of Abraham. In the Qur'an the Muslims and the people of the scripture i.e. the Jews and the Christians are exhorted to follow in the footsteps of their ancestor Abraham "who was not a polythesist". Abraham's discussions with his father and the polythestic people of his time, are also briefly narrated. His miraculous escape from the fire in which he was thrown by orders of the king is described in the Qur'an. His readiness to sacrifice his son is also described as an illustration of his devotion to Almighty Allah. According to the Qur'an Allah declared Abraham to be leader of nations. [16]

The religion of the Prophet of Arabia is described as the continuation of the faith of Abraham, and the Prophet is declared to be

Marfat.com

Peake's Commentary on the Bible says;

> Christianity is a historical religion, i.e. it is based on the validity and spiritual significance of series of facts without which it could never have arisen at all, all with the discredit of which it would speedily and finally lose its influence. Some of these facts lie, as we have seen, in the historical career of the people of Israel, whose literary deposit is found in the Old Testament and apocryphal books; the main fact; the main fact indeed is Israel itself", Greatly as criticism has altered our conception of the character of his literature, it has only emphasised the crucial importance for humanity of the religious movement of which this remarkable people were the channel. (14)

To the first Christians, who were Jews", says the writer of the article 'Bible' in the Encyclopaedia Britannica:

> the law and the prophets were already sacred. Their national sacred writings were to them the oracles of God, though they could no longer be regarded as containing the whole truth of God The coming of the Messiah had revealed God with a completeness that could not be discovered in the Old Testament.(15)

The word of the Lord was authoritative as even Moses and the prophets were not. Yet since all hopes of the Old Testament seemed to those Jewish Christians to be fulfilled in Jesus Christ, they more than ever were convinced that their national sacred books were divinely inspired. From this source they drew, if not the article of their creed, at least the proofs and supports of their doctrines. Christ died and rose again, according to the Scriptures.

All the writings of the Old Testament spoke of Christ to them. Legal enactment, prophetic utterance, simple historical record, and more emotional psalm- all alike could be covered by the phrase "the scripture says", all were treated as of one piece, and by diligent use of type all allegory single passages torn from any context could be used as proof-texts to commend or defend belief in Christ.

It is not strange that Jewish Christians claimed the Old

Marfat.com

The available details of his life are given in the New Testament. Christianity is based on the fact that Jesus was the Christ, who was long awaited by the sons of Israel, to come and redeem them. The original conception redemption, with the Jews, was perhaps political. They were waiting for a saviour to come and relieve them of their down-trodden position and to restore to them the lost glory of Israel. Gradually all hopes of moral and spiritual rejuvination of the Iraelite nation also centred in the saviour, whom they called Messiah in Hebrew or Christ in Greek translation. This "awaited one" had to appear from the house of David and line of Abraham. This hope for the advent of a saviour justifies the necessity the giving genealogical tables of Jesus in the Gospels. St. Matthew begins his gospel with the words, "The book of the generation of Jesus Christ, the son of David, the son of Abraham."(Matt 1; 1) St. Luke gives the genealogy of Jesus at the end of Chap. 3 of his gospel. Thus the background of Jesus being the Messiah or the Christ, lay in the acceptance of the Old Testament version of the history of religion.

> The rule of the Romans, like that of the Seleucidae before them, made the Jews fall back upon their Messianic dreams. In these the Bible played the leading part. The prophets of old had merely been religious and popular tribunes; nevertheless, by the aid of fanciful interpretation they succeeded in making them soothsayers. They were made to predict the supremacy of the Jewish nation over all other ; by taking some sentences of their writings apart from the context the people discovered allusions to their future deliverer, their Messiah. Like all mythological types this ideal figure of the Messiah grew more and more clearly defined. But at the same time it assumed a loftier significance, it became purely moral in character. In face of the vastness of the Roman power, a warrior king like David would not have been enough; what was needed was rather a revealer, like Moses, to set up the kingdom of God upon earth. (13)

The link has been acknowledged by scholars of Bible Principal E. Griffith Jones in his article on "The Bible, its meaning, and aim", in

Marfat.com

of all wisdom and science. He is the prototype of humility and kindness, famed for his hospitality. Circumcision is spoken of as " the Covenant of Abraham our Father " and Abraham is pictured as sitting at the gates of Hell not allowing any circumcised Jew to be brought there. According to hellenistic legend, he was king of Damascus. Arab legends claim that he laid the foundations for the sanctuary at Mecca. Modern biblical research is inclined to maintain his historical integrity. It is generally believed that he lived at the beginning of the second millennium B.C.E. (10)

The writer of the article on Abraham in the Encyclopedia Biblica says about the historical narratives of the Bible about Abraham;

> The Abraham traditions are twofold. Some belong exclusively to the great patriarch; others are almost attached to one or another of his successors. The latter we can disregard; the foundation of sanctuaries of Shechem and Behtel has a better traditional connection with Jacob (Gen.3318-20,2811-22),and that of Beersheba with Isaac(2626 f.);while the story of the imperilled wife has at least as good (or as bad) a claim to be connected with Isaac (26-II).There remain-(a)the migration from Harran or from Ur Kasdim;(b)the close affinity between Abraham and Sarah, Abraham and Hagar (and Keturah), Abraham and lot;(c)the abode and burial of Abraham near Hebron; and, underlying all these (d)the existence of an ancestor of the people of Israel bearing the name of Abraham or Abram. (11)

The destructive historical criticism of the Bible during the 19th century cast a gloom on the truth of Abraham story in the old Testament, but later on reconstructive criticism took the view that not only religiously, but even in a qualified sense, historically also, the narratives of Abraham have a claim on our attention. "The religious value is for all" says Encyclopaedia Biblica,"the historical or quasi-historical for students only. (12)

Abraham and the Christian Tradition:

The Master figures in Christian history is Jesus ,son of Mary.

Marfat.com

"Even at the beginning, religion was motive power in the history of Israel. Unshaken faith in God was the characteristic of all the patriarchs; and even if their knowledge of God was crude and imperfect, their faith in Him was sublime.

If we consider the patriarchs as nomadic chiefs, at the head of one or more pastoral races, who willingly submitted to the command of men of superior wealth, courage, and energy then we must look upon the wanderings of Abraham, and Isaac and Jacob, and their successors, as a series of recial migrations, extending over centuries and resulting in frequent changes and reorganisations, with its final culmination into the historic nation of Issrael. (9)

Abraham and the Jewish Tradition

The Old Testament records of Abraham's life are part of the sacred scriptures of the Jews, and we therefore, depend on the standard Jewish Encyclopedia edited by Cecil Roth, for giving us a brief resume of the biblical record in this connection.

"Abraham (Abram); Biblical patriarch to whom both the Jewish people and many Arabian tribes trace their ancestry. According to the biblical account, he was the son of Terah and the father of Isaac (by Sarah) and Ishmael (by his concubine Hagar). He left his birthplace in Ur of the Chaldees and pitched his tent among the Canaanite and Philistine inhabitants of Palestine, visited Egypt, and returned to dwell in Hebron. He fought to deliver Lot from CHEDORLAOMER king of Elam, AMRAPHEL king of Shinar, and their allies. God appeared to him in a vision and promised that his seed would inherit the land "from the river of Egypt to the Euphrates, "made a covenant with him, and tested his loyalty by ordering the sacrifice of Isaac. On the death of his wife Sarah, Abraham purchased the cave of Machpelah as a family burial place. He married a second wife, Keturah. Abraham died at the age of 175 and was buried in the cave of Machpelah. According to tradition Abraham was the founder of monotheism (being called a "prophet" in Gne.20:7),whilst later legends refer to him as the repository

Marfat.com

truth. But the scientific historian of today looks askance at all unverified traditions of antiquity, and it is becoming more and more common to begin the history of Israel with the Egyptian sojourn. This attitude of a certain school cannot be better expressed than in the words of the Rev. A.H.Sayce, Professor of Assyriology y at Oxford, who is recognized everywhere as one of the highest authorities on oriental archaeology. (6)

In the preface to his Early History of the Hebrews Professor Sayce points out that " there is no infallible history any more than there is infallible philology". He declares that the history of the Hebrews, to be properly understood, must be dealt with precisely as we deal with the history of any other ancient people. (7)

Professor Sayce lays special stress upon the fact that the oriental historians who were responsible for transmitting to us the biblical history were very different indeed from European historians of our own day. He does not hesitate to declare that for the historian it is necessary to regard the matter of the Old Testament from quite different points of view. first, archaeologically, or, in other words, critically, secondly, with the bias of the theologian, accepting the doctrines laid down by the Church.

If so great an authority finds this attitude justifiable, surely it is open to everyone to read history of the Hebrews as interpreted according to modern ideas, and then to apply to it whatever prism of faith may suit his own fancy. (8)

The Biblical Record

With the above introduction we turn to the accounts of the patriarchs. Some historians would take from him his historical personality. They believe that he was originally a local deity of Hebron, or other place , and that in the course of time he was transformed, through legendary alchemy, into one of the fathers of his race. But the chief value of Abraham's character is not historical; it is religious. The Old Testament makes him the hero of faith whose confidence in the goodness and justice of God cannot be shaken...............

Marfat.com

On the other hand in Hastings Encyclopedia, Abraham is discussed in the article "Heroes and Hero-Gods" (Hebrew), where before stating the researches of Hugo Winchler and Edward Meyer, the author of the article explains that 'there are at present in the field three main modes of interpreting the histories of Abraham, Isaac, Jacob, and Joseph.(1) They were real persons, and their histories are, in outline at any rate, true. If so, they head the list of the genuine Hebrew heroes of the purely human type, such as lie before us in the history of the conquest of Canaan and later times.(2) They are historic-genealogical-that is to say, they originally represented, not individuals, but tribes or clans.(3) They are mainly if not absolutely, to be regarded as mythological figures whose legends were later on set out in the from of human histories".(4) After this Abraham is discussed as a mythological personality.

Some historian have made mere passing mention about Abraham. M. Rollins in the Ancient History of the Egyptians, Carthagions, Assyrians, Babylonians, Medes and Persians, Grecians and Macedonians says."

> Egypt had long been governed by its natives princes, under one of whom called Pharaoh in Scripture(Gen XII. 10-20) (a name common to all the kings of Egypt), Abraham arrived there with his wife Sara.(5)

The Archeological and the Theological Attitudes

Rothschild in *The History and Literature of the Israelites* gives a resume of the biblical records. The Historians' History of the World, that monumental work embodying a major portion of modern researches in ancient history says.

> 'The modern historian knows as little of the origin of the Hebrews as he knows of the beginning of the racial history of any other nation. The Hebrew traditions according to which the race originated in Chaldea, and migrated thence under Father Abraham, are familiar to every one through the Bible records. There is no reason to doubt that here, as elsewhere, the national tradition represents at least a general outline of the historical

Marfat.com

ABRAHAM AND HIS INFLUENCE ON HISTORY

In this article it is not intended to give a life sketch of Abraham, the progenitor of the Jews and the Arabs, but the object in view is to show the marvellous influence that the name of this ancient personality has exercised on the three great traditions of Semitic origin. Judaism, Christianity and Islam, all the three have an established link with Abraham and his life experience, and thus more than half of humanity either through descent or on the basis of faith, have Abraham's name in the background of their convictions and religious traditions

Historicity of Abraham

For getting a knowledge about Abraham, we have to depend mostly on Biblical records and these sacred scriptures, according to recent researches, are not considered wholly reliable from the purely historical point of view, but the authenticity and reliability of the biblical records is beyond the scope of this paper. Historians have vacillated between acceptance and rejection of the historical data provided by the Old Testament. Some authors have gone to the extreme of ignoring the mention of Abram (afterwards called Abraham in the Bible). The well-known *Encyclopedia of Religion and Ethics,* edited by Hastings, though not a book of pure history, yet while it describes in detail the lives of religious personalities, fails to include an independent article on Abraham. The Arabs base their traditions on their lineage from Abraham, and the *Concise Encyclopedia* of Arabic Civilization, edited by Stephen and Nandy Ronart, does not contain even a small article on Abraham, the father of the Arabs, although on page 47 Ishmael the son of Abraham and Hagar, has been mentioned just passingly.

Marfat.com

ارمغانِ
علامہ علاؤالدین صدیقیؒ

مرتبہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

UNIVERSITY OF THE PUNJAB

شعبہ علوم اسلامیہ

جامعہ پنجاب، لاہور

Marfat.com